بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اکرم التّفاسیر

وَمَن يَّقْنُتْ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

22

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

وَمَنْ يَّقْنُتْ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان

22

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ

پارہ 22
باراوّل .... جنوری 2017ء
تعداد .... دو ہزار
قیمت .... -/470 روپے
ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان
ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود نمائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ' ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرارہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرمادیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ الاحزاب آیات 31 تا 34	15
2	تفسیر و معارف	15
3	ازواجِ مطہرات ؓ کا ذکرِ خیر:	17
4	ولایتِ الٰہی کی شرط تقویٰ ہے:	18
5	ایک واقعہ:	18
6	پردے کی بنیادی صورت:	19
7	زینت کے اظہار کی ممانعت:	20
8	ازواجِ مطہرات ؓ کا عظیم مقام:	21
9	جُہلا کے اعتراض بے بنیاد ہوتے ہیں:	21
10	سورۃ الاحزاب آیات 35 تا 40	24
11	تفسیر و معارف	26
12	مسلمانوں کے کردار کی خوبصورت ترتیب:	26
13	یاددہانی!	30
14	شانِ نزول:	32
15	آج کے نام نہاد علما اور عصمت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام:	34
16	ایک ضمنی بات:	35
17	حضرت زینب ؓ کی فضیلت:	35
18	آسان ترین زندگی کا گُر:	36

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
19	انبیا علیھم السلام کی شان	37
20	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے نسبی والد نہیں ہیں:	38
21	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:	39
22	سورۃ الاحزاب آیات 41 تا 52	41
23	تفسیر و معارف	43
24	ایمان والوں کو ذکرِ کثیر کا حکم:	43
25	ذکرِ قلبی، ذکرِ کثیر، ذکرِ دوام سے مقصود کیا ہے؟	44
26	ذکرِ دوام کیسے ملے؟	46
27	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی منصب جلیلہ:	47
28	توکل کی حقیقت:	51
29	طلاق کے چند عمومی احکام:	52
30	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان:	53
31	خاندانِ نبوت کا تذکرہ بہت ادب کا متقاضی ہے:	54
32	مہر کے مختصر احکام:	55
33	اسلام میں غلام اور کنیز کا مقام اور احکام:	56
34	کزن میرج: (Cousin Marriage)	57
35	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص رعایت:	59
36	مقامِ ادب:	60

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
37	دورِ حاضر میں عذابوں کا سبب ہمارا کردار:	62
38	تصوف کا قاعدہ:	62
39	ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنھن) کی شان:	64
40	حد درجہ احتیاط کا مقام:	65
41	سورۃ الاحزاب آیات 53 تا 58	67
42	تفسیر و معارف	68
43	انبیاؑ سے اُمتی کا رشتہ، بے حد نازک:	69
44	کاشانہء نبوت پر حاضر ہونے کے آداب:	70
45	ہر وہ بات اور ہر وہ کام حرام ہے:	71
46	آدابِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم اور دورِ حاضر کے مسلمان:	72
47	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اعزاز:	72
48	ازواجِ مطہرات ؓ کی توہین کا مرتکب کافر ہے:	73
49	پردہ یعنی حجاب:	74
50	دلوں کی پاکیزگی کا نسخہ:	74
51	مسنون درود شریف کی برکات بے مثل ہیں:	75
52	ایذائے رسول کا نتیجہ، رحمت سے محرومی:	76
53	بہتان کی سزا غیبت سے شدید تر ہے:	77
54	سورۃ الاحزاب آیات 59 تا 68	78
55	تفسیر و معارف	79
56	شرعی پردہ:	79

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
57	مسلمانوں کے خلاف بُری خبریں پھیلانا قلبی مرض کی علامت ہے:	81
58	آج کا مسلمان کہلوانے والا:	82
59	برزخ:	83
60	انجامِ کفر:	84
61	روح:	84
62	سورۃ الاحزاب آیات 69 تا 73	88
63	تفسیر و معارف	89
64	آدابِ بارگاہ رسالت کے لیے:	89
65	تقویٰ:	90
66	سیدھی بات کرنا، اصلاحِ اعمال کا سبب ہے:	90
67	معرفتِ الٰہی کا شعور:	91
68	انسان ہونے کا حق ادا کرنا:	92
69	قانونِ فطرت:	94
70	سورۃ سبا آیات 1 تا 9	96
71	تفسیر و معارف	98
72	سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے:	98
73	ربوبیت کا تقاضا:	100
74	اللہ کی نافرمانی کا ایک دردناک پہلو:	103

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
75	علم کا خاصہ:	104
76	کفر، علم سے بے بہرہ رکھتا ہے:	105
77	اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں:	106
78	گمراہی کا سبب:	107
79	عبدِ منیب:	108
80	سورۃ سبا آیات 10 تا 21	110
81	تفسیر و معارف	112
82	اللہ کریم کا بہت بڑا احسان:	112
83	ایجادات:	113
84	تسخیرِ جنات:	115
85	تمثیل، تصویر، حلال یا حرام:	118
86	جنات غیب کا علم نہیں رکھتے:	120
87	حیاتُ النبیؐ:	121
88	خوشحالی، نعمتِ الٰہی ہے:	124
89	انسانی مزاج بھی عجیب ہے:	124
90	نعمتوں کو ٹھکرانے کی سزا:	125
91	مضبوط معیشت امن کی ضامن ہے:	126
92	درسِ عبرت:	128
93	آخرت پر ایمان حفاظتِ الٰہیہ کا ضامن ہے:	129
94	سورۃ سبا آیات 22 تا 30	132

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
95	تفسیر و معارف	133
96	غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی جواز نہیں:	133
97	طریقِ مناظرہ:	136
98	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت:	138
99	قیامت کا دن مقرر ہے:	139
100	سورۃ سبا آیات 31 تا 36	141
101	تفسیر و معارف	142
102	قرآن سے انکار کا سبب:	142
103	میدانِ حشر میں کفار کی باہم گفتگو:	143
104	ایک عجیب حقیقت:	145
105	رزق کی تقسیم:	146
106	سورۃ سبا آیات 37 تا 45	147
107	تفسیر و معارف	149
108	قربِ الٰہی کی دلیل کیا ہے؟	149
109	اللہ کی آیات کو عاجز کرنے سے مراد:	150
110	رزق، اللہ کریم کی اپنی تقسیم ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے:	152
111	یومِ حشر:	154
112	انکار کرنے والوں کا موقف:	155
113	سورۃ سبا آیات 46 تا 54	158
114	تفسیر و معارف	159

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
115	ایک بہترین اصول:	159
116	دینی کام پر اجر کی امید صرف اللہ سے رکھو:	161
117	حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا:	162
118	ہدایت کا سرچشمہ، وحیِ الٰہی:	163
119	آخرت میں منکرین کی حالتِ زار:	163
120	لمحۂ فکریہ:	166
121	سورۃ فاطر آیات 1 تا 7	167
122	تفسیر و معارف	168
123	سب تعریف خالق کائنات کو سزاوار ہے:	168
124	اللہ کے نظام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا:	170
125	انسان پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں:	172
126	حق کا انکار کرنے والے اپنا نقصان کرتے ہیں:	173
127	حق کے مقابلے میں کسی دھوکے میں نہ آجانا:	174
128	شیطان نسلِ انسانی کا دشمن ہے:	175
129	ایمان کا تقاضا اور انعام:	176
130	سورۃ فاطر آیت 8 تا 14	179
131	دارِ دنیا کی سب سے بڑی مصیبت:	181
132	نبیٔ رحمت کی شانِ کریمی:	182
133	اللہ کی قدرت کاملہ:	183
134	عزت کے طالب سُن لیں:	185

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
135	تخلیقِ باری میں غور کرو:	186
136	غیر اللہ کو پکارنا لاحاصل ہے:	190
137	سورۃ فاطر آیات 15 تا 26	192
138	تفسیر و معارف	193
139	انسان کا سرمایہ، اللہ کی بارگاہ میں محتاجی ہے:	193
140	کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا:	195
141	انذار اُسی کے لیے مفید ہے جس کا ایمان بالغیب ہے:	196
142	عبادت سے مراد اطاعت ہے:	198
143	تزکیہ، اپنے لیے ہے:	198
144	ایمان اور کفر کا موازنہ:	200
145	سماع اور اسماع:	201
146	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ:	202
147	سورۃ فاطر آیات 27 تا 37	204
148	تفسیر و معارف	207
149	قدرتِ باری کے مظاہر:	207
150	علم کا حاصل:	208
151	تلاوتِ قرآن:	210
152	قرآن، سراپا حق:	213
153	دین کی اساس:	214

نمبرشار	مندرجات	صفحہ نمبر
154	کتاب کے وارث:	215
155	اہلِ جنت کا اظہار تشکر:	217
156	کفر کا انجام:	219
157	کفار کا واویلا:	219
158	یہ زندگی بار بار نہیں ملتی:	220
159	سورۃ فاطر آیات 38 تا45	222
160	تفسیر ومعارف	224
161	اللہ کا علم حضوری ہے:	224
162	خلافتِ ارضی:	224
163	کفر کا نقصان، کافر کو ہی ہوتا ہے:	225
164	خالق صرف اللہ ہے:	226
165	نظامِ کائنات کو اللہ کریم قائم رکھے ہوئے ہیں:	229
166	بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھرا، کھوٹا ظاہر کر دیا:	231
167	اللہ کا قانون بدلتا نہیں:	232
168	اللہ کا کرم نہ ہوتا تو انسانی کردار تمام مخلوق کو تباہ کر دیتا:	233
169	سورۃ یٰس آیات 1 تا12	235
170	تفسیر ومعارف	236
171	فضائل:	236
172	غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کے لیے راہ نجات:	237
173	اللہ کے قانون اٹل ہیں:	238
174	ماننے والوں کے لیے خوشخبری:	240
175	سورۃ یٰس آیات 13 تا21	244
176	تفسیر ومعارف	245
177	اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں:	245
178	گناہ سے روکنے والے کو فسادی کہنا کفر کا شیوہ ہے:	247
179	خلاف اسلام عقیدہ اور عمل دونوں کی الگ الگ نحوست ہے:	247

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 22 ومن یقنت

سورۃ الاحزاب رکوع 4 آیات 31 تا 34

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ
بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبردار رہے گی اور نیک کام کرے گی ہم
اس کا اجر دوگنا کر دیں گے اور ہم نے اس کی خاطر عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے ﴿۳۱﴾
اے پیغمبر (ﷺ) کی بیبیو! آپ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں اگر آپ پرہیزگار
رہنا چاہتی ہیں تو (کسی اجنبی شخص سے) نزاکت سے بات نہ کریں تو ایسے شخص جس
کے دل میں مرض ہو کو (طبعا) خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے اور دستور کے
مطابق بات کریں ﴿۳۲﴾ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور پہلے زمانہ جاہلیت
میں پھرنے کے دستور کے مطابق مت پھریں اور نمازوں کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ

دیا کریں اور (ہمیشہ) اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبردار رہیں بے شک اللہ چاہتے ہیں کہ اے (پیغمبر کے) گھر والو! آپ سے آلودگی کو دور رکھیں اور آپ کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک و صاف رکھیں ﴿۳۳﴾ اور آپ اللہ کی ان آیات (احکام) کو یاد رکھیں اور حکمت کی باتوں کو جن کا آپ کے گھروں میں چرچا رہتا ہے بے شک اللہ باریک بین (اور) باخبر ہیں ﴿۳۴﴾

تفسیر ومعارف

الحمدللہ بائیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔ سورۂ احزاب جاری ہے۔ جب بنوقریظہ کو شکست ہوئی، دوسرے یہود قبائل بھی مدینہ سے نکل گئے اور فتوحات جزیرہ نمائے عرب میں پھیلیں تو بہت سا مالِ غنیمت مرکز میں موصول ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے ہاں مالی فراخی آ گئی۔ عوام آسودہ حال ہونا شروع ہو گئے تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے بارگاہِ رسالت پناہی میں عرض کیا کہ تمام مسلمانوں کو الحمدللہ فراخی نصیب ہوگئی ہے تو خانہء اقدس پر بھی کچھ فراخی ہو جائے کہ کئی کئی ماہ آگ نہیں جلتی، مشکل سے بسر ہوتی ہے۔ بعض روایات کے حوالے سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بھی عرض کیا گیا کہ بادشاہوں، قیصر و کسریٰ کی بیگمات تو محلوں میں رہتی ہیں اور سینکڑوں کنیزیں ان کی خدمت پر مامور ہوتی ہیں تو ہمارے لیے اتنا اضافہ کر دیجیے کہ صبح و شام کا کھانا میسر ہو جائے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ناگوار گزری۔ اللہ کریم نے بھی پسند نہیں فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیصر و کسریٰ کی طرح کا بادشاہ نہیں ہوں۔ میں اللہ کا نبی و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ اس پر اللہ کریم نے ازواجِ مطہراتؓ کے اس سوال کا جواب خود دیا کہ اگر آپ کو دنیا اور اس کی دولت چاہیے تو پھر آپؓ کو دولت دے کر اچھے طریقے سے روانہ کر دیتے ہیں۔ آپؓ اس صورت میں میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر رخصت ہو جائیں اور اگر دامانِ رسالت سے وابستہ رہنا ہے تو پھر یہاں ایسے ہی گزر بسر کرنا ہوگی۔ ایسی ہی زندگی گزارنی پڑے گی۔ گزشتہ آیات میں یہ باتیں تفصیلاً بیان ہو چکی ہیں۔ اجمالاً دہرائے دیتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اُم المومنین حضرت عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا کو پڑھ کر سنائیں۔ انہیں والدین سے مشورہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اُم المومنینؓ نے فی الفور جواب دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن چھوڑنے کا تو ہم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ دنیا بڑی حسین ہے، اس میں بڑے آرام ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اقدس کے بدلے یہ سب کسی

صورت قبول نہیں۔ یہی جواب تمام ازواجِ مطہرات ؓ نے بھی پیش کیا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہنا ہے، ہمیں دنیا نہیں چاہیے۔ اس جواب کو اللہ کریم نے بہت پسند فرمایا۔ ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبردار رہے گی اور نیک کام کرے گی ہم اس کا اجر دوگنا کردیں گے اور ہم نے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔

اللہ کریم نے ازواجِ مطہرات ؓ کے اس فیصلے کو پسند فرما کر ان کے عمل کے اجر کو دوگنا کرنے کی بشارت سنا دی۔ آگے ازواجِ مطہرات ؓ کی فضیلت اور اس فضیلت کے سبب ان ؓ پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا ذکر آتا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو آپ (رضی اللہ عنہن) نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گزار اور دامانِ نبوت سے وابستہ رہیں گی اور آپ ؓ نے پسند کیا ہے کہ آپ ؓ کا جینا مرنا، دنیا و آخرت دامانِ رسالت پناہی سے وابستہ ہے تو ہم بھی آپ ؓ کے اعمال کا بدلہ کئی گناہ بڑھا کردیں گے۔ یہ دنیا تو چند روزہ ہے۔ جو روکھی سوکھی کھا لیتا ہے اس کی بھی بسر ہوجاتی ہے اور جو مُرغن غذا کھاتا ہے اس کی بھی گزر جاتی ہے۔ آخرت کی نعمتیں حقیقی ہیں۔ ان کا دنیا کی نعمتوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ جب حقیقی عالم میں پہنچیں گے تو پتا چلے گا کہ اللہ کے فرمانبرداروں کو کیسی عظیم نعمتیں ملیں گی۔ جو اطاعتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہرہ مند ہو کر آئیں گے جن کے سینے منور ہوں گے، کھانے کی اصل نعمتیں تو اُن کو نصیب ہوں گی۔ فرمایا، وہاں ہم نے آپ ؓ کے لیے رزقِ کریم تیار کر رکھا ہے۔ رزقِ کریم وہ رزق ہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہو۔ نقصان کا شائبہ تک نہ ہو۔ دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ ہو۔ اس میں بیماری کا اندیشہ نہ کسی اور طرح کا خطرہ ہو سلامتی ہی سلامتی، لذت ہی لذت ہو!

ازواجِ مطہرات ؓ کا ذکرِ خیر:

فرمایا: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ۔۔۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیبیو! آپ ؓ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ آپ ؓ کی مثل جہان میں کوئی عورت نہیں ہے۔ کاشانۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہونے کی وجہ سے آپ ؓ خواتینِ عالم سے بہت بلند، بہت ارفع ہیں۔ آپ ؓ جیسی کوئی دوسری خاتون نہیں۔ ہاں! اس کے ساتھ تقویٰ شرط ہے۔

یاد رہے! دنیا میں معصوم صرف نبیؑ ہوتے ہیں۔ انبیاؑ فطری طور پر، تخلیقی طور پر معصوم ہوتے ہیں۔ اُنؑ سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں۔ نبیؑ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام ؓ، اُمہات المومنین یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سب محفوظ ہیں۔ محفوظ وہ لوگ ہیں جن کی حفاظت اللہ کریم فرماتے ہیں۔ انہیں گناہ سے

بچاتے ہیں لیکن غلطی کا امکان ان میں بھی رہتا ہے۔

ولایتِ الٰہی کی شرط تقویٰ ہے:

فرمایا، یہ عظمتیں، یہ بلندیاں ان میں آپؓ کا ثانی کائنات میں کوئی نہیں۔ آپؓ دنیا کی خواتین سے افضل ترین ہیں کہ کاشانۂ نبوت پر مکین ہیں۔ ازواجِ مطہراتؓ کی عظمت کو تو صحابہ کرامؓ نہیں پہنچتے کہ یہ عالی قدر ہستیاں تمام صحابہؓ کی بھی مائیںؓ ہیں۔ اُمہات المومنینؓ ہیں۔ الحمدللہ! ہمیں بھی یہ سعادت نصیب ہے کہ وہی اللہ کی بزرگ بندیاں، امہات المومنینؓ ہماری بھی مائیں ہیں۔ ولی کسی بھی مقام کو پہنچ جائے ایک صحابیؓ کی خاکِ پا کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابیؓ کتنی بھی عظمتوں کا حامل ہو اُمہات المومنینؓ کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ اُن رضی اللہ عنہن سے فرمایا جارہا ہے کہ ہمیشہ تقویٰ کا دامن تھامے رکھیں۔ بطفیلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کریم سے آپؓ کا جو رشتۂ بندگی، عبادت اور اطاعت کا ہے اسے بہ حسن وخوبی قائم رکھیں۔ فکر کا مقام ہے کہ اس درجہ عظمت کی حامل ہستیوں کو بھی فرمایا جارہا ہے کہ تقویٰ شرط ہے۔ اطاعتِ الٰہی شرطِ اوّل ہے۔ سب بلندیاں، سب مراتب، سب مناصب اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہیں۔ وہی خدانخواستہ چھوٹ گیا تو سمجھئے زمین پیروں سے نکل گئی۔ اس کا مطلب ہے ہر غیر نبی پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع ہر حال میں لازم ہے۔ اگر کوئی واقعی ولی اللہ ہو، واقعی بہت نیک ہو پھر بھی جہاں دامانِ رسالت اس سے چھوٹے گا وہاں نیکی ختم ہوجائے گی۔ نیکی گویا ایک عمارت ہے۔ یہ عمارت کس زمین پر کھڑی ہے؟ یہ اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین پر ہے۔ اگر نیچے سے یہ زمین کھینچ لی جائے تو عمارت کہاں کھڑی ہوگی؟ سب ولیوں کی ولایت کی شرط تقویٰ ہے۔

ایک واقعہ:

ہمارے ہاں یہ جو تصور بن گیا ہے کہ جو بے دین، بے نماز نشہ کرنے والے یا پاگل ہیں انہیں ولی اللہ بنا دیتے ہیں۔ یہ نری جہالت ہے۔ ولایتِ الٰہی کی شرط تقویٰ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہم حاضر تھے تو کسی پیر صاحب کے ایک مرید بھی حضرت جیؒ کی خدمت میں آبیٹھے۔ وہ پیر صاحب نمازیں بھی نہیں پڑھتے تھے تو حضرت جیؒ نے اس مرید سے پوچھا، یہ تم نے کیسا پیر پکڑا ہے جو خود نماز نہیں پڑھتا، تمہیں کیا نیکی سکھائے گا۔ پیر تو ہوتا ہے نیکی سکھانے کے لیے۔ وہ کہنے لگا، جی وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ پانچوں نمازیں مکہ مکرم حرم میں پڑھتے ہیں۔ یہاں نہیں پڑھتے۔ حضرت جیؒ مسکرائے اور فرمایا، اُسے کہو کہ صبح وشام کا کھانا بھی مکہ مکرمہ سے کھا کر آیا کرے۔ وہاں حرم کے باہر بڑے بڑے ہوٹل ہیں۔ یہ کیا کہ کھاتا یہاں ہے، نمازیں وہاں پڑھتا ہے! یہ تو دھوکا دینے والی بات ہے۔ حق یہ ہے کہ ولایت کی شرطِ اوّل اطاعتِ الٰہی ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب جاری ہے۔ فرمایا: اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ اگر آپ پرہیزگار رہنا چاہتی ہیں تو (کسی اجنبی شخص سے) نزاکت سے بات نہ کریں تو ایسے شخص جس کے دل میں مرض ہو کو (طبعاً) خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے اور دستور کے مطابق بات کریں۔

خاتون کی آواز بھی پردے میں رہے۔ حتیٰ کہ فقہا لکھتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور پیچھے خواتین بھی شامل ہوں۔ امام اگر غلطی کر رہا ہو تو مرد لقمہ دے دیتا ہے۔ امام نے جو لفظ غلط پڑھا تو مرد مقتدی وہ لفظ دہرا دیتا ہے لیکن خاتون کو زبان سے کہنے کی اجازت نہیں۔ اس کے لیے حکم ہے کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مار کر آواز پیدا کر کے امام کو مطلع کرے۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ کاشانۂ نبوی پر کوئی شخص بات کہنے، پوچھنے آ جائے، کوئی اجنبی دروازہ کھٹکھٹائے یا بات کرنا چاہے تو نرم لہجے میں جواب نہ دیں۔ سخت، کھردرا لہجہ اختیار کریں۔ آپ رضی اللہ عنہن تو اللہ کی نیک بندیاں ہیں لیکن ہو سکتا ہے جو بات کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں مرض ہو، وہ کوئی منافق ہی ہو لہٰذا بات سختی سے کیجیے۔ اور جو بات کریں وہ دستور کے مطابق ہو معروف ہو یعنی اسلامی قواعد وضوابط کی حدود کے اندر ہو۔

یہاں سے اندازہ لگائیں کہ آج کے مسلمان گھرانوں کی خواتین کا بن ٹھن کر سُروں میں گانا اور تشہیر کرنا اور کہاں اللہ کا حکم کہ اجنبی مرد سے کھردرے لہجے میں بات کی جائے۔ آج ہماری بیٹیاں بن سنور کر گانے میں شریک ہیں۔ جو بہت نیک ہیں وہ نعت خوانی میں لگی ہوئی ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے۔ آواز کا احترام تو ختم ہوا۔ آواز کا پردہ نہ وہاں رہا نہ یہاں رہا۔ نسوانیت کا احترام ختم ہوا۔ خلافِ شریعت عمل کر کے نعت پڑھنا کیا معنی! خلافِ شریعت عمل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوش نہیں ہوں گے نہ ہی اللہ کریم راضی ہوں گے۔ جس کام کی اللہ نے اجازت نہیں دی وہ نیکی نہیں ہے۔ خواتین جب ٹی وی پر نعت سنائیں گی خواہ ساری خواتین ہی بیٹھی ہوں وہ سارا ٹی وی پر نشر ہو جاتا ہے تو یہ نمائش ہے۔ خاتون کا چہرہ تو ہے ہی پردہ۔ جس چیز کا پردہ ہے اس کی نمائش چہ معنی دارد؟

پردے کی بنیادی صورت:

فرمایا: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ۔۔۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اپنے گھروں میں رہیں۔ بلا ضرورت نکلنا ممنوع ہے ہاں! کوئی ضرورت پیش آ جائے جیسے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ حج، عمرہ کے لیے محرم کے ساتھ جانا ہے یا گھریلو مجبوری کے تحت روزی کمانے، کاروبار، مزدوری

کرنے جانا ہے تو جاسکتی ہیں۔ جو کام ضروری ہیں وہ سب کرسکتی ہیں انہیں اجازت ہے لیکن شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے کریں۔ مکمل پردے میں رہیں گی۔ مردوں سے بے تکلفی نہیں ہوگی بلکہ جو ساتھ کام کرتے ہیں ان سے سخت لہجے میں بات کریں گی تاکہ کسی کا رجحان ان کی طرف نہ ہو۔ اگر کسی خاتون کی ضرورتیں گھر میں پوری ہو رہی ہوں تو اُسے باہر جانے کی اجازت ہی نہیں۔

زینت کے اظہار کی ممانعت:

فرمایا: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۔۔۔ اور پہلے زمانۂ جاہلیت میں پھرنے کے دستور کے مطابق مت پھریں۔ زمانۂ جاہلیت کا طریقہ کیا تھا؟ اس زمانے میں عورتیں بن سنور کر، ریشمی لباس پہن کر، زیورات سے آراستہ ہو کر سراپا نمائش بن کر باہر نکلتی تھیں تاکہ لوگ انہیں دیکھیں۔ ان کے قد کاٹھ، زیبائش، زیورات وغیرہ سے متاثر ہوں اور ان کی دھاک بیٹھ جائے۔ اسلام نے اس جاہلانہ روش کو حرام قرار دیا ہے۔ عورت کو اپنے گھر میں رہ کر اچھا پہننے، زیبائش کرنے، زیور پہننے کی اجازت ہے بلکہ یہ اس کا حق ہے۔ ضرور بنے سنورے لیکن نمائش کے لیے نہیں۔ نامحرم کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرنا ہرگز جائز نہیں۔

گھروں میں قیام کے ساتھ ساتھ انہیں ایک خوبصورت کام دے دیا۔ فرمایا: وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَآتِينَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۔۔۔ اور نمازوں کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور (ہمیشہ) اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبردار رہیں یعنی اللہ کریم سے باتیں کریں، اپنی گزارشات پیش کریں۔ اللہ نے آپ ؐ کے گھرانے کے ذریعے کائنات کو یہ انعام بخشا ہے کہ کل امت اللہ کی عبادت (صلوٰۃ) ادا کرے تو آپ بھی صلوٰۃ کی پابندی کریں، اللہ کریم کے روبرو حاضر ہو کر ملاقات کریں، اللہ کی رحمتیں، مغفرتیں اور اس کا فضل سمیٹیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

کاشانۂ نبوی کا تو یہ عالم تھا کہ پوری حیاتِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو وقت کا کھانا تناول نہیں فرمایا۔ پکانے کو ہی کچھ نہیں ہوتا تھا پھر بھی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ ؓ کے پاس بھی جب اتنا مال آجائے تو زکوٰۃ ادا کیجیے۔ اندازہ کیجیے ان ہستیوں ؓ کی عظمت کا، اُن ؓ کی دُنیوی زندگی کا اور حکمِ الٰہی کی اہمیت وفضیلت کا! فرمایا: أَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۔۔۔ اور کمالِ زندگی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں۔ یہ کمالِ اطاعت اور اس کا وہ درجہ جس کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ان ہستیوں ؓ پر ختم ہے۔ ان ہستیوں ؓ نے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کس خلوص، کس ضبطِ اوقات اور دل کی کس گہرائی سے کیا اس کا درجہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی شان کے مطابق ہے۔ البتہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری تمام امت پر فرض ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا عظیم مقام:

فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾
بے شک اللہ چاہتے ہیں کہ اے (پیغمبر کے) گھر والو! آپ سے آلودگی کو دور رکھیں اور آپ کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک صاف رکھیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والے ہیں۔ آپ پاک بیبیوں رضی اللہ عنہن جیسا جہان میں کوئی دوسرا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ اللہ کریم چاہتے ہیں کہ ہر طرح کی آلودگی سے آپ رضی اللہ عنہن کا دامن پاک رہے۔ اللہ کریم آپ رضی اللہ عنہن کو ہر طرح سے مثالی طور پر پاک رکھنا چاہتے ہیں۔

مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت پڑھنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ فرمایا:
اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي (رواہ ابن جریر) ایک دوسری روایت کے مطابق اس آیۂ مبارکہ کے نزول کے وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تینوں بیٹیوں رضی اللہ عنہن کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیات تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو اپنی چادر مبارک میں لے کر دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي ۔ یا اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں ان کو بھی میرے اہلِ بیت میں شامل فرما۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی اولاد پر خصوصی کرم تھا، خصوصی محبت، شفقت اور رحمت تھی کہ اِن پانچ مقدس ہستیوں کو شامل فرمایا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو بلند مقام آپ نے میرے گھر والوں کو عطا فرمایا ہے اس میں میرے ان بچوں کو بھی شامل فرمالیں۔

جُہلا کے اعتراض بے بنیاد ہوتے ہیں:

آیۂ کریمہ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ۔۔۔ زمانۂ جاہلیت کی رسموں کے مطابق بن سنور کر باہر نہ نکلیں پر بعض جہلا نے یہ اعتراض کیا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج پر کیوں گئی تھیں؟ یہ آیۂ کریمہ تو روک رہی ہے کہ عہدِ جاہلیت کی رسموں کے مطابق نمائش کے لیے باہر نہ نکلیں۔ یہ آیت حج سے مانع نہیں۔ عہد فاروقی میں باقی امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے بھی حج ادا کیے اور حج کی تمام شرائط کی پاسداری کے ساتھ ادا کیے کہ محرم ساتھ تھے۔ مکمل پردے، آہنی ہودج میں تھیں حفاظت کا مکمل انتظام تھا۔ جس سفرِ حج پر جہلا اعتراض کرتے ہیں اس میں آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت اُم سلمہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما بھی تشریف لے گئی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایامِ حج میں مدینہ منورہ میں شہید کر دیے گئے۔ حضرت علی وجہہ الکریم رضی اللہ عنہ نے حالات کو سنبھالا۔ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ فسادیوں کا ایسا گروہ تھا جنہیں مورخین نے روافض کہا ہے۔ جب تیر کمان سے نکلتا ہے تو اسے رفض کہتے ہیں۔ اس طبقے نے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا انہیں روافض کہتے ہیں کہ یہ دین سے اس طرح نکل گئے

جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ مفسدین نے موقع تلاش کیا۔ حج کا موسم تھا، اکثر صحابہ کرامؓ اور دیگر لوگ حج پر گئے ہوئے تھے تو پیچھے انہوں نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کئی دن پیاسا رکھ کر شہید کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حالات کو سنبھالا دیا لیکن مدینہ منورہ میں روافض کا غلبہ ہو چکا تھا یہ باغی آپؓ کے گرد بھی جمع تھے اور آپؓ روافض کی سازشوں کے گھیرے میں تھے۔ روافض نے ایک طرح سے آپؓ کو بے بس کر رکھا تھا۔ اُم المومنینؓ کو ان حالات سے آگاہی ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے مسلمانوں کو متحد کرنے اور اصلاح کی غرض سے اپنے محرم اپنے بھانجے کے ساتھ دیگر اکابر صحابہؓ کی معیت میں بصرہ کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں اسلامی افواج تھیں۔ آپؓ کا بصرہ تشریف لے جانے کا مقصد نہایت واضح تھا کہ فوجیوں کو جمع کیا جائے اور قیام امن کی کوئی صورت بنے۔ دوسری طرف (مفسدین) نے حضرت علیؓ کو غلط اور من گھڑت خبریں دیں کہ صحابہ کرامؓ ام المومنینؓ کے ساتھ مل کر لشکر کو جمع کر رہے ہیں تو آپؓ نے بصرہ جانے کا سفر اختیار کر لیا حالانکہ اُنؓ کو بصرہ جانے سے روکنے والوں میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ بصرہ پہنچ کر ہرگز جنگ نہیں ہوئی۔ بات چیت شروع ہوئی کہ اس سارے مسئلے کا حل کیا ہے، کیا کیا جائے، کیا ہونا چاہیے؟ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو کس طرح سزا دی جائے، کس کو سزا دی جائے، کس پر حد جاری ہو اور یہ معاملہ کیسے سرد کیا جائے، قوم کو کس طرح یکجا کیا جائے؟ یہ مذاکرات ہو رہے تھے اور صلح کی صورت پیدا ہو چکی تھی کہ رافضیوں پر یہ صلح سخت گراں گزری اور انہوں نے ایک منصوبے کے تحت سحری کے وقت حملہ کر دیا۔ تاریکی میں، نادانی میں آپس میں جنگ ہو گئی۔ بہت مسلمان شہید ہو گئے۔ اس وقت کچھ لوگوں نے سمجھداری سے کام لیا اور بآواز بلند کہا کہ یہ کس کا کیا دھرا ہے، کون مسلمانوں کو بے خبری میں لڑا رہا ہے؟ انہوں نے رافضیوں کی قلعی کھول دی لیکن بات صاف ہونے تک بہت سے صحابہؓ شہید ہو چکے تھے۔ یہ روافض کی سازش تھی جسے نام نہاد تاریخ نویسوں نے جنگِ جمل کا نام دیا۔ اگر یہ جنگ تھی تو پھر جنگی قیدی کون بنے، مالِ غنیمت کس نے لیا، کن میں بانٹا گیا؟ ایسا کچھ نہیں ہوا تو پھر یہ جنگ نہیں مسلمانوں کے ساتھ دھوکا کیا گیا۔ حضرت عائشۃ الصدیقہؓ کی اونٹنی کی جو کونچیں کاٹی گئیں تو آپؓ اس وقت سواری پر سوار ہی نہیں تھیں یعنی اُم المومنینؓ اس جھڑپ کے موقع پر موجود ہی نہیں تھیں۔

یہی سازش جنگِ صفین میں کی گئی۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریمؓ کے درمیان مذاکرات چل رہے تھے کہ کسی کو حَکَم بنا کر فیصلہ کیا جائے تو وہی روافض کا گروہ حملہ آور ہو گیا اور دونوں لشکروں کو لڑا دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ اپنے چہروں پر قرآن لٹکا لو کہ فیصلہ قرآن پر کریں گے تلوار پر نہیں۔ جب واقعی قرآن کو حَکَم بنا کر قرآن کے مطابق فیصلہ کیا گیا تو اسی گروہ نے پھر حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت یہ خارجی کہلائے۔

تاریخ کی یہ بھول بھلیاں ہیں جسے اسلام دشمنوں نے توڑ مروڑ کر کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ اور ہم مسلمان اس

معاملے میں سادہ لوح اور بھولے بنے رہتے ہیں۔ اپنے دنیوی مفادات کے لیے تو بڑے سیانے ہوتے ہیں۔ اپنے نفع ونقصان، صحیح، غلط کو خوب پہچانتے ہیں اور جہاں دین کی بات آئے وہاں سادہ بن جاتے ہیں۔ ان سازشوں کو بے نقاب کرنا چاہیے کیونکہ یہ عقائد کا معاملہ ہے۔ مسلمان کے عقائد آئینے کی طرح صاف ہونے چاہیں ان پر کسی قسم کے تعصب، گروہ بندی کی گرد نہیں ہونی چاہیے۔

فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اور آپ اللہ کی ان آیات (احکام) کو یاد رکھیں اور حکمت کی باتوں کو جن کا آپ کے گھروں میں چرچا رہتا ہے بے شک اللہ باریک بین (اور) باخبر ہیں۔

حجراتِ مبارکہ کی عظمت بیان ہو رہی ہے کہ آپؓ کے گھروں جیسا بھی کسی کا گھر ہے! بظاہر کچے جھونپڑے ہیں، مٹی کے بنے ہوئے، پتھروں کے بنے ہوئے جن کے دروازے تک نہیں۔ کسی دروازے پر پرانا کمبل لٹک رہا ہے کسی پر پردہ۔ بظاہر تو یہ ایسے ہیں لیکن ان کی عظمت کی بلندیوں پر کائنات رشک کرتی ہے۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ انہی گھروندوں میں قرآن کی آیات اترتی ہیں، وحی نازل ہوتی ہے۔ انہی گھروں میں جن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہن قیام فرماتی ہیں یہاں قرآن نازل ہوا ہے تو آپؓ بھی قرآن پڑھا کریں، اسے دہرایا کریں، اسے سمجھا کریں۔ یقیناً اللہ بہت باریک بین ہیں۔ ہر بات کی خبر رکھتے ہیں۔ کسی لمحے کوئی ادنیٰ سا خیال بھی گزر جائے تو اللہ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے۔ اللہ کا علم ازلی ہے۔ اللہ کو ازل سے علم ہے کہ فلاں بندے کے دل میں فلاں وقت یہ خیال گزرے گا۔ تخلیقِ عالم سے پہلے ہی اُسے سب کچھ پتا ہے۔ ہر چیز ہر وقت اس کے روبرو حاضر ہے۔ کوئی ادنیٰ سا خیال بھی دل میں گزرے تو وہ بھی اللہ کے علم میں ہے چہ جائیکہ تم کردار کی بات کرتے ہو۔ وہ تو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز سے ہمہ وقت باخبر ہے۔

سورۃ الاحزاب رکوع 5 آیات 35 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ؕ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ
نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا
قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ
فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۨ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ
يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ؒ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار فرما رکھا ہے ﴿۳۵﴾ اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان والی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا پیغمبر کسی کام کا حکم فرما دیں تو وہ اپنے کام میں اپنا بھی اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کرے تو یقیناً وہ صریح گمراہ ہو گیا ﴿۳۶﴾ اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس (اپنی زوجیت میں) رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ (ﷺ) اپنے دل میں وہ (بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والے تھے اور آپ لوگوں (کے طعنوں) سے ڈرتے تھے اور ڈرنا تو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت نہ رکھی تو ہم نے آپ سے اُس کا نکاح کر دیا تاکہ ایمان والوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں (سے نکاح) کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان سے (کوئی) حاجت نہ رکھیں (طلاق دے دیں) اور اللہ کا حکم تو ہونے ہی والا تھا ﴿۳۷﴾ اور ان پیغمبر کے لیے جو بات اللہ نے (تکویناً یا تشریعاً) مقرر فرما دی ہے اس میں پیغمبر پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوتا ہے ﴿۳۸﴾ اور وہ (پیغمبران) اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں

ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے والے کافی ہیں ﴿۳۹﴾ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں ولیکن اللہ کے پیغمبر ہیں اور تمام
نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

مسلمانوں کے کردار کی خوبصورت ترتیب:

گزشتہ رکوع میں ارشاد ہوا کہ اللہ کریم انسانی اعمال ہی نہیں بندے کے دل میں گزرنے والے ادنیٰ سے ادنیٰ خیال تک سے واقف ہوتے ہیں لہٰذا ہر طرح سے سوچ و گفتار، اظہارِ مدعا سے عمل و کردار تک ہر حال میں نیکی پر قائم رہو۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ نیکی کے لیے قانونِ فطرت کیا ہے، نیکی کے حصول کا ذریعہ کیا ہے، اس کی ترتیب کیا ہے؟

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾ یہ خوبصورت سی ترتیب اللہ کریم نے بتائی ہے کہ جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ مرد ہو یا عورت تو اسلام اسے یقین کامل دیتا ہے۔ اسے توحیدِ باری پر رسالتِ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، تمام ضروریاتِ دین پر، آخرت، قیامت، عذاب و ثواب، فرشتے، تمام انبیائے کرامؑ پر، ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر غرض قرآن حکیم نے جو کچھ بتایا اسے ان سب پر یقین کی ایک کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یقین یہ ہے کہ اسے قطعی اعتماد ہو جائے کہ یہ بات سچی ہے۔ جسے یقین ہو جائے پھر وہ اطاعت سے روگردانی نہیں کرتا۔ آخرت پر یقین اسے دین پر عمل کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ دین پر عمل اسے یہ صداقت عطا کرتا ہے کہ بندہ راست باز ہو جاتا ہے۔ گناہ سے رکنے کی توفیق سے خشیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ سے ایسا رشتہ بن جاتا ہے کہ آدمی اس کے ٹوٹنے کے اندیشے سے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ پھر وہ اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، علم ہو تو علم بانٹتا ہے۔ وقت ہو تو وقت لگاتا ہے۔ اقتدار ہو تو اسے حق طریقے سے چلاتا ہے۔ پھر ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کی زندگی اس طرح ہو جاتی ہے جس طرح کوئی روزہ دار ہوتا ہے کہ روزے کے سارے آداب کا خیال

رکھتا ہوا روزہ نہیں توڑتا خواہ بھوکا ہو یا پیاسا۔ اس کی پوری زندگی ایک ترتیب بن جاتی ہے۔ ایسے مردوں اور ایسی خواتین کو شریعت پر عمل نصیب ہوتا ہے اور انہیں اپنی آبرو کی حفاظت کی توفیق مل جاتی ہے۔ ایسے تمام مردوں اور تمام عورتوں کو جن میں یہ اوصاف ہوں، ذکرِ دوام کی توفیق مل جاتی ہے۔ مرد ہو یا خاتون جسے ذکرِ دوام مل جائے ان کے لیے اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا۝ اللہ نے ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم تیار فرما رکھا ہے۔ اتنے اوصاف کے حامل ہونے کے بعد بھی انسان، انسان ہی رہتا ہے۔ کبھی اس کے عمل میں کمی رہ جاتی ہے، کبھی خلوص میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، کبھی گناہ ہو جاتا ہے لیکن وہ اصلاحِ احوال میں کوشاں رہتا ہے تو اللہ کریم نے ان کی خطاؤں کو معاف کرنے کے لیے اپنی رحمت وسیع رکھی ہے۔

ان تمام اوصاف کے کچھ تقاضے بھی ہیں اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ ۔۔۔ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ جیسے کسی کو کہا جائے کہ پانی کا گلاس پکڑا دو اور وہ کہے کہ جی میں نے سن لیا، آپ کی بات مان لی لیکن پانی پکڑائے نہیں تو کیا یہ کہا ماننا کہلائے گا؟ اسی طرح کلمہ طیبہ ہم سے یہی تقاضا کرتا ہے کہ جس بات کا اقرار کیا ہے اُسے صمیمِ قلب سے مانا بھی جائے۔ ماننے کے لیے یقین کا وہ درجہ چاہیے جس میں دل میں تذبذب یا شک یا کھٹکا نہ رہے۔ جب سارے خدشات نکل جائیں اور بندہ یقین کرلے کہ جو کچھ اسے بتایا گیا ہے وہ سو فیصد درست ہے اور جو اس نے مانا ہے وہی حق ہے تو اس کو ایمان کہتے ہیں وَالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ۔۔۔ ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں۔

ایمان کا تقاضا اتباع اور اطاعت ہے۔ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ ۔۔۔ فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں۔ جسے یقین کامل نصیب ہو جائے وہ اطاعت سے روگردانی نہیں کرتا۔ جس کے یقین میں کمی ہو وہ رسماً عمل کرتا ہے۔ کبھی کرلیا کبھی نہ کیا۔ ایمان کا تو تقاضا ہے کہ احکامِ الٰہی اور شریعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔ یہ کون سا ایمان ہے کہ ہم شریعت کی پروا نہیں کرتے اور پھر ہم کہتے ہیں کہ ہم مومن بھی ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات کو مانا جائے اس پر عمل بھی ہو۔

یہ عمل بالشریعت صداقت سکھاتا ہے۔ فرمایا: وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ ۔۔۔ اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں۔ اس وصف کے نتیجے میں بندہ کھرا اور سچا ہو جاتا ہے۔ اس نے ماننا بھی سچ ہے۔ اس نے عمل بھی سچ پر کرنا ہے اس کا کھانا پینا، بولنا، بات کرنا بھی سچ پر مبنی ہے تو وہ غلط بیانی یا دھوکا بازی نہیں کرسکتا۔ وہ راست باز ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ہیرا پھیری سے مل جاتی ہیں جو کھرے پن سے نہیں ملتیں۔ یہ دنیا کا عجیب قاعدہ ہے کہ

آپ سچی بات کہیں گے تو سچے لوگ خوش ہوں گے۔ جو سچے نہیں ہوں گے وہ ناراض ہوں گے اور دنیا میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو سچے نہیں ہوتے۔ اس لیے اکثریت آپ سے خفا ہی رہتی ہے۔ دین پر عمل صداقت عطا کرتا ہے۔ راست بازی عطا کرتا ہے، گناہ سے رکنے کی توفیق ملتی ہے لیکن اکثر لوگ خفا ہی رہتے ہیں۔

اس کے لیے فرمایا: وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ ۔۔۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ اللہ کی اطاعت پر جم کر کھڑا ہو جانا صبر ہے۔ اس بے نیازی کے ساتھ کہ کوئی راضی ہے یا نہیں میرا اللہ اور میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہے بس میرے لیے یہی کافی ہے۔ اس راستے میں تکلیف آئے گی۔ بھوک برداشت کرنی پڑے گی، پیسہ نہیں ہوگا، گھر بار نہیں ہوگا اور بندہ فیصلہ کر لے اور اس پر قائم ہو جائے کہ کچھ بھی ہو جائے میں اطاعتِ الٰہی سے باہر نہیں نکلوں گا تو اسے صبر کہتے ہیں۔ صبر سے مراد عموماً کسی کی وفات پر شور و غوغانہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ وہ صبر کی ایک صورت ہے۔ صبر کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اطاعتِ الٰہی پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا جائے۔

بندہ تسلیم سے چلا، ایمان پہ پہنچا، اطاعت نصیب ہوئی، اطاعت سے صدق پہ پہنچا۔ صدق سے صبر نصیب ہوا۔ جسے صبر نصیب ہو جاتا ہے فرمایا: وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ ۔۔۔ خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں۔ جسے صبر نصیب ہو جاتا ہے وہ مرد ہوں یا عورتیں اُن کا اللہ سے ایک عجیب رشتہ بن جاتا ہے۔ دن ہو یا رات، لوگوں میں ہوں یا تنہائی میں۔ بیمار ہوں یا صحت مند، ایسے لوگ کوئی ایسا لفظ منہ سے نہیں نکالنا چاہتے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس پر اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ اسے کہتے ہیں خشیت۔ جب دل میں یہ کیفیت آ جائے کہ ہر حال میں، ہر قیمت پر اللہ کریم کو راضی رکھنا ہے یہ سب اوصاف ایسے ہیں کہ ایک وصف دوسرے وصف کو جنم دیتا ہے۔

فرمایا: وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ ۔۔۔ اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔ پھر بندہ دوسروں کی مدد کرنے لگ جاتا ہے۔ عامتہ الناس کا تو یہی خیال ہوتا ہے کہ لوگ ہماری مدد کریں لیکن جسے خشوع نصیب ہوتا ہے وہ دوسروں کے لیے معاون ہو جاتا ہے۔ وہ خیرات کرتا ہے یعنی تصدق کرتا ہے۔ خیرات میں صرف مالی مدد ہی نہیں ہوتی بلکہ کسی کو نیک مشورہ دینا بھی خیرات ہے، برائی سے روکنا بھی ایک طرح سے مدد کرنا ہے یعنی خیرات ہے۔ جنہیں خشوع نصیب ہوتا ہے وہ دوسروں کے لیے مدد کا سبب بن جاتے ہیں۔

جو یہاں پہنچتے ہیں کہ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ ۔۔۔ اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ روزہ کیا ہے؟ اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے حکم پر ایک معین وقت سے وقتِ مقرر تک کھانے پینے اور دیگر امور

جو روزے میں منع ہیں سے رک جانا۔ کھانا نہ پینا، یہ فرشتوں کے اوصاف ہیں۔ اوصافِ ملکوتی ہیں۔ ایک مسلمان جب ایمان کے ساتھ روزہ رکھتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سمجھ کر ان حدود کے مطابق رکھتا ہے کہ ایک معین وقت تک کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ خلافِ شریعت بات کرتا ہے نہ غلط بات منہ سے نکالتا ہے نہ خلافِ شریعت کوئی عمل کرتا ہے تو اس میں اوصافِ ملکوتی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس میں مرد ہونے کی تخصیص نہیں۔ روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں اس میں سب شامل ہیں۔

جب اس حد تک فرماں برداری کرتے ہیں تو ارشاد ہوا: وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ۔۔۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اس حد تک خود کو شریعت کا پابند کرنے والے لوگ ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی آبرو کی حفاظت کر سکتے ہیں ورنہ دنیا میں ہر بندے کی آبرو خطرے میں رہتی ہے۔ جو لوگ اس ترتیب سے یہ منازل طے کر کے آتے ہیں ان میں اللہ کریم وہ قوت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی آبرو محفوظ رکھتے ہیں۔ آبرو کا ضائع کرنا صرف برائی کرنے میں نہیں ہے۔ بُرا سوچنا بھی آبرو کے خلاف ہے۔ بری نظر سے دیکھنا بھی آبرو کو مجروح کر دیتا ہے۔ فرمایا یہاں پہنچ کر بندے کو یہ قوت ملتی ہے کہ وہ حقیقی طور پر اپنی آبرو کی حفاظت کر سکے۔

جس میں یہ اوصاف ہوں اُسے ذکرِ دوام کی توفیق مل جاتی ہے۔ مرد ہو یا خاتون جسے ذکرِ دوام کی توفیق نصیب ہو جائے اس کے وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴿۳۵﴾ ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار فرما رکھا ہے۔ ان مردوں اور ان عورتوں کے لیے اللہ نے بخشش کے خزانے رکھے ہوئے ہیں۔

بندہ تسلیم سے شروع ہوا، ایمان پہ پہنچا، صداقت شعار ہوا پھر صبر پر پہنچا پھر خشوع نصیب ہوا پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا بنا پھر روزہ دار بنا، پھر اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والا بنا۔ ان اوصاف کا حامل مرد تھا یا عورت انہیں اللہ کا یہ انعام ملا کہ کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کی توفیق نصیب ہو گئی۔ ان اوصاف سے ایک تناور درخت بنا اس پر جو پھل لگا وہ ذکر اللہ تھا۔ ذکرِ دوام، ذکرِ قلبی، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق۔ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ۔۔۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔

ذکرِ کثیر کیا ہے؟ دنیا میں انسان جتنے بھی کام کرے ان میں سب سے زیادہ کام ذکرِ الٰہی کرتا ہو۔ اس کی واحد صورت قلبی ذکر ہے کہ صرف زبان ہی ذکر میں مشغول نہ ہو بلکہ وجود کا ذرہ ذرہ ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتا

رہے۔ جس بھی درخت پر جو پھل لگتا ہے وہی اس درخت کا بیج ہوتا ہے۔ صوفیا نے، اہل طریقت نے، اللہ کے ولیوں نے صرف یہ کام کیا کہ ذکر کا بیج لوگوں کے دلوں میں بو دیا جائے۔ ذکرِ الٰہی سے ہی اس کی آبیاری کی جائے۔ شریعت کی پابندی کی جائے، حلال کھایا جائے، عبادات کی پابندی کی جائے، معاملات کھرے کیے جائیں تو یہ سارے درجے حاصل ہو سکتے ہیں۔ سلاسلِ تصوف میں مشائخ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے دلوں میں ذکر کا بیج بویا تو مسلمان کے کردار تناور درخت کی مانند ہو گئے پھر ان پر اعلیٰ اوصاف کا بہت سا پھل لگا اور اللہ کے بے شمار بندے اس سے مستفید ہوئے اور ان کے دل بھی ذاکر ہو گئے۔ فرمایا، ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ کی بے پناہ بخشش اور بہت بڑا انعام ہے۔

یاد دہانی!

لیکن یاد رہے! اس ساری ترتیب سے گزرتا ہوا جو بھی ذکر کثیر پر پہنچے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ تا دمِ واپسیں اللہ پر اعتماد اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا پابند رہے۔ معصوم صرف انبیاءؑ ہوتے ہیں۔ کسی نبیؑ سے گناہ کا تصور نہیں۔ خیر القرون یعنی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ یہ لوگ محفوظ ہیں۔ انہیں حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہے۔ اللہ ان کی گناہ سے حفاظت فرماتے ہیں لیکن بتقاضائے بشریت اگر خطا کا صدور ہو بھی جائے تو پھر وہ مثالی توبہ کرتے ہیں۔ یہ بھی توفیق الٰہی ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ سے جو خطا ہوئی تو تاریخ میں ملتا ہے کہ انہوں نے توبہ بھی مثالی کی۔ ایک صحابیؓ پر عہد نبوی میں شرعی حد جاری ہوئی۔ دوسرے صحابیؓ نے بیزاری کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اس نے جو توبہ کی ہے اگر یہ ساری امت پر بانٹ دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔

بعد میں آنے والے لوگ اور بالخصوص آج کے وہ لوگ جنہیں ذکرِ قلبی نصیب ہے۔ اگرچہ ذکر پر استقامت، یقین، صبر، اطاعت الٰہی یہ سب نصیب ہیں تو انہیں بھی، نفس اور شیطان کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ کسی کو کتنے ہی بلند منازل نصیب ہو جائیں موت تک، روح کے بدن سے نکلنے تک، وہ مکلف ہے اور اس کی ہر کیفیت جانچی جائے گی۔ یہ نہیں کہ اتنے اعلیٰ منازل نصیب ہو گئے ہیں تو وہ جو چاہے کرتا پھرے۔ جہاں ذاکرین کے لیے اللہ نے بخشش اور انعامات کا وعدہ فرمایا ہے وہاں شرائط بھی ہیں کہ بندہ اللہ کے لیے، اس کی رضا کے لیے محنت کرے اور اسی پر زندگی بسر کرے۔

بالخصوص ان احباب کے لیے جو تصوف میں محنتیں کرتے ہیں، عمریں لگاتے ہیں اُن کے لیے عرض کر رہا

ہوں کہ ذکرِ کثیر کی دولت نصیب ہوجائے تو بندہ بَری نہیں ہوجاتا بلکہ زیادہ آزمائش میں آتا ہے۔ایک عام آدمی تھوڑا بہت لالچ کرلے تو شاید معافی ہوجائے لیکن اللہ اللہ کر کے پھر اپنی اُمیدیں لوگوں سے وابستہ کرنے والا بچ نہ سکے گا۔ جب کوئی اللہ پر اعتماد کھو بیٹھے اور روزی کے لیے بندوں کی طرف دیکھے۔اپنی پارسائی کے لبادے میں مختلف دنیوی مفادات حاصل کرنا شروع کر دے تو اس کی ذکر اذکار کی محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔وہ مرتے دم تک اسی زعم میں رہتا ہے کہ وہ بڑا ولی اللہ ہے۔جب موت آتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کی امیدیں جب لوگوں کے ساتھ وابستہ ہوگئیں تو اُس نے دامانِ الٰہی چھوڑ دیا اور چند ٹکوں کے لیے مختلف حیلے کر کے دولت کمانا شروع کر دی۔کہیں کوئی حکیم بن بیٹھتا ہے اور طب کو پڑھے بغیر، کسی طبیب کے ساتھ وقت لگائے بغیر ویسے ہی دوا دینا شروع کر دیتا ہے محض اس بات پر کہ لوگ اسے ولی اللہ سمجھتے ہیں۔یا کوئی تعویذ لکھنا شروع کر دیتا ہے کہ لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں تو وہ ان کی اندھی عقیدت کو دنیوی مفادات کے لیے استعمال کرتا ہے۔تعویذ کو روزی کا ذریعہ بنالیتا ہے۔یا کوئی نذرانے وصول کرنا شروع کر دیتا ہے کہ فلاں پچاس ہزار دے گیا فلاں کچھ اور لے آیا۔کوئی اپنی بڑائی کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔

تصوف ہو، سلوک ہو، دوامِ ذکر ہو، مراقبات ہوں، منازل ہوں۔بنیادی بات اعتماد علی اللہ ہے اور آخری بات بھی اعتماد علی اللہ ہے۔جب اللہ پر اعتماد متزلزل ہوا، لوگوں کی طرف دیکھا تو وہ ساری عمارت تباہ ہوگئی، کچھ نہ بچا۔ جب بندے کی امیدیں لوگوں سے وابستہ ہوگئیں تو بات ہی ختم ہوگئی۔تصوف وسلوک، ذکر اذکار محض اللہ کی رضا کے لیے رکھو۔اسے دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔جائز ذریعہ سے رزق کماؤ۔

اس آیۂ مبارکہ میں قرآن نے تزکیہ وتصوف بیان کیا ہے۔تصوف، قرآن سے الگ نہیں۔تزکیہ کے یہی مراحل ہیں جنہیں اردو میں تصوف کہا جاتا ہے۔اسلام قبول کرنا، ایمان لانا، اطاعت کرنا یہ سب اعمال ہیں۔اعمال کے نام ہیں کہ مومن مرد اور مومنہ عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں۔ان ناموں، ان اسما کی ایک کیفیت بھی ہے ان اسما کی کیفیات جب دل پہ وارد ہوں تو یہی تصوف ہے۔اگر ان اسما کے تراجم اور تشریح پڑھتے رہیں تو یہ علمِ ظاہر ہے۔ان کی کیفیات جب دل پر وارد ہوں تو یہ علومِ باطنی ہیں۔ان سب کی بنیاد اعتماد علی اللہ پر ہے۔ یہ کیفیات اللہ کی بہت بڑی عطا ہے لیکن ابتلا اور آزمائش بڑھ جاتی ہے۔ان کیفیات ایمانی کو اتباع رسالت پناہی سے سنبھالنا چاہیے۔اللہ مہربانی کریں۔ان پر خاتمہ نصیب ہو تب بات بنتی ہے اور تب اللہ کی بخشش اور اجرِ عظیم کی خوشخبری کا بندہ اہل ہوتا ہے۔جیسے اگلی آیۂ کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر اجرِ عظیم کے مستحق ہوگئے ہیں، اگر بہت سے منازل ومدارج پالیے ہیں تو اس کا مطلب ہے انہوں نے اپنے ذاتی اختیارات اللہ کے حکم کے آگے بالکل ختم کر دیے۔اب اطاعت کے سوا دوسرا کوئی راستہ اُنہیں زیبا نہیں فرمایا: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ

وَرَسُوْلَهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان والی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا پیغمبر کسی کام کا حکم فرما دیں تو وہ اپنے کام میں اپنا بھی اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کرے تو یقیناً وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

اس آیۂ مبارکہ کے نزول کے ساتھ ایک بنیادی بات طے ہو گئی کہ مومن کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انحراف کرنے کی رائی برابر بھی گنجائش نہیں۔ وہ احکام نماز روزہ اور عبادات کے ہوں، معاملات کے ہوں یا معاشرت و معیشت کے۔ تمام احکامِ شرعی پر خوش دلی سے عمل کرنا ہوگا۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ بلا چون و چرا صدقِ دل سے، خلوصِ دل سے ان پر عمل کرے۔ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کے بارے طے کر دیں، فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن اور کسی مومنہ کے پاس کوئی گنجائش نہیں کہ وہ سرِ مُو انحراف کرے یا بظاہر کہنا مانے لیکن دل سے اس پر راضی نہ ہو۔ اسے اچھا نہ سمجھے۔ ایسا ہوا تو ایمان خطرے میں ہے۔

اگر کسی نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ کوئی جتنی بلندی سے گرے گا، نقصان بھی اتنا شدید ہوگا۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ وہ گمراہی میں بہت دور نکل جائے گا۔

فرمایا: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ ۔۔۔

شانِ نزول:

ایک واقعہ اس آیۂ مبارکہ کے نزول کا سبب ہوا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبوت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ؓ کو آزاد کر کے اپنا متبنّٰی بنا لیا تھا۔

تب یہ رواج تھا کہ جب کوئی کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو اسے حقیقی بیٹے کے حقوق مل جاتے۔ جس طرح حقیقی بیٹے کے حوالے سے محارم ہیں کہ فلاں سے نکاح ہو سکتا ہے، فلاں سے نہیں۔ اسی طرح اس کے بھی محارم بن جاتے۔ جائیداد میں حصہ پاتا اور جس کا متبنّٰی ہوتا اُسی کے نام سے بیٹا کہہ کر پکارا جاتا تو اہلِ مکہ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کہا کرتے تھے۔ اللہ کریم اس رسم کو مٹانا چاہتے تھے تو اللہ کریم نے قرآن میں حکم نازل فرما دیا کہ منہ بولے بیٹے کو اس کے اصلی باپ سے منسوب کیا جائے اور اس غلط رسم کی ممانعت کر دی جو پہلے سے رائج تھی۔

حضرت زید ؓ جب جوان ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش ؓ

سے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا رشتہ مانگا۔ مانگا ہی نہیں بلکہ فیصلہ فرما دیا کہ حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ سے ہوگا۔ حضرت زینبؓ قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ ان کا خاندان روسائے مکہ میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے۔ بظاہر یہ تھا کہ کہاں مکہ کا اعلیٰ خاندان اور کہاں مکہ مکرمہ میں ہی رہنے والا ایک آزاد کردہ غلام! مومنین کی جن منازل و مراتب کا ذکر گزشتہ آیت میں گزرا اس کا تقاضا یہ تھا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ اور اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحشؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی بہن حضرت زینبؓ کا رشتہ زیدؓ سے کر دیں۔ اس پر قریش کے اعلیٰ خاندان کی بیٹی اور اُن کے بھائی نے اپنے حسب نسب اور حضرت زیدؓ کے آزاد کردہ غلام ہونے کی وجہ سے اس رشتہ کو پسند نہ کیا۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ۔۔۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اب وہ نکاح تو ہو گیا کچھ عرصہ گزارا ہوا لیکن نباہ مشکل ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کا اپنا مزاج تھا، خاندانی حسب ونسب کا احساس اپنی سوچ تھی حضرت زیدؓ کا سوچنے کا انداز اپنا تھا، اپنی فکر تھی، اپنا درجہ تھا تو گزارا ہونا مشکل ہو گیا۔ حضرت زیدؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے کہ ہمارا گزارا نہیں ہو رہا بہتر ہے کہ ہم میں علیحدگی ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ نبھانے کی کوشش کرو۔

اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کو سمجھا رہے تھے کہ بیوی سے نباہ کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم پہلے سے بتا چکے تھے کہ یہ نباہ نہیں ہوگا۔ حضرت زیدؓ طلاق دیں گے تو آپ انؓ سے نکاح کیجیے۔ اور یہ نکاح اس رسم کو مٹانے کے لیے ہوگا جو عہدِ جاہلیت میں رائج تھی کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے حقوق ملتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ طلاق ہوگی۔ طلاق کے بعد حضرت زینبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں گی تا کہ یہ رسم مٹ جائے اور واضح ہو جائے کہ متبنّیٰ حقیقی بیٹے کے حقوق نہیں رکھتا۔ یہ اتنی بڑی بات تھی۔ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بدنام ہونے والی بات تھی۔ نسلوں سے ایک رسم چلی آ رہی تھی اس کے خلاف کرنا یہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی حوصلہ ہے لیکن اللہ کے نبیؐ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں زمانے کی رسومات کی نہیں۔ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں لوگوں کی باتوں اور طعنوں کی پروا نہیں کرتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اطاعت میں اس رسم کی بیخ کنی فرما دی جبکہ لوگوں کے طعنوں کا خطرہ بھی تھا، مشرکین کا استہزا کرنا بھی یقیناً متوقع تھا لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم طبعی گرانی کے باوجود اس حکم پر عمل پیرا ہوئے۔ اللہ کا حکم تھا سو پورا ہو کر رہا۔ یہ عظمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی۔ آپ نے یہ کام کر کے قیامت تک کے لیے امت کو ایک طریقِ عمل عطا فرمایا۔ راہِ عمل واضح فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل قیامت تک کے لیے متبنّیٰ اور اس کے مسائل کا بوجھ

مسلمانوں پر سے اٹھ گیا۔ حقیقی رشتوں کی اہمیت اور مقام واضح ہوا۔ عہدِ جاہلیت کی اس رسم کا خاتمہ ہوا واضح ہو گیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا نہ اس کے حقیقی بیٹے جیسے حقوق ہوتے ہیں۔ اس کی بیوہ یا مطلقہ سے عدت کے بعد منہ بولا باپ نکاح کرسکتا ہے کیونکہ وہ شرعاً اس کی بہو نہیں ہوتی۔ یعنی جس نے متبنّٰی بنایا ہے اس کی بہو نہیں ہے۔ وہ ایک عام خاتون ہے۔ وہ متبنّٰی جس شخص کا حقیقی بیٹا ہے یہ خاتون اس کی بہو ہے۔ مختصراً یہ واقعہ بیان کر دیا ہے جو اس آیہ مبارکہ کا شانِ نزول ہے۔ اگلی آیات میں احکامِ الٰہی کی تفصیل ہے۔

فرمایا: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۔۔۔ اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس (اپنی زوجیت میں) رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والے تھے اور آپ لوگوں (کے طعنوں) سے ڈرتے تھے اور ڈرنا تو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ (جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام فرمایا کہ اپنی پھوپھی زاد کا رشتہ کرا دیا اور یہ اُن پر اللہ کا بھی انعام تھا) سے فرما رہے تھے کہ اللہ سے ڈریں اور اپنی بیوی کے ساتھ نباہ کرنے کی کوشش کریں، انہیں راضی رکھیں اور اصل بات جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی تھی اسے آپ دل میں چھپا رہے تھے کہ اللہ نے متبنّٰی اور اس سے وابستہ تمام غیر حقیقی امور کو ختم کر دینا ہے۔ اس کے لیے ایسا ہو گا کہ زیدؓ اپنی بیوی کو طلاق دیں گے۔ بعد عدت یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں گی۔ یہ نکاح اس رسم کو مٹانے کے لیے ہوگا۔ یہ حکمِ الٰہی ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا تھی۔

آج کے نام نہاد علما اور عصمت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

اس بات پر کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا تھی، کفار و مشرکین نے تو ہمیشہ سے اپنے خبثِ باطن کے تحت ہرزہ سرائی کی ہے لیکن آج زمانہ پتا نہیں کہاں نکل گیا ہے اسی آیہ کریمہ اور اسی نکاح پر آج کے نام نہاد علما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ تہمتیں لگائی ہیں جو اس وقت کے مشرکین نے لگائی تھیں آج جو خود کو عالم کہتے ہیں۔ اہلِ سنت کہتے ہیں اور پھر دیو بندی بھی کہلواتے ہیں انہوں نے اپنی تحریروں اور اشاعتوں میں کیا افسانے گھڑے ہیں۔ انہیں اللہ سے خوف آتا ہے نہ بارگاہِ رسالت سے حیا آتی ہے۔ یہ خود عورتوں پر عاشق ہونے، اپنی نافرمانیوں کا جواز ڈھونڈنے کے لیے کائنات کی پاکیزہ ترین ہستی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگاتے ہیں۔

یاد رہے عقیدۂ رسالت کی بنیاد عصمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہے۔ ہر نبیؑ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خواہشات کی نہیں اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ نبیؑ اور غیر نبی میں فرق کیا ہے؟ غیر نبی خواہشات کے سامنے کبھی (Surrender) سرنڈر کر بیٹھتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی ایسا نہیں کرتا نہ کر سکتا ہے۔ وہ تخلیقاً نبیؑ ہوتا ہے اس لیے نبیؑ کو معصوم کہتے ہیں کہ اس سے خطا کا امکان نہیں ہوتا۔

ایک ضمنی بات:

اس آیۂ مبارکہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کو سمجھا رہے تھے کہ: وَاتَّقِ اللّٰہَ۔۔۔ اور اللہ سے ڈر۔ یہاں سے مرد اور عورت کے نکاح کے بعد نباہ کرنے کی بات ثابت ہوتی ہے کہ نکاح کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ مرد و عورت اللہ کے نام پر ایک دوسرے کے لیے حلال ہوتے ہیں تو اس نام کی عظمت کی لاج رکھو ایک دوسرے کو برداشت کرو۔ غلطی ہو جاتی ہے۔ بندے سے غلطی ہو گئی تو برداشت کرو۔ اگر بیوی جھگڑالو ہے تو مرد جھگڑا نہ کرے۔ مرد جھگڑالو ہے تو بیوی چپ رہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ دونوں جھگڑا کریں گے تو جھگڑا ہو گا۔ دونوں میں سے ایک خاموش ہو جائے تو جھگڑا نہیں ہوگا۔ ان رشتوں کو اللہ کے نام پر برداشت کرنا چاہیے۔

حضرت زینبؓ کی فضیلت:

فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾ پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت نہ رکھی تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تا کہ ایمان والوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں (سے نکاح) کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان سے (کوئی) حاجت نہ رکھیں (طلاق دے دیں) اور اللہ کا حکم تو ہونے ہی والا تھا۔

یہ حضرت زینبؓ کی خصوصیت ہے کہ ان کا نکاح اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ یہ آیۂ مبارکہ اُم المومنین حضرت زینبؓ کی فضیلت پر گواہ ہے۔ چونکہ حضرت زیدؓ سے آپؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہوا تھا اور حضرت زینبؓ نے شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے عمل کیا تو اللہ کریم نے آپ رضی اللہ عنہا کو اتنی فضیلت بخشی ایسا ارفع مقام عطا فرمایا کہ اُنؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود کر دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں خود بھی یہ احساس تھا کہ اپنی پھوپھی زاد کو اپنے آزاد کردہ غلام کے نکاح میں دیا لیکن ان کا آپس میں گزارا نہیں ہو سکا۔ علیحدگی ہو گئی ہے تو اس محترم خاتون کی تالیف قلب ہونی چاہیے۔ اس لیے انہیںؓ امہات المومنینؓ میں

شامل کرلیا جائے۔ان کو مقامات اور درجات نصیب ہو جائیں اور پہلے اُنؐ سے جو زیادتی ہوئی اس کی تلافی ہو جائے۔

اور یہ کام تو ہو کر ہی رہنا تھا کیونکہ حکم الٰہی پورا ہو کر رہتا ہے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی پر عمل کر کے رہتی دنیا تک کے لیے بہترین راہِ عمل واضح فرمادی۔

فرمایا: مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿۳۸﴾ اوران پیغمبر کے لیے جو بات اللہ نے (تکوینا یا تشریعاً) مقرر فرمادی ہے اس میں پیغمبر پر کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

جو کام بغیر بندے اور بغیر سبب کے اللہ کی طرف سے ایسا ہونا مقرر ہو وہ تکوین ہے اور جو کام کرنے کا اللہ کریم حکم فرمادیں وہ تشریعی امر ہے۔ہر نبیؑ اللہ کے ہر حکم پر عمل فرماتا ہے۔متبنّیٰ سے متعلقہ غلط رسومات کو اللہ نے ختم کرنا تھا لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور وہ رسومات ختم ہو گئیں۔لوگ خوش ہوں یا ناراض اس کی نبی علیہ السلام کو کوئی پروا نہیں۔نبیؑ اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے لوگوں کی شاباش کا نہیں۔

آسان ترین زندگی کا گُر:

فرمایا: وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿۳۸﴾ اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔اللہ کا تجویز کیا ہوا کام ہو کر رہتا ہے۔یہاں زندگی کی دو راہیں بن جاتی ہیں۔ایک راہ یہ ہے کہ بندہ خود تجویز کرے حالانکہ تجویز کرنے کا حق اللہ کو ہے۔مخلوق اس کی ہے،کائنات اس کی ہے۔جو وہ چاہے فیصلہ کرے۔ہم چاہتے ہیں کہ ہم خود تجویز کریں،خود فیصلہ کریں۔ہم تجویز کرتے ہیں کہ یہ کام ایسے ہونا چاہیے۔وہ عموماً ویسے نہیں ہوتا تو ہم پریشان رہتے ہیں۔شکوہ کرتے ہیں۔شکائتیں لیے پھرتے ہیں۔دامن میں شکائتیں ہی رہ جاتی ہیں اور ہم اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے۔یہ تجویز کی راہ ہے یعنی زندگی کو خود تجویز کر کے گزارنا۔

دوسری راہ ہے تفویض کر دینا۔جس کا حکم یہاں دیا جا رہا ہے کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہیں گے لہٰذا تم اپنے امور اللہ کے سپرد کر دو۔یہ طریق تفویض ہے یعنی اللہ کے سپرد کر دینا اور اللہ کی طرف سے جو آئے اسے خوشی خوشی برداشت کر لینا۔اس طریقے میں تکلیف نہیں ہوتی۔مفلسی آئے یا امارت۔دولت ملے یا نہ ملے۔کام ہوں یا نہ ہوں،صحت ہو یا نہ ہو۔بندہ ہر حال میں سکون میں رہتا ہے۔خوش باش رہتا ہے،اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے ہو رہا ہے۔ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے ہے۔اس طرح اسے اللہ پر بھروسہ نصیب

رہتا ہے۔ کائنات میں جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ مرنے والے نے مرنا ہے۔ پیدا ہونے والے نے پیدا ہونا ہے۔ ہر چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے جو اس پر راضی رہنا سیکھ لے اس کی زندگی آسان ترین ہو جاتی ہے۔

یہ دو طریقے ہیں۔ طریقِ تجویز اور طریقِ تفویض۔ تجویز کرنا اللہ کا حق ہے۔ جو وہ چاہے ویسا ہو کر رہتا ہے۔ بندے کا کام ہے اللہ کے سپرد کر دینا۔ یہ طریقہ زندگی گزارنے کا آسان ترین طریقہ ہے۔ پرسکون زندگی بسر کرنے کا گر ہے۔

انبیا علیھم السلام کی شان:

فرمایا: الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٣٩﴾ اور وہ (پیغمبران) اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے تھے اور اُسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور اللہ حساب لینے والے کافی ہیں۔

منصبِ نبوت یہ ہے کہ اللہ کا نبیؑ اللہ کا دین، اللہ کے احکام، اللہ کی مرضیات اللہ سے لیتا ہے اور بعینہٗ ہو بہو مخلوق کو پہنچا دیتا ہے۔ نبیؑ کی یہ شان ہے کہ وہ ایک طرف اللہ سے متعلق ہوتے ہیں اور دوسری طرف مخلوق سے متعلق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہر نبیؑ کا تعلق ایک طرف اللہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے دوسری طرف مخلوق سے۔ مخلوق میں یہ استعداد ہی نہیں کہ وہ خود بخود اللہ سے تعلق قائم کر لے۔ اللہ کی ذات بہت عظیم ہے۔ مخلوق بہت ادنیٰ۔ براہ راست اللہ سے تعلق پیدا نہیں کر سکتی۔ نبیؑ وہ واحد واسطہ اور ذریعہ ہوتا ہے جس کا ایک طرف تعلق اللہ سے جڑا ہوتا ہے اور دوسری طرف مخلوق سے۔ وہ اللہ سے لیتا ہے مخلوق کو عطا فرماتا ہے۔ اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملاتا ہے، روبرو کر دیتا ہے۔

انبیاؑ کی یہ شان ہے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ انہیں کسی کی مخالفت یا رکاوٹ کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کا پیغام پہنچانے میں کوئی کمی نہ ہو۔ اس کے لیے کوئی طعنے دے تو سہہ جاتے ہیں، ایذائیں برداشت کر لیتے ہیں، جان دینی پڑے تو دریغ نہیں کرتے شہید ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظر اللہ کی رضا پر ہوتی ہے، مخلوق سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اللہ بھی مخلوق کو دکھاتے ہیں کہ اللہ کے نبیؑ کتنے ثابت قدم ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ہجرت ہی کو دیکھ لیں۔ مسلمانوں کا جب مکہ مکرمہ میں رہنا دوبھر ہو گیا تو انصارِ مدینہ نے مکہ حاضر ہو کر عرض کی کہ مدینہ تشریف لے آئیں۔ اصحابؓ نے جانا شروع کر دیا لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم نہیں ہوا۔ جب کفار نے فیصلہ کر لیا کہ تمام قبائل سے دو، دو نوجوان لیے جائیں جو بہادر، جری اور تلوار

کے دشمن ہوں۔ وہ سب مل کر کاشانۂ اقدس کو گھیرے میں لے لیں۔ رات بھر محاصرہ کیے رکھیں اور علی الصبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ختم کر دیں۔ اس طرح بنو ہاشم ہر قبیلے سے کیسے بدلہ لے سکیں گے۔ وہ خون بہا پر راضی ہو جائیں گے اور اس طرح دیت پر معاملہ ختم ہو جائے گا۔ تب تک اللہ کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی لیکن جب گھر کا محاصرہ ہو گیا، رات کی تاریکی چھا گئی، مختلف قبائل کے نوجوانوں نے تلواریں سونت کر گھر کا گھیراؤ کر لیا تب اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دے دیا۔ اللہ کی قدرت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا محاصرہ توڑ کر ان کے درمیان سے ایسے نکل گئے کہ انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہیںؓ ساتھ لیا اور سفرِ ہجرت اختیار فرمایا۔ سفرِ ہجرت کے واقعات سے سب آگاہ ہیں کہ اللہ کریم نے اپنی قدرت سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ دنیا کی عظیم ترین ہستی، دو عالم کی عظیم ترین ہستی، مخلوق کی سردار ہستی، آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہو رہی ہے۔ اللہ کریم نے اپنی کمزور مخلوق کو حکم دیا غارِ ثور کے منہ پر جالا تن دو۔ کبوتری کو حکم دیا، اس نے گھونسلہ بنا کر دو انڈے دے دیے۔ کفار و مشرکین تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے اور دروازے سے ناکام واپس چلے گئے۔ یہ اللہ کی اپنی قدرت ہے جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اللہ کریم نے مشرکین کو بتا دیا کہ تمہاری تو یہ حیثیت بھی نہیں کہ مکڑی کے جالے کا مقابلہ کر سکو۔

یہ انبیاؑ کی شان ہے کہ انہیں سوائے عظمتِ الٰہی کے اور خیال نہیں ہوتا۔ فرمایا، یہ بھی یاد رکھو: وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ حساب بھی اللہ ہی نے لینا ہے کسی اور نے نہیں لینا۔ میرے اور آپ کے لیے، ہمارے لیے اس میں یہی پیغام ہے کہ ہم نے حساب، اللہ کریم کے سامنے جا کر دینا ہے۔ جب سنت پر عمل کا کہا جائے تو کہتے ہیں کہ اگر سنت پر عمل کیا تو معاشرہ کیا کہے گا، لوگ کیا کہیں گے، برادری کیا کہے گی؟ یاد رکھیں! حساب معاشرے نے لینا ہے نہ برادری نے اور نہ ہی لوگوں نے جن کے کہنے کی آج اتنی اہمیت ہے۔ جواب ہر فرد نے اپنا دینا ہے اور اس کی عظیم بارگاہ میں دینا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے نسبی والد نہیں ہیں:

فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔۔۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندانِ ارجمند بچپن میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔ اُنؓ پر اللہ کی کروڑوں کروڑوں رحمتیں ہوں۔ وہؓ بچپن میں ہی وصال فرما گئے تھے اُنؓ میں سے کوئی مرد نہیں بنا، جوان نہیں ہوا لہٰذا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔ اللہ کریم نے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لے کر متعین فرما دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بالغ مرد کے والد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے احکام جاری ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسان نہ عام باپ نہ عام مرد ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور رسول بھی وہ جن پر آ کر نبوت ورسالت تمام ہوگئی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ سلسلہء نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ فرمایا: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔۔۔ ولیکن اللہ کے پیغمبر ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح خود فرمائی کہ ایک بہت خوبصورت عمارت ہے۔ کوئی دیکھنے والا اس کے گرد گھومتا ہے تو ایک سل (اینٹ) کی جگہ خالی ہے۔ فرمایا: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَ أَنَا خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (بخاری) پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (ابو ہریرہؓ نے روایت کیا۔ صحیح بخاری) اس کے بعد کسی نبوت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

دورِ حاضر میں ایک نام نہاد علمی حلقہ سرگرم ہے جو خود کو بڑا عالم سمجھتا ہے حالانکہ اُن کا علم محض جہالت ہے۔ وہ ایک دلیل بناتے ہیں کہ مخلوق کی ہدایت کے لیے اگر نبی آتے رہیں تو کیا حرج ہے؟ آخر نیکی ہی بتاتے ہیں، بھلائی ہی بتاتے ہیں۔ اس دھوکے میں کچھ عرصہ علامہ اقبالؒ مرحوم بھی رہے۔ اُن کے والد بھی قادیانی ہو گئے تھے اور علامہ صاحب بھی متاثر ہو گئے تھے۔ اُن کے چچا بھی قادیانی ہو گئے تھے۔ چچا تو قادیانی ہی مرے۔ چچا کے بیٹے اب بھی قادیانی ہی ہیں لیکن علامہ اقبال صاحب اور اُن کے والد ماجد کو اللہ نے توبہ کی توفیق دی اور وہ واپس آ گئے۔

علامہ صاحب ایک نابغہء روزگار ہستی سیّد انور شاہ کشمیریؒ کے ایک جملے پر توبہ کر گئے۔ شاہ صاحب سے رجوع کیا کرتے تھے، رابطہ رکھتے تھے۔ اس معاملے میں ایک مرتبہ علامہ صاحب نے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ اگر نبی آتے رہیں تو لوگوں کی اصلاح ہوگی اور مرزا غلام احمد بھی تو بڑی اچھی باتیں بتاتے ہیں اور اُن کے ماننے والے اس پر بڑی سختی سے کاربند بھی ہیں۔ نمازیں باقاعدگی سے پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں غرض مرزا جو حکم دے اس پر جان لڑا دیتے ہیں۔ شاہ صاحب نے بڑا مختصر سا جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب! کسی اور کو نبی ماننے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ختم ہو جائے گی۔ جیسے گزشتہ زمانوں میں انبیاؑ آتے رہے، تشریف لے جاتے رہے بعد میں دوسرے انبیاؑ آتے رہے ویسا ماننا ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیت ہے جو اللہ کریم نے

عطا فرمائی ہے خاتم النبیین یعنی سلسلہء نبوت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کر دیا وہ خصوصیت ختم ہو جائے گی۔

علامہ صاحب ایک علمی آدمی تھے۔ بات فلسفے کی تھی۔ ایک جملے سے سمجھ گئے کہ کسی اور کو نبی تسلیم کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال نہیں رہیں گے تمام انبیاؑ جیسے آتے اور تشریف لے جاتے رہے ویسے ماننا ہو گا۔ یہ جملہ علامہ صاحب کی توبہ کا سبب بنا۔

یہاں یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور رسول بھی وہ جس نے سلسلہء رسالت اور نبوت کو مکمل کر دیا۔ قیامت تک اور ہمیشہ کے لیے رسالت صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی رہے گی۔ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہیں رکھی گئی۔

دین سے دوری ہی دورِ حاضر کی جہالت کا سبب ہے۔ انبیاؑ کے بارے بھی بے بنیاد اور بے سروپا باتیں کہی جاتی ہیں۔ انبیاؑ کی شان بہت بلند اور اُنؑ کے بارے مسئلے بیان کرنا، بڑا نازک کام ہے۔ قرآن وسنت اور ارشادِ نبوی سے ثابت ہے کہ تمام انبیائے کرام علیھم السلام پر موت واقع ہوئی لیکن عام آدمی کی طرح مردہ نہیں ہیں۔ ہر نبیؑ اپنی اپنی قبر مبارک میں حیاتِ برزخی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اُنؑ کی ارواحِ مبارکہ اُنؑ کے وجود ہائے مبارکہ میں موجود ہیں۔ یہ کمال تو تمام انبیاؑ کو حاصل ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف برزخ میں، روضہء اطہر میں حیات ہیں، زندہ ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سورج اُسی شان سے چمک رہا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی میں تھا اور اسی طرح پوری عالمِ انسانیت کی راہنمائی کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ جو اطاعت واتباع کرے گا وہ اسی طرح اللہ کی رضا پائے گا جو نافرمانی کرے گا، اللہ اس سے پوچھ لیں گے، اللہ کی بارگاہ میں اس سے جوابدہی ہوگی۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ سارے بھیدوں، سارے رازوں، ان کی نزاکتوں، ان سب چیزوں سے اللہ کریم خوب واقف ہیں۔ تم محض اندازے لگا سکتے ہو یقینی علم اللہ کریم کو ہے۔ اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختصاص عطا فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کہ کوئی اور طریقہ سکھائے۔ سوائے اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی راستہ ہے ہی نہیں اور نہ قیامت تک ہوگا۔ ہر چیز کی حقیقت سے اللہ کریم خود واقف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تمام احکامِ الٰہی آچکے ہیں۔ اُن کی عملی شکل سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے جو قیامت تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ارشاداتِ نبوی قرآن کی تفسیر ہیں۔ حدیث کا انکار قرآن کے انکار کے برابر ہے۔ فرمایا، ان امور کی باریکیوں کو جاننا، اللہ کریم کا کام ہے۔ تمہارا کام، ماننا، اطاعت کرنا اور خلوصِ دل سے اس پر عمل کرنا ہے۔

سورۃ الاحزاب رکوع 6 آیات 41 تا 52

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾
هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا
كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا
اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ
طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ
تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ
اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ
اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ
هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ
اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا
فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ
حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ
مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ

تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَلَا یَحۡزَنَّ وَیَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ
قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ
تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کرو ﴿۴۱﴾ اور صبح اور شام (علی الدوام) اس کی پاکی بیان کرو ﴿۴۲﴾ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور وہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے ﴿۴۳﴾ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا اور اس نے ان کے لیے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے ﴿۴۴﴾ اے نبی (ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو (اس شان کا) پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور (ایمان والوں کے لیے) خوشخبری دینے والے اور (کافروں کے لیے) ڈرانے والے ہیں ﴿۴۵﴾ اور (سب کو) اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والے اور روشن چراغ ہیں ﴿۴۶﴾ اور ایمان والوں کو خوشخبری دیجیے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے ﴿۴۷﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات مت مانیے اور ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس کی پرواہ نہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کارساز کافی ہیں ﴿۴۸﴾ اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو پس ان کو کچھ متاع (مال) دے دو اور ان کو اچھے طریقے سے رخصت کر دو ﴿۴۹﴾ اے پیغمبر (ﷺ)! آپ کے لیے ہم نے آپ کی (یہ) بیبیاں جن کو آپ ان کا مہر دے چکے ہیں حلال فرمائیں ہیں اور آپ کی لونڈیاں جو اللہ نے آپ کو (کفار سے بطور مالِ غنیمت) دلوائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپیوں بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی

خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ ایمان والی عورت (بھی) جو بلاعوض اپنے آپ کو پیغمبر دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ سب آپ کے لیے خاص کیے گئے ہیں تمام ایمان والوں کے لیے نہیں ہم کو معلوم ہے جو (احکام) ہم نے ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں ان پر مقرر کر دیے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو اور اللہ تو بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۵۰﴾ ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں اور جن کو دور کر رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب فرمائیں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دے دیں گے اس پر سب راضی رہیں گی اور اللہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتے ہیں اور اللہ جاننے والے بردبار ہیں ﴿۵۱﴾ ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ (درست ہے) کہ آپ ان (موجودہ بیبیوں) کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں اور اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا بھی لگے ہاں مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں (ان میں حرج نہیں) اور اللہ ہر چیز (کی حقیقت) پر پورے نگران ہیں ﴿۵۲﴾

تفسیر ومعارف

ایمان والوں کو ذکرِ کثیر کا حکم:

فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کرو۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے وہ لوگو! جنہیں ایمان نصیب ہے، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۴۲﴾ اور صبح و شام (علی الدوام) اس کی پاکی بیان کرو: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس

کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ اور وہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے۔

یہاں ذکرِ کثیر کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ صرف اسی جگہ ہی نہیں قرآن حکیم میں اس کا حکم متعدد جگہ دیا گیا ہے۔ حکمِ الٰہی میں کتنی حکمتیں مضمر ہیں، سب کا احاطہ تو ممکن نہیں لیکن ایک بات عیاں ہے کہ حصولِ رحمت کا ذریعہ یہی ہے۔ اللہ کریم نے جتنی مخلوقات پیدا فرمائیں ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو وہ شعور بخشا کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق ذاتِ باری کو پہچان سکتا ہے۔ اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ ہر فرد کا معرفت کا اپنا درجہ ہے۔ جتنی جس میں استعداد ہے، جتنا جس کا مقام ہے اتنا ہی اس کا درجہ ہے لیکن یہ طے ہے کہ یہ استعداد ہر ایک انسان میں ہے اور تادمِ آخر اس کے پاس رہتی ہے۔ اگر کسی کو ایمان نصیب نہیں ہے تب بھی اس میں یہ استعداد موجود رہتی ہے، دبی رہتی ہے لیکن موجود ہوتی ہے۔ جب کبھی ایمان لے آئے پھر سے تازہ دم ہو جاتی ہے۔ اگر اسلام کے باہر موت واقع ہو جائے تو پھر اس کی واپسی کی گنجائش نہیں رہتی۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع ؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے (معارف القرآن جلد 7 صفحہ 173) اس کا مفہوم ہے کہ اللہ کریم نے جو عبادات مقرر کی ہیں اُن کے اوقات، قواعد وضوابط اور حدود و قیود بھی متعین فرما دی ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کے لیے شرائط ہیں کہ بدن، لباس اور جگہ پاک ہو، وضو ہو، قبلہ رو ہو اور دیگر آداب۔ رمضان کا مہینہ روزوں کے لیے مقرر ہے۔ اس کے اوقات مقرر ہیں۔ حج کے دن مقرر ہیں، مہینہ مقرر ہے اور دیگر مناسک متعین ہیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے اور اس کے اپنے قاعدے اور ضابطے ہیں لیکن ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی کوئی حد ہے نہ اس کی کوئی قید ہے۔ اس کا کوئی وقت متعین نہیں اور نہ کوئی حالت۔ وضو ہے تو ٹھیک ہے، نہیں ہے تو بھی ٹھیک ہے۔ کھڑے ہیں، بیٹھے ہیں یا دراز (لیٹے) ہیں ہر حالت میں ذکر کا حکم ہے۔ گرمی ہے یا سردی، گھر میں ہیں یا سفر میں، ہر حال میں ذکر اللہ کرنے کا حکم ہے۔ باقی عبادات میں رعایتیں ہیں۔ بیماری کی صورت میں روزہ قضا کر لینے کی اجازت ہے۔ سفر میں صلوٰۃ قصر پڑھنے کا حکم ہے۔ بیماری کی صورت میں تیمم کی سہولت ہے لیکن ذکر اللہ ہر حال میں کرنا ہے۔ اس میں کوئی گنجائش نہیں کہ یہ چھوٹ جائے یا اس کی قضا ہو جائے۔ یہ ہمہ وقت علی الدوام کرنا ہے اور کثیر کرنا ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں اس کے لیے کوئی عذر بھی نہیں۔

ذکرِ قلبی، ذکرِ کثیر، ذکرِ دوام سے مقصود کیا ہے؟

اللہ کریم نے صبح وشام، ہر حالت میں ہمہ وقت اور کثرت سے ذکر کا حکم دیا ہے تو اس سے مقصود کیا ہے؟ پہلے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اذکار کی مختلف اقسام ہیں۔ عملی ذکر، قولی یا زبانی ذکر اور قلبی خفی ذکر۔ ہر وہ عمل جو شریعت کے مطابق

کیا جائے وہ عملی ذکر ہے کیونکہ اس کام کو کرتے ہوئے بندے کو یہ احساس رہتا ہے کہ وہ یہ کام اس لیے کر رہا ہے کہ ایسا کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس طریقے سے کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس عمل میں اللہ کی یاد موجود ہے لہٰذا یہ عملی ذکر ہے۔ جو اذکار زبان سے کیے جاتے ہیں، مثلاً تلاوت، تسبیحات اور نیک گفتگو، یہ قولی عبادت ہے اور لسانی ذکر ہے۔ ذکر کی ان دونوں صورتوں میں دوام نہیں۔ عملی ذکر بھی اپنے اوقات کا محتاج ہے۔ زبانی ذکر بھی وقت کا محتاج ہے۔ بندہ سو جائے یا بے ہوش ہو جائے تو ذکر موقوف ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی زندگی کے امور کی ترجمانی زبان نے کرنا ہوتی ہے صرف ذکر پہ کہاں لگی رہے گی؟

ذکر کثیر یا ذکرِ دوام قلب کا فعل ہے۔ جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے تو وہ ہمہ وقت اور ہمیشہ ذکر کرتا رہتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ اتنا ذکر کرنے کی انسان کو ضرورت کیوں پیش آئی، اللہ کریم نے اتنا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا تو اس کی کیا اہمیت ہے؟ یہ تاکیدی حکم اس لیے دیا گیا کہ انسان کو معرفتِ الٰہی کی جو استعداد دی گئی ہے وہ استعمال ہی تب ہو سکتی ہے جب ذکرِ دوام نصیب ہو۔ مسلسل، ہمہ وقت، رات دن کا ذکر اس کو پالش کرتا ہے، چمکاتا ہے، صاف کرتا ہے تاکہ وہ برکاتِ الٰہی اور تجلیاتِ باری کو قبول کر سکے۔ یہاں یہی ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے ہمہ وقت رحمتیں برس رہی ہیں، بندہ اپنے اندر ان رحمتوں کو سمو لے۔ انہیں اپنے دل میں بسا لے۔

فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ اور وہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے۔

جہاں تک ذاتِ باری کا تعلق ہے وہ ایمان والوں پر بے پناہ مہربان ہے۔ اس کی مہربانیوں کا، اس کی رحمتوں کا کوئی کنارا نہیں۔ اس کے کرم کا ایک ناپیدا کنار بحرِ ذخار ہے جو مومنین پر ہمہ وقت لٹایا جا رہا ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ ایمان والوں پر اللہ کی رحمتیں نازل نہ ہو رہی ہوں۔ اللہ کے فرشتے ہمیشہ دست بہ دعا رہتے ہیں کہ اللہ تم پر مزید رحمتیں برسائے۔ بارگاہِ الٰہی سے نزولِ رحمت میں انقطاع ہے نہ فرشتوں کی طرف سے دعاؤں میں کہیں رکاوٹ ہے۔ اب انسان وہ ہے جو اُسے قبول بھی کرے! بارش جب زمین پر برستی ہے تو وہی خطۂ زمین بارآور ہوتا ہے جس پر محنت کی جاتی ہے۔ ہل چلائے جاتے ہیں، کھاد ڈالی جاتی ہے، زمین تیار کر کے بیج ڈالا جاتا ہے۔ ایسی زمین پر ہی فصلیں اُگتی ہیں، ایسی کھیتیاں ہی فصل دیتی ہیں۔ جو زمین تیار نہیں کی جاتی، بارش کے باوجود وہاں جھاڑ جھنکاڑ ہی اُگتا ہے اور زمین کی جگہ سخت چٹانیں ہوں تو کچھ بھی نہیں اُگتا۔ جسے نورِ اسلام نصیب نہیں اس کا دل چٹان کی مانند ہے۔ وہ مسلمان، جسے دین نصیب ہے، وہ بھی اگر ذکرِ دوام نہیں کرتا تو گویا اس نے اپنی کھیتی تیار نہیں کی۔ اس پر بھی بارش

برسے گی تو گھاس پھوس ہی اُگے گا، فصلیں نہیں ہوں گی۔ ذکرِ دوام گویا دل کی کھیتی کو تیار کرنے کا عمل ہے جو رحمتِ الٰہی کو قبول کرکے پھل دیتی ہے۔ خلوصِ دل سے کیے گئے اعمال کا سبب ہے۔ بے شک ذاتِ باری ایمان والوں پر بے پناہ مہربان ہے۔ اللہ کریم ایسے مومنین کو بشارت سنا رہے ہیں۔ فرمایا: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا﴿۴۴﴾ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا۔ جب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو اس کی طرف سے سلامتی کا تحفہ مومنین کو ملے گا۔ اس مشکل گھڑی میں جب ایک ایک سانس کا حساب دینا مشکل ہوگا تب اہلِ ایمان جنہیں ذکرِ دوام نصیب ہے اس وقت انہیں اللہ کی طرف سے سلامتی کا تحفہ ملے گا۔ اور اللہ نے اُن کے لیے بہت ہی عمدہ بدلہ تیار کر رکھا ہے، بہترین اجر، بہترین معاوضہ اور بہترین انعامات تیار کر رکھے ہیں۔

ذکرِ دوام کیسے ملے؟

ذکرِ دوام کہاں سے آئے، کیسے ملے، کہاں سے حاصل کیا جائے؟ یہ ملتا ہے بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ یہ مبارک انوارات، یہ روشنیاں، یہ نور سینہء اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کا ذریعہ ذکرِ دوام ہے۔ یہ دوامِ ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے حاصل ہوا؟ اِک نگاہ سے! ایمان لانے کے بعد کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ نصیب ہوگئی یا اُس کی ایک نگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اطہر پر پڑ گئی تو اسے ذکرِ دوام نصیب ہوگیا۔ اس کا سینہ روشن اور قلب جاری ہوگیا۔ جب قلب جاری ہو جائے تو پھر انسانی وجود کا ایک ایک ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے، ایک ایک سیل (Cell) ذاکر ہو جاتا ہے۔ جب وجودِ انسانی کے سارے (Cell) سیل ذاکر ہو جائیں تب ذکرِ کثیر بنتا ہے۔ اللہ نصیب کرے اور اسی پر خاتمہ نصیب ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام جہانوں کے خوش قسمت ترین افراد وہ تھے جنہیں براہ راست صحبتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔ وہ ایک بحرِ ذخار، ناپیدا کنار سمندر جو سینہء اطہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری ہوا، اس سے پہلے پہلے سیراب ہونے والے صحابہ کرامؓ تھے۔ وہ ایسے خوش نصیب لوگ تھے جنہیں اللہ کریم نے دین کی بنیاد بنا دیا۔ ایک لمحے کی صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانا ہی ذکرِ دوام کا ذریعہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کی صحبت میں بھی یہی طریقہ تھا کہ جو اُنؓ کی مجلس میں آیا تابعی ہوگیا۔ تابعین میں بھی یہ برکت تھی کہ جو اُن کی مجلس میں آیا وہ تبع تابعی بن گیا۔ یہاں آ کر خیر القرون ختم ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر اس کے بعد کا پھر اس کے بعد کا۔ ان تین زمانوں کو خیر القرون کہتے ہیں۔

تبع تابعین کے بعد لوگوں نے محنت کی اپنے قلوب کو اس قابل بنایا کہ وہ پہلوں سے انوارات وتجلیات اخذ

کریں اور ذکرِ دوام حاصل کریں۔ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ کسی خوش نصیب کو ظاہری علم نصیب ہوگا تو وہ بھی اس کی بہت بڑی شان ہے۔ اس علم کے ساتھ توفیقِ عمل نصیب ہو جائے تو اللہ کا احسانِ عظیم ہے۔ کسی کو قرآن کا حفظ نصیب ہو جائے، حدیث شریف پر عبور حاصل ہو جائے تو یہ اللہ کریم کے احسانات کے مختلف پہلو ہیں۔ ذکر سے استثنٰی کسی کو نہیں۔ کسی محدث کو بھی نہیں، کسی فقیہہ یا کسی عالم کسی کو بھی نہیں۔ سب کے لیے ذکر علی الدوام ضروری ہے۔ کسی عالم، کسی مفتی یا عام مسلمان کسی کو استثنٰی نہیں۔ یہ ذکرِ دوام ہی ہے جو دنیا کی ظلمتوں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت تو ہر آن برس رہی ہے، بندے میں قبولیت کی استعداد بھی تو ہو! ذکرِ دوام اس استعداد کو بڑھاتا ہے تو پھر کون ہے جسے اس کی ضرورت نہیں۔

آج ہر بندہ کیوں پریشان ہے؟ اللہ کریم کی طرف سے تو رحمتیں برس رہی ہیں تو پھر پریشان کیوں ہیں؟ اس لیے کہ دوامِ ذکر سے اللہ کی رحمت قبول کرنے کی جو استعداد پیدا کرنی تھی۔ وہ محنت لوگوں نے چھوڑ دی۔ دلوں کو چٹانیں بنالیا ہے ان پر ابرِ کرم بھی برستا رہے تو کیا فائدہ؟ پریشانیاں ہی پریشانیاں رہیں گی۔ کمی، اللہ کی طرف سے نہیں ہوئی، ہماری طرف سے ہوئی ہے، ہم نے ذکرِ دوام چھوڑ دیا ہے۔ صرف خود چھوڑنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، اب تو روکا جاتا ہے۔ جو کوئی کر رہا ہے اسے بھی روکنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ اس نعمت سے روکا جاتا ہے جس کا نتیجہ اس آیۂ مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ ذکرِ دوام کرنے والوں کو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے وقت سلامتی کا تحفہ عطا ہوگا اور اجرِ عظیم نصیب ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی منصبِ جلیلہ:

اب رہی یہ بات کہ یہ ذکرِ دوام جس منبع سے آتا ہے، وہ منبع و مرکز ہی نہ رہے تو یہ کہاں سے آئے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دنیا سے پردہ فرمائے صدیاں بیت گئیں۔ مرکز و منبع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات تھی، اگر وہی دروازہ بند ہو گیا تو اس حکم کی تلقین کا کیا فائدہ! لیکن اللہ تو ذکرِ دوام کا حکم سب کو دے رہے ہیں اور قیامت تک کے لیے دے رہے ہیں کہ ذکرِ دوام کرو۔ یہ کیسے ہوگا؟ ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ بے شک ہم نے آپ کو (اس شان کا) پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور (ایمان والوں کے لیے) خوشخبری دینے والے اور (کافروں کے لیے) ڈرانے والے ہیں۔ اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور روشن چراغ ہیں۔

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ روشن چراغ ہیں جس کی روشنیاں علی الدوام تقسیم ہو رہی ہیں اس

آیۂ مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دائمی منصبِ جلیلہ بیان ہورہے ہیں۔اوّل،آپ صلی اللہ علیہ وسلم علی الدوام شاہد ہیں، گواہ ہیں۔بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک جو نیک عمل بھی کوئی کرے گا اس کی گواہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے کہ اس کا عمل اللہ کے حکم اور میرے طریقے کے مطابق ہے۔یعنی جس عمل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہوگی وہ قابلِ قبول ہوگا اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہو گا۔وہ ردّ ہوجائے گا۔ہر نیک کام پر اُخروی انعامات کی بشارت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا منصبِ جلیلہ ہے۔اور جو غلطی انسان آج کر رہا ہے، وہ عقیدے میں ہے یا عمل میں، اس کے جو خطرناک نتائج ہوں گے اُن نتائج سے آج آگاہ کرنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی منصبِ جلیلہ ہے۔

برکاتِ رسول اللہ کے قلزم آج بھی جاری ہیں۔آج بھی کردار کو ضرورت ہے کہ اس کی تصدیق ارشاداتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو۔آج بھی نیکی پر خوشخبری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے مل رہی ہے۔یہ وقتی بات نہیں، یہ دائمی بات ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ افروز تھے تب بھی اور یہاں سے پردہ فرما گئے تب بھی رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کلامِ الٰہی، قرآن حکیم موجود ہے، اس کی تفسیر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حدیث شریف میں موجود ہے اور وہ منصبِ جلیلہ آج بھی اسی طرح انجام پارہا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں موجود تھے تو انجام پایا تھا۔خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے توفیق دی اور وہ یہ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

فرمایا: وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ --- یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی منصبِ جلیلہ ہے، آج بھی اور قیامت تک بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ دین جاری رہے گی۔آج بھی کہیں اسلام کی بات ہوتی ہے، ایمان کی بات ہوتی ہے تو اس دعوت کے حق ہونے کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی ہوتے ہیں۔قرآن بھی ہمارے پاس کہاں سے آیا؟ وحیٔ الٰہی تو صرف ایک ہستی پر نازل ہوئی وہ ہیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم۔قرآن بھی ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے تو ہم مانتے ہیں کہ یہ قرآن ہے۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس کلامِ حق کو سینہ بہ سینہ حفظ کرا کے، زبانی، عملاً اس پر عمل کر کے، مفہوم سمجھ کر مفہوم کے ساتھ آگے پڑھا رہے ہیں یہ سب کس کا کام کر رہے ہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا! یہ مقام، یہ منصب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

فرمایا: وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ روشن چراغ ہیں جس کی روشنیاں علی الدوام تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ روشنیاں اپنی شان کے مطابق تب بھی تقسیم ہوتی تھیں، آج بھی تقسیم ہو رہی ہیں۔ وصالِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس ضوفشانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اللہ کے نبیوں کا دنیا سے پردہ فرما جانا، عام آدمی کی موت کی طرح نہیں ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ کے وصال کی شان جدا ہے۔

موت کیا ہے؟

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

موت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور برزخ کی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ زندگی جب تک اللہ کریم چاہیں گے رہے گی پھر برزخ بھی ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی، گویا موت، زندگی کے اور مضبوط ہو جانے کا نام ہے۔ زندگی ختم نہیں ہوئی مزید مضبوط ہو گئی لیکن کیا سب لوگوں کی برزخی زندگی ایک جیسی ہوتی ہے؟ نہیں۔ اللہ کریم نے کچھ ایسے بندے بتائے ہیں جن کے بارے حکم دیا ہے کہ انہیں مردہ نہ کہو: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ۔۔۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔ قتل کا فعل بدن پر صادر ہوتا ہے۔ تلوار سے یا کسی اور ذریعے سے قتل ہوتا ہے۔ بندہ دنیا سے چلا جاتا ہے، اس کا جنازہ ہوتا ہے، اسے دفن کر دیا جاتا ہے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں اسے مردہ نہ کہو: بَلْ اَحْيَآءٌ۔۔۔ (البقرۃ:154) وہ زندہ ہیں۔ گویا قتل کے بعد بھی ان کی روح کا تعلق بدن کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کسی بھی زندہ انسان کا ہوتا ہے۔ فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔۔۔ (آل عمران:169) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں ان کے بارے یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مر گئے۔

جب موت آتی ہے تو بندے کا دنیا پر رہنے کا جو معین وقت اللہ نے مقرر کیا ہوتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ روح بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔ دنیا میں بدن اور روح اکٹھے ہوتے ہیں اور بدن بالذات مکلف ہوتا ہے۔ روح بالواسطہ مکلف ہوتا ہے۔ روح جب بدن سے الگ ہو جائے تو روح مکلف بالذات ہوتی ہے اور بدن بالواسطہ۔ جیسے دنیا میں گرمی سردی، بھوک پیاس بدن کو لگتی ہے لیکن روح اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح موت کے بعد مکلف بالذات روح ہو جاتی ہے۔ برزخ کے عذاب وثواب براہ راست روح پر آتے ہیں۔ بدن کے ذرات زمین میں جہاں بھی پھیل جائیں روح کا تعلق ہر ذرے سے رہتا ہے۔ اگر روح راحت میں ہے تو ذرّات تک راحت پہنچتی ہے۔ روح پر عذاب آئے تو ہر ذرے تک عذاب پہنچتا ہے۔ یہ تو ایک عام انسان کا برزخی حال ہے۔

شہید کے بارے ذکر ہو چکا کہ وہ مردہ نہیں زندہ ہیں۔ شہید کی بھوک پیاس، گرمی سردی کی ضروریات برزخ سے پوری ہوتی ہیں۔ان کے موسم برزخ کے ہیں۔اس کی روح کا تعلق بدن سے ویسے ہی رہتا ہے جیسا اس کی دنیوی زندگی میں تھا۔تاریخ میں بے شمار حوالے ملتے ہیں کہ صحابہؓ کے وجود صدیوں بعد بھی زمین سے نکالے گئے اور دوسری جگہ منتقل کیے گئے تو صحیح سلامت اور تر و تازہ تھے۔

یہ منصب شہید کا ہے۔ شہید سے بالا صدیقین ہیں۔ فرمایا: مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ ۔۔۔(النساء:69)

گویا صدیق کی زندگی شہید سے توانا تر ہوگی۔اس کا مرتبہ بلند ہے اور انسانیت میں سب سے عالی مرتبہ انبیا علیھم السلام کا ہے۔اگر شہید کو مردہ نہیں کہہ سکتے تو نبیؑ کو کیسے کہہ سکتے ہیں؟ نبی تو وہ ہستی ہے کہ جس کے ارشاد کی تعمیل میں جان دینے والا شہید ہوتا ہے۔تمام انبیا علیھم السلام اپنی قبور میں ہیں، برزخ میں ہیں، اپنی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔

تمام انبیاؑ اپنے اپنے زمانوں میں تشریف لائے، اللہ کا پیغام لائے۔سب کا اپنا اپنا علاقہ اور وقت متعین تھا۔ جس قوم کی طرف آئے اس قوم پر اُن کا اتباع واجب تھا۔سب نبی حق پر تھے۔ ہر نبیؑ نے اسلام ہی پیش کیا۔ ہر نبیؑ کے کلمے کی بنیاد لا الہ الا اللہ تھی لیکن سب اپنے اپنے وقت پر تشریف لا کر واپس چلے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراجِ منیر بنائے گئے۔ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۞ روشنیاں بکھیرتا ہوا سورج۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لیے، ساری انسانیت کے لیے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابد تک کے لیے ہے۔ایک شاعر نے کہا تھا۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِيْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰى اُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرِبُ

پہلوں کے سورج طلوع ہوئے، غروب بھی ہو گئے لیکن ہمارا سورج طلوع ہوا اور پھر ابد آباد اُفق العُلٰی پر چمکتا رہے گا۔آپ صلی اللہ کی نبوت جاری وساری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات بھی جاری وساری ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراجاً منیراً ہیں جو روشنیاں بانٹ رہے ہیں۔ابد تک بانٹتے رہیں گے۔اب یہ ہم پر ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کی روشنی وصول کرتے ہیں یا نہیں۔اللہ کریم نے فرما دیا کہ یہ روشنی قیامت تک کم ہوگی نہ بجھے گی۔یہ اپنی اپنی ہمت ہے کہ کون کتنا حاصل کرتا ہے!

یہاں اس سوال کا جواب مکمل ہو گیا کہ ہم دورِ صحابہؓ میں نہیں ہیں تو اب، ہم قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کہاں سے لیں۔

فرمایا: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔خوش خبری دے دیجیے ایمان والوں کو۔ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ مومنین کو مبارک دیجیے کہ اللہ نے برکاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوام بخش دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو دوام ہے، آج بھی آپ ہی نبیؐ ہیں، کل بھی آپ ہی نبیؐ ہوں گے ہمیشہ آپ ہی نبیؐ رہیں گے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب نبوت قائم و تابندہ ہے تو اس کی ساری برکات بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ گویا تجلیات وانوارات کا ایک بحرِ ذخار ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے اب یہ مومن کی ہمت ہے کہ وہ اس میں سے کتنا حاصل کرتا ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اللہ نے اسے فضلاً کبیراً فرمایا ہے۔ اگر پہلے انبیا علیہم السلام کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عرصہ بھی معین ہوتا تو جب عرصۂ نبوت ختم ہوتا برکات بھی منقطع ہو جاتیں لیکن اللہ کریم نے ایمان والوں پر احسان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جاری وساری فرما دیا۔ جب کوئی چاہے، جہاں چاہے وہیں اپنا دل صاف کرے اسے وہیں پر ہی برکات، انوارات اور تجلیات مل جائیں گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری رحم دلی اور شفقت تھی کہ آپ کفار و منافقین کے لیے بھی دکھ محسوس فرماتے تھے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ۔۔۔

کیا عجیب ذاتِ کریم تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ کافر کفر کرتا، منافق نفاق کرتا اور دکھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، یہ محروم رہ جائے گا۔ فرمایا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کسی بات کو اہمیت نہ دیں۔ ان کی پروا نہ کیجیے، ان کے دکھوں کو بھول جائیے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ آپ صرف اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ ہر کام کو کرنے والا کارساز اللہ کافی ہے۔

توکل کی حقیقت:

توکل علی اللہ کے لیے اللہ کریم کو جاننا اور ماننا شرط ہے۔ جو جانتے ہیں وہ بھروسہ کر لیتے ہیں اور جن کے پاس سنی سنائی بات ہے ان بے چاروں نے کیا بھروسہ کرنا ہے۔

انسانوں کے آپس کے بھروسے بھی ذاتی تعلقات پر ہوتے ہیں۔ کسی سے ذاتی تعلق ہو تو بھروسہ ہوتا ہے۔ سنی سنائی بات ہو کہ فلاں شخص بڑا امیر ہے، فلاں بڑا اثر ورسوخ والا ہے، طاقتور ہے تو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ امیر ہوگا، اچھا ہوگا لیکن ہم تو اسے جانتے نہیں۔ ہم پر کوئی مصیبت آئی تو ہمارے کام نہیں آئے گا! اُسی امیر اور طاقتور

سے ذاتی تعلق ہوتو بڑا بھروسہ ہوتا ہے کہ ہمارے مشکل وقت کام آئے گا ہمیں کیا فکر!

یہاں حصولِ توکل کے لیے نسخہ ارشاد فرمایا گیا کہ اے اہلِ ایمان! ذکرِ دوام کرو، بدن کے ذرّے ذرّے کو ذاکر کرلو۔ ذکرِ دوام سے تمہارے قلب کو وہ جلا ملے گی کہ وہ عظمت الٰہی سے اور اپنی حیثیت سے آشنا ہو گا۔ اللہ کی عظمت سے آشنا ہوگا تو اس پر بھروسہ کرے گا۔ اے نبی! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ کفار کی باتوں کی پروا نہ کیجیے اللہ انہیں خود دیکھ لے گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ربّ پر، اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

طلاق کے چند عمومی احکام:

فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا ۚ فَمَتِّعُوْھُنَّ وَسَرِّحُوْھُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾ اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری اُن پر کوئی عدت (واجب) نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو پس ان کو کچھ متاع (مال) دے دو اور اُن کو اچھے طریقے سے رخصت کردو۔

نکاح ایسا مبارک کام ہے کہ جو ایک خاتون اور ایک مرد کو ایک دوسرے کے لیے حلال کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا مقدس رشتہ ہے جو اللہ کے نام پر ایک مرد اور ایک خاتون کو حلال کر دیتا ہے۔ وہ ایسے یکجان ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی پردہ نہیں رہتا۔ دو ایک ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی دوری نہیں رہتی۔ نکاح کا مطلب تو یہ تھا کہ دو افراد مل کر ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھیں۔ زندگی کی گاڑی کو آگے چلائیں، معاشرے کو بہتر انسان دیں لیکن اب زمانے کے انداز بدل گئے ہیں۔ اب نکاح کے بعد سب کا مقصد ایک دوسرے کو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔

پہلا حکم ارشاد فرمایا کہ نکاح کی تکمیل بھی تب ہوتی ہے جب نکاح کے بعد میاں بیوی کو خلوت نصیب ہو۔ اگر وہ خلوت نصیب نہیں ہوئی اور کسی وجہ سے نکاح توڑنا پڑ جائے تو اس شخص پر کوئی مہر واجب نہیں۔

طلاق کی اہمیت کیا ہے؟ جب کسی بڑے فساد کا اندیشہ ہو جائے تو اس سے بڑے فساد سے بچنے کے لیے نکاح کے تعلق کو منقطع کر لینا بہتر ہے لیکن یاد رہے! حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ کام اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ بعض صورتوں میں طلاق دینا حلال ہے لیکن طلاق اللہ کو پسند نہیں۔ جب ایک دفعہ اللہ کے نام پر میاں بیوی بن جائیں تو پھر زندگی کی گاڑی کو چلائیں لیکن اگر طلاق کی نوبت آ جائے تو نکاح کے بعد جس شخص نے اہلیہ سے خلوتِ صحیحہ نہیں کی اس پر کوئی مہر واجب نہیں۔

دوسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ اگر چہ خلوت کے بغیر مہر واجب نہیں ہوتا لیکن پھر بھی طلاق کو وجہِ دشمنی نہ بناؤ، کسی بڑی خرابی سے بچنے کے لیے یہ چھوٹی خرابی کرنا پڑ رہی ہے تو اس میں تعلقات کو نہ بگاڑو۔ تم پر اگر چہ مہر واجب نہیں لیکن خاتون کو کچھ دے کر رخصت کرو۔ خوبصورت طریقے سے رخصت کرو گویا طلاق دینے کا بھی ایک طریقہ اور سلیقہ ہے۔ وہ انداز اختیار کرو کہ مزید فساد نہ بڑھے۔ اس کے لیے قرآن کریم نے فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ فرمایا ہے یعنی کچھ متاع (مال) دے دو۔ چند جوڑے کپڑے، کوئی زیور کوئی مال، جتنی جس کی حیثیت ہے اس کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کرے۔ تیسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ اس خوبصورت انداز سے رخصت کریں کہ تعلقات میں تلخی نہ آئے، دشمنی نہ ہو۔ طلاق بھی دو تو بگاڑ کے نہ دو۔ سخت الفاظ طعن وغیرہ سے پرہیز کرو۔ اسلام میں علیحدگی اختیار کرتے ہوئے بھی حُسن معاشرت کو اہمیت دی ہے اور یہ اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہاں تک عمومی احکام تھے اگلی آیات میں خود ذاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خصوصی احکام ارشاد ہوتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان:

ارشادِ باری ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ۔۔۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کے لیے ہم نے آپ کی (یہ) بیبیاں جن کو آپ ان کا مہر دے چکے ہیں حلال فرمائیں ہیں اور آپ کی لونڈیاں جو اللہ نے آپ کو (کفار سے بطور مالِ غنیمت) دلوائی ہیں۔

سورۂ احزاب کی ان آیات (50 تا 52) میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خصوصی احکام ارشاد ہوئے ہیں جو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز ہے۔ اُن میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں اس آیت کے نازل ہونے کے وقت چار سے زائد بیویاں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار سے زائد خواتین کو نکاح میں رکھنا حلال کر دیا گیا۔

دوسرا حکم جو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے وہ یہ کہ آپ کی ملکیت میں آنے والی کنیز، لونڈی آپ کے لیے حلال ہے اور یہ پھر کسی دوسرے پر حلال نہیں۔ تیسرا حکم خاص یہ ہے کہ والد کے خاندان اور والدہ کے خاندان سے یعنی چچا اور پھوپھی زاد اور خالہ اور ماموں زاد میں سے صرف اُن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح فرما سکتے ہیں جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی۔

چوتھا مخصوص حکم یہ ہے کہ کوئی مسلمان عورت جو خود کو بغیر مہر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دینا چاہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے نکاح میں لینا منظور فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حلال ہے۔ یاد رہے! یہ حکم خاص اس وقت کے لیے تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے آب وگل میں جلوہ افروز تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی ایسا کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ ہاں! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھا کہ کوئی مسلمان عورت بغیر مہر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنا چاہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی چاہیں تو قبول کر سکتے ہیں۔

اور یہ امتیازی شان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اللہ کریم نے آپ کو خود یہ اختیار بخشا کہ ازواجِ مطہرات میں سے جس بیوی کو چاہیں اپنے قرب سے نوازیں اور جس کو چاہیں کچھ وقت کے لیے علیحدہ رہنے دیں اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں الگ رکھ سکتے ہیں۔ جس کو چاہیں زیادہ وقت دیں، جس کو چاہیں کم وقت دیں۔

خاندانِ نبوت کا تذکرہ بہت ادب کا متقاضی ہے:

یہ مقامِ ادب ہے۔ ازواجِ مطہرات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ مبارک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ یہ بڑے نازک مقام ہیں۔ یہاں احتیاط لازم ہے، زبان کھولتے ہوئے بلکہ سوچتے ہوئے بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

تعدادِ ازواج کے بارے جو لوگ معذرت خواہانہ روّیہ رکھتے ہیں وہ اللہ کے احکام کو کماحقہٗ سمجھے ہی نہیں اور ادبِ رسالت سے انہیں مس ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک پچیس (25) سال کی عمر میں اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی اور پچاس (50) برس کی عمرِ مبارک تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہء اقدس پر وہی ایک زوجہء محترمہ تھیں۔ بعثت بھی انہیںؓ کے ہاں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو پہلی بات انہیںؓ کے پاس جا کر ارشاد فرمائی۔ خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جب آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچاس (50) برس تھی یعنی پچیس سال کا ساتھ رہا اور اس دوران حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ اُنؓ کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ چونکہ خانہء اقدس خاتون کے بغیر رہ گیا تھا، خالی رہ گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رشتہ پیش فرمایا اور نکاح ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر (16) کسی نے (سازش کے تحت حدیث مبارک کے الفاظ سے عشرہ گرا دیا گیا) عشرہ گرا دیا اور عمر مبارک ستہ (6) کر دی۔ یہ بات

ویسے بھی قرینِ قیاس نہیں کہ جب خانہء اقدس اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بعد خالی ہو گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر بسانے کے لیے خاتون کی ضرورت تھی نہ کہ چھ سالہ بچی کی۔ بہرحال تحقیق سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمرِ مبارک سولہ (16) برس تھی۔ بعد ازاں ہجرت شروع ہو گئی۔ تھوڑے تھوڑے مسلمان ہجرت کرنے لگے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے نکاح فرمائے اُن میں کوئی کنواری خاتون نہ تھیں اور ان کا مقصد دین کی حفاظت اور دین کے پھیلاؤ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان تمام شادیوں کے نتیجے میں قبائل کے قبائل اسلام میں داخل ہوئے اور حکومتِ اسلامیہ کے معاون بنے۔ یہاں اتنی تفصیل کا موقع نہیں اگر ایک ایک نکاح مبارک کے بارے مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ان دو کے علاوہ باقی تمام نکاح سے حکومتِ اسلامیہ کو سیاسی طور پر فائدہ پہنچا۔ ایک ایک خاتونِ محترم کی وجہ سے جوق در جوق اور قبائل کے قبائل مسلمان ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ حق یہ ہے کہ شانِ ازواجِ مطہرات ایسی ارفع ہے اور یہ مقام اتنا نازک ہے کہ اس کے بارے انتہائی محتاط انداز اختیار کرنا چاہیے۔

فرمایا: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ ۔۔۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کے لیے ہم نے آپ کی (یہ) بیبیاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال فرمائی ہیں اور آپ کی لونڈیاں جو اللہ نے آپ کو (کفار سے بطور مالِ غنیمت) دلوائی ہیں۔

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خطاب فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کی وہ بیویاں جن کو آپ مہر ادا کر چکے ہیں آپ پر حلال کر دی ہیں اور وہ کنیزیں جو مالِ غنیمت میں آپ کی ملکیت میں آئی ہیں وہ بھی آپ پر حلال کر دی ہیں۔

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خطاب فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کی وہ بیویاں جن کو آپ مہر ادا کر چکے ہیں آپ پر حلال کر دی ہیں اور وہ کنیزیں جو مالِ غنیمت میں آپ کی ملکیت میں آئی ہیں وہ بھی آپ پر حلال کر دی ہیں۔

مہر کے مختصر احکام:

مہر شرعی واجب ہے۔ اگر کوئی بغیر مہر ادا کیے نکاح کرتا ہے تو بھی اس پر مہر شرعی واجب ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ پہلے اقرار کرے۔ جب بھی بغیر مہر کے نکاح ہو گا تب ہی شرعی مہر واجب ہو جائے گا۔ شرعی مہر یہ ہے

کہ شوہر اپنی مالی حیثیت کے مطابق ادا کرے۔ علماء کا قول ہے کہ جس حیثیت سے وہ مرد گزارا کرتا ہے کم از کم اتنا مہر ہونا چاہیے کہ خاتون کا ایک ماہ کا گزارا اس حیثیت سے ہو۔ لہٰذا امیر کا مہر اس کی حیثیت اور غریب کا مہر اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔ یہ بات ازواجِ مطہرات سے اس لیے شروع کی گئی کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پوری امت میں سے کوئی اس سے بری یا مستثنٰی نہیں۔ جب خاندانِ نبوت پر مہر واجب ہے تو اس کے بعد کسی کے لیے اس میں گنجائش نہیں کہ وہ مہر نہ دے۔ مہر خاتون کا حق ہے اور اسے ملنا چاہیے۔

اسلام میں غلام اور کنیز کا مقام اور احکام:

اس مسئلے کو اس طرح دیکھیں کہ اسلام میں کنیز اور غلام کیسے بنتے ہیں جب کوئی اسلام کے خلاف بغاوت کرتا ہے، فوج کشی کرتا ہے، جنگ کرتا ہے تو جو لوگ اسلام کے خلاف تلوار اٹھاتے ہیں جب اُن کو شکست ہو جائے تو انہیں قیدی بنالیا جاتا ہے۔ ان کی بیویاں اور بچے قیدی بن جاتے ہیں۔ ان کی انسانی ضروریات کا مکمل خیال رکھا جاتا ہے صرف اُن کی آزادی سلب کی جاتی ہے کہ انہوں نے حق کی جماعت کے خلاف لشکر کشی کی۔

اگر میاں بیوی دونوں قیدی بنتے ہیں تو اُن کو الگ الگ نہیں کیا جاتا۔ دونوں کی آزادی سلب ہو جاتی ہے لیکن دونوں مل کر رہتے ہیں بچے بھی قیدی بنتے ہیں لیکن والدین کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ اُن کے زندہ رہنے کا حق قائم رہتا ہے۔ مسلمانوں کو اُن سے حسنِ سلوک کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور ان کے بارے حکم دیا گیا ہے کہ جو خود کھاؤ غلاموں کو بھی وہی کھلاؤ۔ جو خود پہنو غلاموں کو بھی وہی پہناؤ۔ انہیں وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جن کے کرنے کی ان میں ہمت نہیں۔ ان سے وہی خدمت لو جو وہ کر سکتے ہیں۔

ایسی خواتین جن کے خاوند لڑائی میں مارے گئے یا کنواری خواتین جو مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھیں اور قید ہو کر آئیں اُن کی آزادی سلب ہو جاتی ہے اور وہ کنیزیں بن جاتی ہیں لیکن ایک کنیز ایک ہی مرد پر حلال ہے۔ وہ صرف اس ایک مسلمان مرد کے لیے حلال ہے جس کے حصے میں آئی۔ وہ بغیر نکاح کے بطور بیوی اسے رکھ سکتا ہے۔ جب تک چاہے رکھے جب نہ چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے کیونکہ اس کی آزادی جنگ کے جرم میں ختم ہوگئی لیکن اس کی آبرو کا تحفظ ہوگا۔ وہ بھی انسان ہے اور کسی ایک انسان کے ساتھ ہی رہے گی۔

اسلام میں مخصوص حالات کے تحت غلام اور کنیزوں کے وجود میں آنے پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ذرا اُن کا کردار دیکھیں۔ خواتین کی کس قدر بے حرمتی ہوتی ہے۔ مردوں، عورتوں پر کتنے بھیانک مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ یہ سب مظالم آج بھی غیر مسلم فاتح کرتے ہیں اور تاریخ کے اوراق ان کے مظالم کی داستانوں پر شرمندہ ہیں۔

مغرب اور یورپ کو بھی چھوڑ دیں کہ وہ دیگر اقوام کے ساتھ کیا کرتے رہے۔ ان صلیبیوں کی آپس میں بے شمار جنگیں ہوئی ہیں۔ تاریخ بھری پڑی ہے کہ جب ان میں سے کوئی غالب آجاتا تھا تو وہ اپنے ہی ہم مذہب مغلوب کا کیا حشر کرتا تھا! اُن کی بیویوں اور بچوں پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتا تھا۔ اُن کی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھیں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے اور اس میں انسانی زندگی کا کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے کہ زندگی اللہ کی دی ہوئی ہے۔ غلاموں کو زندہ رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ آبرو کی حفاظت کی گئی ہے۔ اپنے رہنے سہنے، کام کرنے، کھانے پینے میں وہ اپنی مرضی میں آزاد ہے۔ پھر قدم قدم پر غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ کسی مسلمان سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو کفارے کے طور پر غلام آزاد کرو، کنیز آزاد کرو۔ کسی پر احسان کرنا چاہتے ہو اللہ کی رضا چاہتے ہو تو غلاموں کو، کنیزوں کو آزاد کرو۔ اسلام نے دو کام ایک ساتھ کیے۔ ایک حکم یہ دیا کہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو اسی معیار کا کھانا اور لباس فراہم کرو جیسا خود استعمال کرتے ہو۔ اُن سے وہ کام مت لو جو وہ نہیں کر سکتے۔ وہی کام لو جو وہ کر سکتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کام کیا کہ فرما دیا، نیکی یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے انہیں آزاد کر دو۔

ہمارے بعض علماء خصوصاً مغرب میں موجود علماء کا رویہ اس ضمن میں بہت معذرت خواہانہ ہوتا ہے۔ اس میں معذرت خواہ ہونے کی کیا ضرورت ہے یہ تو قابلِ فخر بات ہے کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کے غلام اور کنیز بن جانے کے بعد بھی ان کی انسانی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

کزن میرج (Cousin Marriage):

آج کل ایک نئی اصطلاح رائج ہو چکی ہے۔ 'لبرل مسلمان' اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایسا مسلمان شرعی حلال وحرام سے مبّرا ہو۔ مغربی معاشرے کے جائز وناجائز پر عمل کرے اور حلال وحرام شرعی کی پروا نہ کرے۔ جس کو مغرب پسند کرے اسے پسند کرے جسے مغرب ناپسند کرے اُسے وہ بھی ناپسند کرے تو وہ مسلمان بھی رہے اور لبرل بھی کہلائے۔ یہ لبرل مسلمان آئے دن کزن میرج یعنی خالہ زاد، پھوپھی زاد، چچازاد، ماموں زاد کے ساتھ شادی کے خلاف دلائل دیتے رہتے ہیں اور ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں کہ ان شادیوں کے نتیجے میں نسلوں میں بیماریاں چلتی رہتی ہیں۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ یہودیوں کے دین میں اور عیسائیوں کے ہاں بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ اُن کے ہاں چونکہ اس کی اجازت نہیں وہ کر نہیں سکتے۔ اسلام میں اس کی اجازت ہے اس لیے وہ اسلامی قاعدے کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

پاکستان بننے سے پہلے ان علاقوں میں ہندو سکھ رہتے تھے اُن کا اصول یہ تھا کہ جہاں کہیں دور کی بھی

رشتہ داری ہوتی وہاں رشتہ نہیں کرتے تھے۔ اُن کے بچوں کی شادیاں بہت دور دراز علاقوں اور مختلف خاندانوں میں کی جاتی تھیں تو پھر یہ بیماریاں جنہیں اب موروثی کہتے ہیں وہ اُن کی اولاد میں کیوں ہوتی تھیں؟ اس کا جواب اس لبرل سوسائٹی کے پاس نہیں ہے۔

دراصل جو چیز شریعت نے حلال کی ہے وہ کبھی انسانی صحت کے لیے مضر نہیں ہوتی نہ ہوسکتی ہے۔ جتنی غذائیں شرعاً جائز ہیں اُن کے کھانے کا نقصان نہیں ہوتا۔ اور جو چیز شرعاً حرام ہے اس کے استعمال میں کبھی شفا نہیں ہوتی۔ مختلف دواؤں وغیرہ میں بعض لوگ شراب ڈالنا مفید گردانتے ہیں۔ اللہ نے شراب یعنی نشہ آور مشروب حرام قرار دیے ہیں اگر یہ کسی بیماری کے لیے مفید ہوتی تو حرام کیوں ہوتی۔ اللہ خالقِ کُل ہے اس نے مفید چیزوں کو حلال اور نقصان دہ کو حرام قرار دے دیا ہے۔

ہمارے ایک ساتھی ڈھلوال کے تھے، ڈاکٹر تھے اور برطانیہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے ریسرچ کر کے ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں خنزیر کے گوشت کے استعمال سے جو بیماریاں اور خرابیاں اور جلدی امراض وغیرہ پیدا ہوتے ہیں ان پر تحقیق کا نچوڑ پیش کیا۔ یہ کتاب جب متعلقہ منسٹری یعنی وزارت کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا کہ تم یہ کتاب نہیں چھاپ سکتے۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں خط لکھا کہ یہ میری میڈیکل تحقیق کا نچوڑ ہے۔ آپ میرے کام میں نشاندہی کریں کہ اس میں کہاں غلطی ہے جس کی بناء پر یہ کتاب شائع ہونے کے قابل نہیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ آپ کی تحقیق صحیح ہے لیکن یہ کتاب چھپ گئی تو لوگ خنزیر کھانا چھوڑ دیں گے۔ یہ ہماری سرکاری مجبوری ہے۔ ہم آپ کی کتاب کو چھاپنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کے ہر شرعی حکم میں انسان کا فائدہ ہے۔ ہاں! بعض حلال چیزیں کبھی کبھار کسی کو موافق نہیں آتیں۔ کسی کو شہد مفید نہیں ہوتا، کسی کو دودھ مفید نہیں ہوتا حالانکہ یہ دونوں اصل میں مفید ہیں۔ حلال ہیں، تو یہ انفرادی معاملہ ہے اس کا اطلاق کل پر نہیں ہوتا۔ اجتماعی طور پر تمام حلال اشیا مفید ہیں۔ بعض انسانی مزاج ایسے ہوتے ہیں جنہیں موافق نہیں ہوتیں تو حکماء انہیں اس کا نعم البدل بتا دیتے ہیں۔

اسی طرح جو رشتے اللہ نے حلال کیے ہیں اُن سے بیماری کو نہ جوڑا جائے۔ بیمار کسی کو بھی ہوسکتی ہے۔ جو رشتے اللہ نے حرام کیے ہیں ان کے نتیجے میں، اخلاقی، روحانی اور جسمانی سب بیماریاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ مغربی معاشرے میں بدکاری عام ہے تو اس عہد کی لاعلاج بیماریاں بھی لواطت سے شروع ہوئیں۔ مغرب کے ایسے لوگ خود ڈوب رہے ہیں تو ان کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں نہ سلامتی کا راستہ اختیار کیا جائے، کیوں نہ دینِ حق پر

عمل کیا جائے اور دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کو تھاما جائے کہ اللہ کی ساری رحمت کا ایک ہی دروازہ ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم!

ارشاد ہوتا ہے: وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ۔۔۔اور آپ کی چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی۔۔۔

قرآن حکیم نے ایک ایک رشتہ کا نام لے کر چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد کے ہاں رشتہ کرنا جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ اس وقت چونکہ ہجرت ہو رہی تھی تو فرمایا، اُن سے حلال ہے جو ہجرت کر کے آ گئی ہیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی وہ جب تک ہجرت نہ کریں حلال نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو رشتے اللہ نے حلال کیے ہیں وہ حلال ہیں اور جو حرام کیے ہیں وہ حرام ہے۔ حلال مفید ہے اور حرام نقصان دہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خاص رعایت:

ارشاد ہوتا ہے: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔اور وہ ایمان والی عورت (بھی) جو بلاعوض اپنے آپ کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں۔ یہ سب احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خاص ہیں تمام ایمان والوں کے لیے نہیں۔

کوئی مومن عورت اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے وقف کر دے یعنی اپنا حق مہر بھی چھوڑ دے۔ بغیر مہر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجیت میں آنا چاہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بھی چاہیں تو قبول کر سکتے ہیں۔ یہ اجازت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پسند نہ فرمائیں تو کسی خاتون کے لیے یہ ممکن نہیں یہ بھی صرف عہد نبوی کے لیے خاص تھا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اس آب وگل میں جلوہ افروز تھے۔ یہ اور بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا کوئی نکاح فرمایا نہیں اور یہ خصوصیت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہے۔ تمام ایمان والوں کے لیے یہ رعایت نہیں ہے۔

فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ ہم کو معلوم ہے جو (احکام) ہم نے ان کی بیبیوں اور

لونڈیوں کے بارے میں ان پر مقرر کر دیے ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو۔ اور اللہ تو بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

عامۃ المسلمین کے لیے اجازت ہے کہ ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتے ہیں۔ تعدد ازواج میں مومنوں کے لیے چار کی حد ہے۔ اس چار کی حد میں بھی یہ قید ہے کہ اگر چاروں میں برابر عدل کر سکو تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ایک ہی کافی ہے۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ سب کے لباس کا، رہائش کا، سہولیات کا معیار ایک جیسا ہو البتہ دلی رغبت انسانی دل کا معاملہ ہے اس پر انسان کا کنٹرول نہیں۔ اس پر بحث نہیں کی گئی۔ جو معاملات بندے کے اختیار میں ہیں انہی میں عدل کا حکم ہے۔ خرچ دینا، عزت و وقار سے رکھنا، وقت باری باری دینا ان امور میں سب کے ساتھ برابر ہو کسی کو امتیاز نہ ہو تب ایک سے زائد نکاح کی اجازت ہے۔ یہ شرط تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی اختیار ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند پر ہے کہ آپ جن زوجہ محترمہ کے پاس جتنا رہنا چاہیں رہیں۔ برابری کی شرط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ اللہ تو بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ بندہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرے کہ ازواج کے، کنیز اور غلام کے حق ادا کرے۔ ان میں جو کمی ہو جاتی ہے، غلطی اور خطا ہو جاتی ہے تو اللہ کریم مہربان ہیں۔ عمداً نہ کرے ارادے سے نہ کرے خطا ہو جائے تو اسے اللہ معاف کرنے والے ہیں۔

اب رہی درِ اقدس، خانۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تو فرمایا: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۔۔۔ ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے نزدیک رکھیں اور جن کو دور کر رکھا تھا اُن میں سے پھر کسی کو طلب فرمائیں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

مقامِ ادب:

بڑی لطیف، بڑی نازک سی بات ہے۔ اللہ کرے میں سمجھا سکوں اور اللہ کرے آپ سمجھ سکیں۔ عامۃ المسلمین میں، میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ جو حقوق میاں کے ہیں وہ بیوی کے فرائض ہیں۔ بیوی اگر خاوند سے پیار کرتی ہے، محبت سے پیش آتی ہے، اس کی دیکھ بھال کرتی ہے، اس کی

خدمت کرتی ہے تو یہ وہ خاوند پر احسان نہیں کر رہی یہ خاوند کا حق ہے۔ خاوند اگر بیوی کو اچھا کھلاتا پلاتا، اچھا لباس پہناتا، سہولتیں بہم پہنچاتا، عزت کرتا ہے تو یہ وہ اپنی بیوی پر احسان نہیں کر رہا یہ اس کا حق ہے۔ اگر ان حقوق کو ادا کرنے میں کمی ہوجائے تو بیوی شکایت کرسکتی ہے کہ اسے اس کی ضروریات کے مطابق نہیں ملا۔ خاوند کے حقوق پورے نہ ہوں تو وہ بھی شکایت کرسکتا ہے کہ میں کام سے آتا ہوں تو کوئی کھانا نہیں ملتا، کوئی میرے ہاتھ پاؤں نہیں دھلواتا، میرے کپڑے نہیں دیتا، میری صحت کا خیال نہیں رکھتا، بیماری میں پوچھتی نہیں جب ایسے واقعات ہوتے ہیں تو شکایات پیدا ہوتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے درِ اقدس کی بات آئی تو اللہ کریم نے فرمایا کہ میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی ازواجِ مطہراتؓ کے عام خواتین کی طرح کے حقوق نہیں، اُن کا ایسا کوئی حق نہیں۔ اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کسی زوجہء محترمہ کو عطا فرمائیں گے تو وہ اسے اپنا حق نہیں سمجھیں گی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا احسان سمجھیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم عطا نہیں کریں گے تو وہؓ شکایت نہیں کریں گی۔ ازواجِ مطہراتؓ کی یہی عظمت کافی ہے کہ وہ میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہمسفر ہیں۔ اس کے بعد مزید کوئی حق نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عطا ہے جسے چاہیں جو دیں وہ مشکور وممنون ہوں کہ انہیں عطا ہوا ہے اس بات میں اللہ کا کتنا کرم سمویا ہوا ہے۔ اس بات میں یہ نزاکت پنہاں ہے کہ اگر عام خواتین کی طرح کے حقوق ازواجِ مطہراتؓ کے بھی ہوتے اور کسی کو حق میں کمی ہوجاتی تو شکایت پیدا ہوتی۔ دل میں جب شکایت پیدا ہوجائے تو وہ شکایت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے حصولِ برکات میں مانع ہوجائے گی۔ تعلق مجروح ہوگا تو برکات وصول کرنے کی قوت بھی مجروح ہوگی۔ فیض آنا رک جائے گا۔ اللہ کریم نے ازواجِ مطہراتؓ پر احسان کیا کہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پسند پر چھوڑ دیا کہ جسے چاہیں دور رکھیں جسے چاہیں ساتھ رکھیں۔ اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے آخر دم تک باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ ہر گھر میں برابر حصّے سے تشریف لے جاتے تھے۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صوابدید پر تھا کوئی مجبوری نہیں تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ کریمی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب بہت بیمار تھے۔ اس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوا اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ازواج مطہراتؓ کی رضامندی سے حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمایا اور وہیں وصال ہوا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق عالیہ تھے لیکن اللہ کریم کی طرف سے یہ پابندی نہیں تھی۔ اس رعایت کا فائدہ خود ازواج مطہراتؓ کے لیے تھا کہ وہ اپنے اس اعلیٰ وارفع مقام پر خوش وخرم رہیں یہی مرتبہ کافی ہے کہ کاشانہء نبوت پر ہیں۔ انؓ سب سے اُمید کی جاتی ہے کہ جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظرِ شفقت فرمائیں تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان سمجھیں، اپنا حق نہیں۔ اور کسی بات پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رنجیدہ خاطر ہوگا تو اس کی برکات رک جائیں گی۔ اسی لیے اللہ کریم نے یہ اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تا کہ اُن ؓ کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿51﴾ اور اللہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتے ہیں اور اللہ جاننے والے بردبار ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہی ہر بات کو جاننے والے ہیں۔ یہ اُن کا حلم ہے، بردباری ہے، اُن کا کرم ہے کہ درگزر فرماتے ہیں اور بات بات پر گرفت نہیں کرتے ورنہ یہ طے ہے کہ کوئی بات اللہ کی بارگاہ سے چھپی ہوئی نہیں، یاد رہے! ایمان کا رشتہ دل کی کیفیت ہے۔ زبانی کوئی کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کا کہنا قبول کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اسے مسلمان کے سارے حقوق حاصل ہوں گے لیکن اللہ کی بارگاہ میں تب ہی مومن ہوگا جب اس کا دل بھی قبول کرے گا۔ جب دل قبول کرتا ہے تو اللہ کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اس پر اعتراض نہیں کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سننے اور اطاعت کرنے کا تعلق بن جاتا ہے۔ اپنی رائے دینے کی گنجائش نہیں رہتی۔

دورِ حاضر میں عذابوں کا سبب ہمارا کردار:

ہمارا آج کردار یہ ہے کہ ہم دین پر اس طرح تنقید کرتے ہیں گویا ہم رائے دے رہے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا (معاذ اللہ) وہ مناسب نہیں تھا۔ اسے ایسا ہونا چاہیے۔ بظاہر تو اسے بڑی دانشوری شمار کیا جاتا ہے اور اس پر بڑی بحث ہوتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ جب کسی کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوتا ہے تو اس کا ایمان کا رشتہ دل کا ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کیفیات و برکات جو وجودِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آتی ہیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ جب یہ رشتہ ٹوٹتا ہے اور جس دل کا ٹوٹتا ہے اس میں یہ استعداد بھی نہیں رہتی کہ وہ اللہ سے تعلق رکھ سکے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ایمان سے بھی جاتا رہتا ہے۔

تصوف کا قاعدہ:

تصوف چونکہ برکات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل کرنے کا شعبہ ہے۔ سندِ حدیث کی طرح یہاں بھی سلسلۂ تصوف میں ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ نے اپنے سے پہلوں سے حاصل کیا انہوں نے اپنے سے پہلوں سے حتیٰ کہ یہ سلسلہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑتا ہے مشائخ نے یہ نعمتِ باطنی سینہ بہ سینہ آگے پہنچائی ہوتی

ہے تو جوان برکات کا امین ہے، جس کے کہنے سے، جس کے قلب سے یہ برکات وصول کرنی ہیں اس پر اعتراض بھی مانع فیض ہے۔

اللہ کا احسان ہے مجھے فنِ تصوف میں چھپن (56) سال ہو گئے۔ میں نے دیکھا ہے، شیخ کے متعلق کسی کے ذہن میں ذرا سا اعتراض آ گیا پھر اس بندے کو بچتے کم ہی دیکھا ہے۔ وہ اس شعبے میں نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اعتراض آتا ہے تو فیض کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب وہ رشتہ ہی ٹوٹ گیا تو وہ بندہ جماعت میں کیوں رہے گا؟ وہ رسی جس نے اسے باندھ رکھا تھا وہ تعلق جس نے اسے روک رکھا تھا، وہ چیز جو اسے ساتھ چمٹائے رکھتی تھی وہ ختم ہو گئی تو وہ کیوں رہے گا؟ ہم نے بڑے بڑوں کو جاتے دیکھا ہے۔ (اللہ پناہ دے)

آج تو کردار یہ ہے کہ لوگوں نے آسان سمجھا ہوا ہے کہ بات بات پر اعتراض ہوتے ہیں، اسلام پر، اسلامی قواعد پر، اسلامی قوانین پر۔ چند دن پہلے عدالتِ عظمیٰ میں سود کے جواز پر بحث ہو رہی تھی اور حکومت کے نمائندہ سرکاری وکیل سود کو قائم رکھنے کے لیے دلیل دے رہے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے جب ساری دنیا سودی نظام پر چل رہی ہے تو ہم اپنے ملک میں سودی نظام ختم کر دیں۔ اس طرح تو ہم دنیا سے کٹ کر رہ جائیں! سارے دلائل کی بنیاد یہی تھی کہ ہم دنیا سے الگ نہیں رہ سکتے۔

حق یہ ہے کہ اسلام اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ دنیا میں سودی نظام آج سے تو نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے سارا سودی نظام تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو مکہ میں گھر گھر سود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کوئی سمجھوتہ نہیں فرمایا۔ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست بنی تو یہودیوں کا سارا کاروبار سودی تھا۔ تمام غیر مسلموں کا سارا معاشی نظام سودی تھا۔ کیا اس نئی ریاست کی بنیاد سودی نظام پر رکھی گئی؟ ساری دنیا میں سود رائج تھا۔ اسلام نے آکر اسے ایسے مٹایا کہ جہاں تک اسلام گیا سود کو مٹاتا چلا گیا۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا ہے۔ دنیا کے ساتھ نہیں۔ جہاں دنیا اللہ کی اطاعت میں ہمارا ساتھ دے، بہت اچھا۔ جہاں نہ دے وہاں اس کا راستہ اپنا، ہمارا اپنا۔ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے اندر رہنا ہے۔ اسلام میں یہ کوئی دلیل نہیں کہ سارے سود کھا رہے ہیں ہم کیسے نہ کھائیں۔ دیکھیں سارا غیر مسلم معاشرہ، پورا مغرب خنزیر کھاتا ہے تو پھر وہ بھی کھائیں۔ آج کے مسلمان کے کردار نے یہ دن بھی دکھائے ہیں کہ چوری چوری مسلمانوں کو خنزیر، کتے، گدھے کھلائے جا رہے ہیں۔ یہ اللہ سے دوری کا نتیجہ ہے۔ یہ سزا ہے حلال کمائی کو چھوڑ کر سود کھانا پسند کرتے ہو، حرام سے تمہیں رغبت ہے تو پھر سزا یہ ہے کہ خنزیر کھاؤ، گدھے کھاؤ۔ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ کیا یہ عجیب

بات نہیں کہ جو کھلا رہے ہیں وہ بھی مسلمان ہیں اور جو کھا رہے ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ لوگ رشوت اور سود کا پیسہ جیب میں رکھ کر، حرام جیب میں رکھ کر حلال گوشت کھاتے جاتے ہیں، جب سود کا پیسہ ہے تو اس سے حرام کھاؤ یا حلال کیا فرق پڑتا ہے۔

اس طوفان میں بھی جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور حرام کمائی نہیں کرتے۔ حرام نہیں کھاتے اللہ انہیں حرام سے بچاتے ہیں۔ اس طوفان میں بھی وہ پرسکون اور مطمئن ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے دین اسلام کو عملاً اپنا رکھا ہے۔

اللہ کا فرمان حق ہے کہ اللہ دلوں کی باتیں جانتے ہیں۔ جب ظاہرداری میں مسلمان رہو گے دل میں کفر ہوگا تو پھر حالات بھی وہ پیش آئیں گے جو کافروں کو پیش آتے ہیں۔ دل میں نورِ اسلام ہوگا تو وہی نعمتیں ملیں گی جو مسلمان کا حق ہے۔

ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہن) کی شان:

جب ازواجِ مطہراتؓ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہمیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہنا منظور ہے۔ جس حال میں بھی اللہ رکھے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گی، دنیا کی کسی نعمت کی کوئی وقعت نہیں کہ اسے رفاقتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر حاصل کیا جائے۔ ہم تو قیامت تک یہ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ کسی طور ہم کاشانہءِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دور ہوں۔

یہاں اس کا جواب اللہ کریم کی طرف سے دیا جا رہا ہے کہ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ (درست ہے) کہ آپ (موجودہ بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں اور اگرچہ آپ کو اُن کا حسن بھلا بھی لگے ہاں مگر جو آپ کی مملوکہ ہیں (ان میں حرج نہیں) اور اللہ ہر چیز (کی حقیقت) پر پورے نگران ہیں۔

یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ جب فتوحات ہوئیں اور مالِ غنیمت سے صحابہ کرامؓ کے گھروں میں فراخی آگئی تو ازواجِ مطہراتؓ نے بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ درِ اقدس پر دو دو ماہ کھانا نہیں پکتا۔ ہمیں بھی مالِ غنیمت سے اتنا تو دیا جائے کہ کچھ فراخی آجائے۔ اللہ کریم نے حکم نازل فرما دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم!) انؓ سے فرما دیجیے کہ اگر انہیں مال و متاع دینا چاہیے تو جتنا چاہیں متاعِ دنیا لے لیں لیکن کاشانہءِ نبوت سے رخصت ہونا ہوگا اور اگر رفاقتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متمنی ہیں تو جس حال میں اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکھے ویسے ہی رہنا

ہوگا۔ازواج مطہراتؓ نے عرض کی کہ ہمیں کوئی نعمت نہیں چاہیے ہمیں کاشانہء نبوت چاہیے۔

اس پر اللہ کریم نے ازواج مطہراتؓ کو یہ اعزاز بخشا۔ یہ ہے اس کی عطا! انہیںؓ یہ اعزاز ان کے انتخاب پر بخشا۔اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یہ جو ازواج مطہراتؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِاقدس پر ہیں۔ان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شادی نہیں کریں گے۔انہوں نے دنیا کی ساری نعمتیں چھوڑ کر کاشانہء نبوت کو پسند کیا ہے تو اب کوئی اور خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال نہیں نہ کسی زوجہء محترمہ کو آپ گھر سے الگ کر سکتے ہیں۔ یہ انؓ کا حق ہے کہ وہ کاشانہء نبوی پر ہمیشہ رہیں گی۔ان کے علاوہ یہ عظمت کسی کونصیب نہیں ہوگی۔ چونکہ انہوںؓ نے اپنی پسند سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں دنیا نہیں چاہیے ہمیں درِ مصطفیٰ چاہیے تو فرمایا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی بہت حسین ہو، آپ کو اس کا حسن بھلا لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں بھی تو ان کے علاوہ کسی سے نکاح نہیں کریں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے یہی ازواجِ مطہراتؓ ہیں۔ یہ ساری دولت انہیں پاک بیبیوںؓ کی ہے۔ہاں! کہیں فتح ہوئی کوئی خاتون کنیز بنی۔ اسے بھی کہیں بسانا ہوتا ہے تو ان کنیزوں کی آپ کو اجازت ہے۔

یادرکھیں! وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ اور اللہ ہر چیز کو (حقیقت) پر پورے نگران ہیں۔جاننا ایک بات ہے اور نگہبانی دوسری بات ہے۔ایک بندہ بات کو جانتا ہے۔دوسرا کسی کام پر نگران مقرر ہے۔وہ پوری باریکی سے دیکھے گا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے فرمایا، اللہ جانتے ہی نہیں اللہ ہر معاملے پر نگہبان ہیں۔وہ جانتے ہیں کون خلوصِ دل سے عمل کر رہا ہے یا دلی رغبت کے بغیر۔بندہ ظاہر کیا کر رہا ہے اس کے دل میں کیا ہے؟ بندہ کہتا کیا ہے اور کرتا کیا ہے؟ اللہ نگہبان ہے یعنی ہر ہر پہلو سے ہر بات کو ہر وقت جانتے ہیں۔

حد درجہ احتیاط کا مقام:

جن ہستیوں کو اللہ جل شانہٗ نے عظمت بخشی جو اُن کی توہین کرے گا اس کا انجام کیا ہوگا وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔جن جن چیزوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو ان کی توہین حرام ہے۔جن افراد کا تعلق ایمان کے سبب بنتا ہے ان کی توہین حرام ہے۔

ان سب کا تذکرہ بھی کرنا ہو تو ادب کا اعلیٰ درجہ ملحوظ رہے۔جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ۔صحابہ کرامؓ عام مسلمان نہیں ہیں۔وہ ہستیاں ہیں کہ جن کو اسلام کو عمل میں لانے کے لیے اللہ نے متعین فرمایا۔اسلام کے احکام تھے کہ ایسا ہونا چاہیے۔عملاً انسانی زندگی میں کس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں اس پر عمل کر کے دکھایا؟ وہ

صحابہ کرامؓ ہیں۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کا دامن تھام لوگے ہدایت پا جاؤ گے۔ستارے راہنمائی کرتے ہیں۔تم راہ کے متلاشی ہو۔میرے صحابہؓ آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں جس کا دامن تھام لوگے ہدایت پالو گے۔

اب جو صحابہؓ پر اعتراض کرے گا جو ازواج مطہراتؓ کی توہین کا مرتکب ہوگا وہ کیسے مسلمان رہے گا۔ ایمان کی عمارت تو قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وصول ہونے والی برکات پر کھڑی ہے۔جب گستاخی کی گئی تو برکات نبوت سے رشتہ منقطع ہوگیا۔ انہی پر تو ایمان کی عمارت کھڑی تھی۔جب نیچے سے وہ زمین ہی کھسک گئی تو عمارت کہاں قائم رہے گی لہٰذا بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہر چیز، ہر فرد کے بارے زبان کھولتے ہوئے احتیاط کریں۔یاد رکھیں کہ اس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ازواج مطہراتؓ کی عظمت کا ذکر گزرا،صحابہ کرامؓ کے مثالی ایمان کی سند اللہ نے قرآن میں دی لہٰذا یہ مقامِ ادب ہے۔خاندانِ نبوت، کاشانہءنبوت، ازواج مطہراتؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مطہرہؓ، صحابہ کرامؓ یہ سب ہدایت کے ذرائع ہیں اور واسطہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات لینے کا۔یہ بہت نازک مقام ہے یہاں احتیاط لازم ہے۔بات کرتے ہوئے اور سوچتے ہوئے بھی ادب لازم ہے۔

سورۃ الاحزاب رکوع 7 آیات 53 تا 58

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا
وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔـلُوْهُنَّ
مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ
تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿53﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَـيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمًا ﴿54﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ
اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ
وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿55﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ
يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا
اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿58﴾

اے ایمان والو! پیغمبر کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے (اور) اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے ولیکن جب تمہاری

دعوت کی جائے تو جاؤ پھر جب کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو بے شک یہ بات پیغمبر کو ناگوار گزرتی ہے پھر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے اور جب تم ان (پیغمبر کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات (ہمیشہ کے لیے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو شایان نہیں کہ اللہ کے پیغمبر کو ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی بھی ان کے بعد نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ کا) کام ہے ﴿۵۳﴾ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ تو بے شک اللہ ہر شے کو جاننے والے ہیں ﴿۵۴﴾ ان (پیغمبر کی بیبیوں) پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں کے بارے میں اور نہ اپنے بیٹوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھتیجوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھانجوں کے بارے میں اور نہ اپنی عورتوں اور نہ اپنی کنیزوں کے بارے میں اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہیں ﴿۵۵﴾ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبر پر اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو ﴿۵۶﴾ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ (گناہ) کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو یقیناً انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھا ﴿۵۸﴾

تفسیر ومعارف

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ۔۔۔اے ایمان والو! پیغمبر کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی

جائے (اور) اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے ولیکن جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ پھر جب کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔۔۔

انبیاؑ سے اُمتی کا رشتہ، بے حد نازک:

اللہ جل شانہٗ کے انبیاؑ سے ہدایت پانے میں لوگوں کا تعلق اور رشتہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اُمت کو تمام برکات انبیاؑ اور قلوبِ انبیاؑ سے پہنچتی ہیں۔ اس کے لیے برکات حاصل کرنے والے کے قلب کو بھی حاضر اور متوجہ ہونا ضروری ہے۔ اس میں سب سے نازک بات یہ ہے کہ جسے برکات حاصل کرنی ہیں اس کی کوئی حرکت ایسی نہ ہو جس سے فیض دینے والے کے دل میں کوئی کدورت آجائے کیونکہ فیض دینے والی ہستی کے دل میں کدورت آئی تو فیض لینے والے کا فیض بند ہو جائے گا۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ دنیا میں اگر کسی نے محبت کی ہے تو صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے جس کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ ہر ایک کا دل چاہتا تھا کہ یہ محبوب ہستی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نگاہوں میں رہے۔ ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرے، ارشاداتِ عالیہ سنا کرے۔ صحابہ کرامؓ کی اس والہانہ محبت کے بہت واقعات ملتے ہیں۔ ایک صحابیؓ دن بھر اپنے کام کیا کرتے۔ عشاء کے لیے مسجد آتے لیکن جب گھر جانے کا وقت ہوتا تو گھر سے ایک بچہ آتا جو مسجد سے اُنؓ کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا تھا اور سحری کو پھر مسجد چھوڑنے آتا تھا۔ کسی نے پوچھ لیا کہ دن بھر تو آپ اکیلے ہی چلتے پھرتے ہیں۔ عشاء کے بعد ایسا کیا ہو جاتا ہے کہ بچہ ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جب دن ختم ہو تو میری آخری نگاہ جس ہستی پر پڑے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔ سحری میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے مسجد میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو میں آنکھ کھول دیتا ہوں اور میری پہلی نگاہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا دل چاہتا تھا کہ ہمہ وقت نگاہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کا طواف کرتی رہیں لیکن اللہ کریم نے فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ دولت پر مت جاؤ۔ خانۂ اقدس میں داخلے کی جرأت نہ کرو کیونکہ تم اگر وقت بے وقت گئے، بلا اجازت چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی تو تمہارا ایمان خطرے میں ہے، برکات خطرے میں ہیں۔ ہاں! اس وقت ضرور جاؤ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب کھانے کی دعوت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بلائیں تو عین کھانے کے وقت پہنچو اور کھانے کے بعد اٹھ کر گھروں کو چلے جاؤ۔ اس کی اجازت نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ جاؤ یا کھانے کے بعد بیٹھے رہو۔

نہ صرف یہ بلکہ بارگاہ رسالت میں بے تکلفی سے نہ بیٹھو نہ تکیہ لگا کر بیٹھو نہ اِدھر اُدھر دیکھو۔ مؤدب ہو کر، باادب ہو کر بیٹھو۔ اور جب کھانا کھا چکو تو فوراً گھروں کو چلے جاؤ۔ اس بات کے لیے نہ بیٹھے رہو کہ چلو تھوڑی دیر اور باتیں کریں گے، ارشادات سنیں گے، رخِ انور کی زیارت کریں گے۔ اس کی اجازت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت بلایا ہے، اس وقت جاؤ، جس کام کے لیے بلایا ہے جب اس سے فارغ ہو جاؤ فوراً اٹھ جاؤ۔ وقت سے پہلے آ کر بیٹھ رہنا، باتوں میں لگ جانا یا بعد میں بیٹھے رہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے حیا کرتے ہیں کہ تمہیں منع نہیں کرتے اس بات کا خود خیال رکھو کیونکہ جو بات طبع عالی پر ناگوار گزرے گی وہ تمہارے دل میں آنے والی برکات کو روک دے گی تمہیں نقصان ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں اپنی فطری نرمی طبع کے باعث منع نہیں کرتے لیکن اللہ کریم حق بیان کرنے میں کوئی تکلف نہیں کرتے: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ۔۔۔ بے شک یہ بات پیغمبر کو ناگوار گزرتی ہے پھر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتے۔

فرمایا، اللہ کریم کسی بات میں تکلف نہیں فرماتے، صحیح بات ارشاد فرما دیتے ہیں۔

کاشانۂ نبوت پر حاضر ہونے کے آداب:

فرمایا: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ۔۔۔ جب تم ان (پیغمبر کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات (ہمیشہ کے لیے) تمہارے دلوں اور اُن کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

اگر ازواجِ مطہراتؓ سے کوئی بات پوچھنی ہو، کوئی چیز مانگنی ہو تو روبرو جا کر بے تکلف ہو کر بات کرنے کی اجازت نہیں۔ پردے کے پیچھے سے اپنی گزارشات پیش کرو، یہ بات تمہارے دلوں کو پاک رکھنے کا اچھا ذریعہ ہے اور ازواجِ مطہراتؓ کے قلوب کی حفاظت کا سبب ہے۔

یہ سارے آداب یعنی بارگارہ رسالت میں حاضری کے انداز، بیٹھنے اور اٹھ جانے کا سلیقہ، ازواجِ مطہراتؓ سے پردے کے پیچھے سے، دھیمی آواز میں، نہایت ادب سے گزارشات پیش کرنے کا حکم، یہ سب کس لیے ہے؟ یہ تمہارے دلوں کو پاک وصاف رکھنے کے لیے ہے۔

ہر وہ بات اور ہر وہ کام حرام ہے۔۔۔

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے بارے اس کے کسی کام کی وجہ سے یا کسی بات کی وجہ سے قلبِ اطہر پر ناگواری آئے گی تو اس فرد کا بہت زیادہ نقصان ہوگا اس لیے کہ ہر وہ بات اور ہر وہ کام حرام ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے، ایذا پہنچے۔

یہ حکم ساری اُمت کے لیے عام ہے اور ہر ایمان والے کو، ہر دعویٔ ایمان رکھنے والے کے لیے اس کی پاسداری ازبس ضروری ہے۔

فرمایا: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔۔۔ اور تم کو شایاں نہیں کہ اللہ کے پیغمبر کو ایذا پہنچاؤ۔ فرمایا، تمہیں تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ تمہارا کوئی کام یا تمہاری کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرے۔

دیکھیں! کفار و مشرکین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی تکلیفیں دیں، طعنے دیے، نامِ مبارک تک کو بگاڑ کر پکارا، جو بن پڑا انہوں نے کیا لیکن اللہ کریم نے ایسی کوئی آیت نہیں اتاری جس میں انہیں کہا گیا ہو کہ ایسا نہ کرو ہاں! ان کے بارے میں ایسی بہت سی آیات آئیں کہ ان کا انجام جہنم ہوگا۔ یہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے، آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے۔

مومن کا چونکہ ذاتِ اقدس سے رشتہ ہی ایمان کا ہے۔ مومن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انوارات و برکات لینی ہیں تو جس طرح روشنی کے آگے ہاتھ کا کچھ حصّہ بھی آجائے تو سایہ سا آجاتا ہے اسی طرح چھوٹی سی بات ہو جائے تو ایک حد تک رکاوٹ آجاتی ہے۔ مومن سے اللہ کا تعلق رحمت و بخشش کا ہے، اُس کے کرم کا ہے۔ اللہ کریم نے مومنین پر احسان فرمایا کہ انہیں بارگاہِ رسالت میں حاضری کے آداب سکھا دیے۔ ازواجِ مطہرات سے عرض گزار ہونے کا سلیقہ سکھا دیا۔

یہاں چونکہ مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔ یہاں جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے خلاف کام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہماری طرح کے مسلمان نہیں تھے۔ ہم کلمہ بھی پڑھتے ہیں، بعض اوقات نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں، روزہ بھی رکھ لیتے ہیں لیکن جب ذاتی زندگی کی بات آتی ہے تو اسے ہم اپنی مرضی سے گزارنا چاہتے ہیں۔ اُن کی زندگیاں اُن کی ذاتی نہیں تھیں۔ وہ اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین تھیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی صحابیؓ دانستہ نافرمانی کرے۔ غیر شعوری طور پر، نہ سمجھتے ہوئے اگر کوئی ایسی بات ہو جائے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر ناگوار گزرے تو اللہ کریم نے اس کے بارے میں بتا دیا، سمجھا دیا۔

آدابِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم اور دورِ حاضر کے مسلمان:

اللہ کریم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب فرما کر کُل اُمت کو تاکید کر دی ہے کہ کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کہ اس کا کوئی قول وفعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچانے کا سبب بنے۔ ایمان کا اور ایذائے رسول کا کوئی جوڑ نہیں۔ کوئی ایسی بات زبان سے نکالنا جو ناگوارِ خاطر ہو یا کوئی ایسا عمل کرنا جو طبع مبارک پر گراں گزرے یہ سارا ایذائے رسول کے زمرے میں آتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے ساتھ ہی ازواج مطہراتؓ کا ذکرِ خیر ہے کہ اُنؓ کے ساتھ بھی آداب کا وہی معاملہ کرو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئے۔

ہم اپنی زندگی کو دیکھیں، اس کے انداز دیکھیں تو ہماری معیشت سودی ہے، لباس سے طور اطوار تک دوسری اقوام کی پیروی میں ہیں۔ ہماری سوچیں منفی ہیں۔ ہم اپنا نفع سوچنے کے بجائے دوسرے کا نقصان سوچتے رہتے ہیں یہ کیسی عجب مسلمانی ہے!

اللہ ہمیں ہدایت نصیب فرمائے۔ ایمان والوں کا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت نازک رشتہ ہے۔ ایمان کی حفاظت کا تقاضا ہے کہ کوئی کام ایسا ہو نہ کوئی ایسی سوچ ہی آئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اعزاز:

جو قدر و منزلت، جو آداب جو ضابطے اور قواعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم میں موجود ہونے پر ہیں ہمیشہ وہی آداب قائم رہیں گے۔ ان کی خلاف ورزی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی کوئی نہیں کرے گا۔

فرمایا: وَلَآ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ﴿۵۳﴾ اور نہ یہ کہ اُن کی بیویوں سے کبھی بھی، ان کے بعد نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ کا) کام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ عالی یہ ہے کہ جو خواتین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آگئیں وہ ہمیشہ کے لیے امہات المومنینؓ بن گئیں، اُن کی عظمت ہمیشہ کے لیے قائم ہوگئی۔ انہیں اللہ کریم نے یہ ارفع اور خصوصی مقام عطا فرمایا کہ وہ ساری اُمت کی ماں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں ہی رہیں گی لہٰذا کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ان سے نکاح کرے۔ ازواج مطہراتؓ عام خواتین کی طرح نہیں ہیں۔ آپؓ کے ہاں نہ عام خواتین کی طرح عدّت ہے نہ عام خواتین جیسے احکام۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی توہین کا مرتکب کافر ہے:

آج خود کو مسلمان بلکہ مومن کہلوانے والا ایک ایسا گروہ ہے جو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی توہین کرنا، گالیاں دینا، بہتان تراشی کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ یہ اُن کے خود ساختہ دین کا لازمہ ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اصحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی توہین کرتے ہیں، ان سب کو سوچنا چاہیے کہ یہ بارگاہ کتنی نازک ہے اور اس بارگاہ کے متعلقین کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کی نزاکت کیا ہے!

فرمایا: اِنۡ تُبۡدُوۡا شَیۡــًٔا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۵۴﴾ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ تو بے شک اللہ ہر شئے کو جاننے والے ہیں۔

تم ظاہر کرو یا چھپائے رکھو۔ تمہارے دل میں خلافِ ادب بات آ گئی اسے تم اب ظاہر نہ بھی کرو تو اللہ جانتے ہیں۔ نتیجہ تو اس پر مرتب ہوگا۔ یہ معاملہ ظاہر تک کا نہیں ہے۔ یہاں معاملہ دلی حالت کا ہے۔

یہ آیہء مبارکہ اگرچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان بیان کر رہی ہے۔ اُن کے لیے خصوصی احکام بیان ہو رہے ہیں لیکن اس میں عامۃ المسلمین کے لیے یہ اشارہ بھی ہے کہ بارگاہِ رسالت کے آداب ہر بات میں ملحوظ رکھنا مومن کے ایمان کی حفاظت کے لیے انتہائی ضروری امر ہے۔

اس بات کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے افکار اور اعمال کا آج محاسبہ کر لینا چاہیے۔ آج ہم سمجھ بیٹھے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اظہار میں ہم آزاد ہیں۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ہے اور پھر میلاد النبی کے حوالے سے جشن مناتے ہیں، اس میں اُدھم مچاتے ہیں، خرافات کرتے ہیں، تمام غیر شرعی رسومات کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ثواب ہو رہا ہے تو یہی بدعت ہے۔ اور بارگاہِ رسالت میں گستاخی ہے۔

بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ بارگاہ ہے جس کے آداب خود ذاتِ الٰہی نے سکھائے ہیں۔ یہ اتنی نازک بارگاہ ہے کہ یہاں محبت اور اظہارِ محبت بھی اُن قاعدوں ضابطوں کی پابند ہے جو بارگاہِ الوہیت نے ارشاد فرمائے ہیں، عام فرد جب محبت کرتا ہے تو محبت کرنے والا اپنی پسند سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ محبوب کے لیے جو چیز اچھی سمجھتا ہے، جو کام اچھا سمجھتا ہے وہ کرتا ہے لیکن بارگاہِ رسالت میں شرط ہے کہ محبت ایسے کی جائے جیسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔ عشق و محبت کے بیباک جذبات بھی بارگاہِ رسالت کے ادب کے پابند ہیں۔ یہاں بیباک محبت نہیں کی جا سکتی، یہاں یہ گستاخی شمار ہوگی۔

سکھایا جا رہا ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے معاملے میں اللہ کریم جو احکام ارشاد فرما رہے ہیں اُن کو نہ صرف

ظاہری طور پر مانا جائے بلکہ قلبی، دلی اور باطنی طور پر قبول کیا جائے کیونکہ اللہ کریم ہر شئے کو جاننے والے ہیں۔

پردہ یعنی حجاب:

فرمایا: لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِیْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ ان (پیغمبر کی بیبیوں) پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں کے بارے میں اور نہ اپنے بیٹوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھتیجوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھانجوں کے بارے میں اور نہ اپنی عورتوں اور نہ اپنی کنیزوں کے بارے میں اور اللہ سے ڈرتی رہو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔

عورتوں کے لیے حجاب کا حکم بارگاہِ رسالت سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہءاطہر سے، شروع ہوتا کہ پردہ کے حکم کی اہمیت واضح ہو جائے کہ جب یہ حکم دنیا کی پاکیزہ ترین بیبیوں، ازواجِ مطہراتؓ کو دیا جارہا ہے تو پھر کسی اور کے لیے پردہ نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ فرمایا، ہاں! جہاں باپ، بیٹا، بھائی، بہن، بھتیجے، بھانجے موجود ہوں یعنی ان کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ نامحرم نہ ہو تو خواتین کے لیے حجاب، پردہ نہیں ہے۔ اور اپنے جیسی خواتین سے بھی کوئی پردہ نہیں۔ پردہ دار عورت کا دوسری پردہ دار عورت سے کوئی پردہ نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پردہ دار عورت کا بے پردہ عورت سے بھی پردہ ہے۔ اور ان کی باندیاں جو اُن کے گھروں میں کام کرتی ہیں ان سے بھی کوئی پردہ نہیں۔ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۔۔۔ اور اللہ سے اس معاملے میں ڈرتی رہو۔ یہ تقویٰ کی بنیاد ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کریم سے ایسا تعلق کہ بات کرتے وقت، کام کرتے وقت دل میں احساس اجاگر رہے کہ مجھ سے کچھ ایسا نہ ہو جائے جس سے اللہ کریم ناراض ہوں۔ یہ تعلق تقویٰ کہلاتا ہے۔ بے پردگی تقویٰ کے خلاف ہے۔ یاد رکھو! تم اللہ سے چھپ کے کچھ نہیں کر سکتے! یقیناً اللہ کریم ہر چیز پر گواہ ہیں، خود دیکھ رہے ہیں، براہ راست ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

دلوں کی پاکیزگی کا نسخہ:

یہ احکام بڑے نازک ہیں، سوچوں اور نگاہوں تک بات چلی گئی ہے۔ حکم ہوا ہے کہ دل کی سوچوں کو پاک رکھیں، نگاہوں کو پاک رکھیں تو فرمایا ایک ایسا کام ہے جو اللہ کی بارگاہ سے ہمیشہ سے ہو رہا ہے، ہمیشہ ہوتا رہے گا اور وہ ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتوں کا برکتوں کا نزول۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ۔۔۔ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا کیا ہے؟ اللہ جل شانہٗ کا درود یہ ہے کہ اللہ مسلسل رحمتیں نازل فرمارہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا مطلب ہے جو کام مسلسل کیا جائے، جس میں انقطاع نہ آئے، رکے نہیں، کمی نہ آئے، مسلسل ہوتا رہے۔ فرمایا، اللہ کی بارگاہ سے اس کی رحمت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل نازل ہورہی ہے۔

اللہ کے فرشتوں کا درود یہ ہے کہ مقربینِ بارگاہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾ اے ایمان والو! تم بھی اُن پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو۔

مومنو! تمہیں حکم یہ ہے کہ تم اس میں شامل ہوجاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو یعنی نزولِ رحمت کی مسلسل دعا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھی بھیجو: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَلَّمَ عَلَیْكَ وَ عَلٰی اٰلِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ۔ صلوٰۃ سلام پڑھو، ہر آن پڑھو۔ جتنا ہوسکے درود پڑھو لیکن آداب ملحوظ رکھو۔ ہمارے ہاں اس بات پر بڑا جھگڑا ہوتا ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا جائے یا نہ پڑھا جائے۔ بھائی ضرور پڑھو لیکن اس کے بھی انداز ہیں۔ درود پڑھنے کا بھی ایک قرینہ ہے اس کے بھی آداب ہیں۔

جس خوش نصیب کو روضہء اطہر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری نصیب ہوتی ہے وہاں تو یہ درود وسلام پڑھنا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سماعت فرماتے ہیں، خود جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر کوئی دور سے پڑھتا ہے: الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ ۔ تو اُسے یہ اُمید ہونی چاہیے کہ میرا پروردگار میرا صلوٰۃ وسلام بارگاہِ رسالت میں پہنچا دیتا ہے۔ اللہ نے ایسے فرشتے مقرر کردیے ہیں جن کا کام ہی یہی ہے کہ جہاں کوئی درود پڑھے وہ وہاں سے لے کر بارگاہِ رسالت میں پیش کریں۔

مسنون درود شریف کی برکات بے مثل ہیں:

حدیث شریف میں بہت سے درود شریف ایسے وارد ہیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں سے کوئی سا بھی پڑھیں۔ مسنون درودوں میں درودِ ابراھیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ بہت بہتر، بہت اچھا ہے تبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز کا حصہ بنایا۔

دوسرے بہت سے درود ملتے ہیں جو لوگوں نے عقیدت میں آکر نعتیہ طور پر لکھے ہیں۔ ٹھیک ہوں گے، اچھے ہوں گے لیکن اُن کا مقابلہ تو نہیں کرسکتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائے کہ یہ پڑھا کرو۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ کوئی بھی دعا جو بارگاہ الوہیت میں کی جائے اس سے پہلے بھی درود پڑھو، اس کے آخر میں بھی درود شریف پڑھو کیونکہ درود وہ دعا ہے جو ہمیشہ قبول ہوتی ہے، تو اللہ کے کرم سے اُمید ہے کہ درود شریف جو اوّل پڑھا گیا وہ بھی قبول فرمائیں گے اور آخر میں پڑھا گیا درود بھی قبول فرمائیں گے تو درمیان میں جو دعا ہے اللہ کریم اُسے بھی قبول فرمائیں گے۔ یہ اللہ کی شان سے بعید ہے کہ شروع کی بات بھی مان لیں آخر کی بھی اور درمیان میں بندے کی درخواست چھوڑ دیں۔ قبولیتِ دعا کا یہ ایک مجرب نسخہ ہے۔

ہمارا درود پڑھنا ہمارے لیے حصولِ برکات کا سبب ہے۔ ہم دعا مانگتے ہیں کہ اس کی برکات ہی سے ہمیں بھی حصہ مل جائے۔ ہمارا دل بھی صاف ہو جائے۔ ہمارے قلب کی بھی صفائی ہو جائے۔ اس میں روشنی آ جائے۔ چونکہ پیچھے بات قلب کی اور اس کے جذبات کی اور آدابِ محفل کی چل رہی تھی تو فرمایا اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ کثرت سے درود پڑھتے رہو تاکہ وہ برکات تمہارے دل میں آئیں، اسے صاف کریں اور اسے آدابِ نبوت سے آگاہی ہو۔ اسے توفیق ہو کہ بارگاہ رسالت کے آداب کو اپنائے، درود شریف کا پڑھنا دل میں وہ نزاکتیں دے گا جو بارگاہ رسالت کے آداب بجا لانے کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ان کی پروا نہ کی جائے اور اپنی پسند سے الفاظ چنے جائیں اور اپنی مرضی کی بات کی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف کیا جائے تو یہ مخالفت اور عدم اطاعت ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بن جاتی ہے۔ عدمِ اطاعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر دکھ آتا ہے۔

ایذائے رسول کا نتیجہ، رحمت سے محرومی:

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تو وراء الوراء ہے، بندہ اللہ کو کیا ایذا دے سکتا ہے۔ فرمایا، جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں گویا انہوں نے اللہ کو ایذا دی۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچایا اس نے اللہ کو رنج پہنچایا۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ لعنت کا معنی ہے رحمتِ الٰہی سے محروم ہو جانا۔ ایسے لوگوں کے لیے رحمت کے دروازے بند کر کے عذاب کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ آخرت میں ان کے لیے بڑے ذلت آمیز عذاب تیار ہیں۔ عذاب تو ویسے ہی عذاب ہے پھر اس میں ذلت بھی شامل ہو گئی تو اللہ ہی جانے کس کس طرح یہ رسوا ہوں گے اور کس کس رسوا کن عذاب کو بھگتیں گے۔ اللہ پناہ دے، معاف کرے۔

بہتان کی سزا غیبت سے شدید تر ہے:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ (گناہ) کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو یقیناً انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھا۔

جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا دیتے ہیں اُن پر بہتان تراشی کر کے۔ جو گناہ انہوں نے نہیں کیا اُن کے ذمہ لگا کر اُن کے خلاف جھوٹی باتیں گھڑ کے کرتے ہیں تو یہ بہتان ہے اور بہتان کی سزا بہت سخت ہے۔ غیبت یہ ہے کہ کسی سے کوئی غلطی ہوگئی اور دوسرے اس کے پیٹھ پیچھے اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تو یہ غیبت ہے۔ غیبت کی سزا بھی بڑی سخت ہے لیکن اگر اس نے وہ غلطی کی ہی نہیں اور آپ سنی سنائی بات آگے کہے جا رہے ہیں تو یہ بہتان ہے اور بہتان کی سزا غیبت سے بھی زیادہ ہے۔

مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی بھی ایک حرمت ہے۔ اُن کی بھی آبرو ہے، عزت ہے، اللہ کے نزدیک ان کا بھی مقام ہے تو بلاوجہ ان کی شکایتیں اور ان کے خلاف باتوں کا طومار نہ باندھا جائے۔ اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کر لیں تو ہمارے گھروں کے نوّے فیصد جھگڑے ختم ہو جائیں۔ جھگڑا ہوتا ہی اس بات پر ہے کہ فلاں نے میرے خلاف فلاں جگہ یہ بات کہی۔ فلاں نے بتایا کہ وہ یہ کہہ رہا تھا۔

غیبت کے قواعد وضوابط میں یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کے جرم کا تذکرہ کرنا جو اس نے کیا ہے وہ غیبت ہے۔ اگر آپ اس کی یہ برائی کسی ادارے کو بتائیں جو اس کی اصلاح کر سکتا ہے، پولیس کو رپورٹ کریں، عدالت کو بتائیں تو یہ جائز ہے۔ آپ کا نقصان ہوا ہے آپ حاکم کے پاس جائیں، عدالت میں جائیں تو یہ جائز ہے لیکن مجلس میں بیٹھ کر اس پر گپ نہیں لگا سکتے اور اگر اس نے جرم کیا ہی نہیں تو پھر یہ بہتان ہے۔ اور یہ صریح گناہ ہے۔

سورۃ الاحزاب رکوع 8 آیات 59 تا 68

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ
فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ
النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ
اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ
مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾

اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور ایمان والوں کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ
(باہر نکلیں تو) اپنے (مونہوں) پر اپنی تھوڑی سی چادریں لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا
کریں قریب تر ہے کہ یہ امر ان کی پہچان کا باعث ہو گا تاکہ ان کو کوئی ایذا نہ دی
جائے اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۵۹﴾ اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں

بیماری ہے اور جو مدینہ (منورہ) میں (بری بری) خبریں اڑایا کرتے ہیں باز نہ آئے
تو ہم ضرور آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر یہ آپ کے پڑوس میں کم ہی رہ پائیں
گے ﴿۶۰﴾ (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے، پکڑے گئے اور
بے دریغ قتل کر دیے گیے ﴿۶۱﴾ اللہ نے ان لوگوں میں بھی یہی دستور رکھا ہے جو
پہلے ہو گزرے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی ہرگز نہ پائیں
گے ﴿۶۲﴾ لوگ آپ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں (کہ کب آئے گی؟)
فرما دیجیے کہ یقیناً اس کا علم میرے اللہ کے پاس ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید
قیامت قریب ہی آ گئی ہو ﴿۶۳﴾ بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور
ان کے لیے (جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے ﴿۶۴﴾ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ
کسی کو دوست پائیں گے اور نہ مددگار ﴿۶۵﴾ جس دن ان کے چہرے دوزخ
میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے (تو) کہیں گے اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت
کی ہوتی اور پیغمبر کی اطاعت کی ہوتی اور پیغمبر کی اطاعت کی ہوتی ﴿۶۶﴾ اور وہ
کہیں گے اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی
اطاعت کی سو انہوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کیا تھا ﴿۶۷﴾ اے ہمارے
پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دیجیے اور ان پر بڑی لعنت کیجیے ﴿۶۸﴾

تفسیر و معارف

شرعی پردہ:

فرمایا: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ ۔۔۔اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور ایمان والوں کی عورتوں سے فرما دیجیے۔

قرآن میں ازواجِ مطہرات کے لیے جمع کا صیغہ آیا ہے۔ کثرت کی وجہ سے۔ اسی طرح بنات النبیؐ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے لیے بھی جمع کا صیغہ آیا ہے۔ عربی میں دو (2) جمع نہیں ہے۔ ایک واحد ہوتا ہے دو مثنیٰ ہوتے ہیں دو سے زائد یعنی تین، چار، پانچ ہوں تو وہ جمع کہلاتا ہے۔ دو سے زائد میں پھر جمع کثرت اور جمع قلت

ہوتی ہے۔ جمع قلت نو (9) تک ہوتی ہے۔ دس (10) یا اس سے زیادہ ہوں تو اُسے جمع کثرت کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران مبارک چونکہ چار (4) تھیں اس لیے یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ کہ (باہر نکلیں تو) اپنے (مونہوں) پر اپنی تھوڑی سی چادریں لٹکا کر (گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ قریب تر ہے کہ یہ امر ان کی پہچان کا باعث ہوگا تا کہ ان کو کوئی ایذا نہ دی جائے اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

یہ شرعی پردہ ہے اور یہ ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ ایک مسلمان عورت کو اس شرعی پردہ کا پابند ہونا لازمی ہے۔ یہاں خواتین کا پردہ اللہ کریم نے ازواجِ مطہرات، بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے شروع کر کے عام مومنات تک ایک ہی جملے میں حکم دیا۔ غلطی سے پردہ میں کوئی کمی، کوتاہی ہو جائے تو بے شک اللہ کریم معاف کرنے والے ہیں لیکن دانستہ اس میں کوتاہی کسی ایمان والی خاتون کے لیے روا نہیں۔

یاد رہے! اسلام کا کوئی حکم زندگی کو مشکل بنانے کے لیے نہیں ہے بلکہ زندگی کو آسان بنانے کے لیے ہے۔ مردوں اور عورتوں کے خالق نے انہیں جیسا بنایا اُن کی فطرت کے مطابق انہیں احکامِ شریعت عطا فرمائے۔ اللہ کریم نے عورتوں اور مردوں کو اپنی نگاہ کی حفاظت کا حکم دیا۔ حکم دیا کہ مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور عورتیں بھی اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں۔ جہاں نگاہیں ٹکرائیں گی وہاں خرابی کا اندیشہ پیدا ہوگا۔

آج سائنسدان کہتے ہیں جنسی جذبات، یعنی مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے جو رغبت ہوتی ہے یہ دل سے آنکھوں کے راستے باہر آتے ہیں۔ دل سے نگاہوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ ہر نگاہ اور ہر دل کے جذبات کی ایک فریکیوئیسی ہوتی ہے۔ جس عورت اور جس مرد کی فریکیوئینسی قریب ہو وہ ایک دوسرے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور جن کی بالکل ایک جیسی ہو وہ مثال بن کر مشہور ہوئے ہیں۔

اگر یہ فریکیوئینسی ایک جیسی بھی ہو لیکن خاتون حجاب کرے، پردہ شرعی کرے۔ مرد، بے تکلف ہو کر خاتون کو نہ دیکھے۔ نگاہیں نیچی رکھے تو یہ سارا خطرہ ٹل جاتا ہے جدید سائنس بھی اس بات پر متفق ہے کہ پھر آبرو کے لیے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

اُس وقت تو یہ سائنسی تحقیق نہیں تھی لیکن اللہ دلوں کے بھید جانتے ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا اور اسے ازواج مطہرات سے شروع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو حکم دیا اور پھر مومن مردوں کی مومن خواتین کو حکم دیا کہ شرعی پردہ یہ ہے کہ جب بھی باہر نکلیں تو ایک لمبی چادر کو اوڑھ لیں جس میں پورا بدن ڈھک جائے۔ چادر کو ماتھے سے یعنی پیشانی سے کھینچ کر اپنی نگاہوں کا بھی پردہ کریں۔ اور مردوں کو بھی حکم دیا کہ غیر عورت کی

طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ غضِ بصر وہ علاج ہے کہ جہاں نگاہیں ٹکرائیں گی ہی نہیں تو خرابی کا اندیشہ ہی پیدا نہ ہوگا۔ مسلمان عورت کی شناخت بھی یہی ہے کہ وہ باپردہ ہو۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورت ایسا دکھائی دے کہ پتا چلے کہ یہ مسلمان ہیں۔ جب خواتین، باعزت، باپردہ ہوں گی تو کوئی انہیں ایذا بھی نہیں دے گا۔ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ یہود کے کچھ لوگوں نے مسلمان خواتین پر آوازے کسے۔ مسلمانوں کو علم ہوا تو انہوں نے اُن یہودیوں کو تنبیہ کی۔ اس پر یہودیوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمیں کیا پتا یہ خواتین آپ کی ہیں۔ جیسی ہماری خواتین پھر رہی تھیں ویسی یہ بھی پھر رہی تھیں۔ ہم نے انہیں پہچانا نہیں۔ تب یہ حکم ہوا کہ پردہ شرعی یہ ہے اور اس طرح پردہ کرو تا کہ الگ سے شناخت ہو جائے کہ یہ خاتون مسلمان ہے اور یہ مرد مسلمان ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٩﴾ بے شک اللہ غفور اور رحیم ہیں لیکن تم اللہ کی اطاعت پوری کوشش سے کرو۔ پردہ کرنے میں اور نگاہیں نیچی رکھنے میں پوری کوشش کرو پھر اگر جذباتی طور پر خیالات میں کمی واقع ہو جائے یا عمل میں کوتاہی ہو جائے۔ کوئی کوتاہی دانستہ نہ ہو تو بلاشبہ اللہ کریم معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف بُری خبریں پھیلانا قلبی مرض کی علامت ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٠﴾ اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ (منورہ) میں (بری بری) خبریں اڑایا کرتے ہیں باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر یہ آپ کے پڑوس میں کم ہی رہ پائیں گے۔

مدینہ منورہ کی ریاست کے خلاف منافقین خبریں اڑایا کرتے تھے کہ فلاں قبیلہ آج حملہ کر رہا ہے۔ مشرکین اس طرف سے آ رہے ہیں۔ فلاں علاقے پر حملہ کریں گے۔ حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایسا صرف مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ فرمایا، ان کے دل تباہ ہو چکے ہیں، ان کے دلوں میں مرض ہے لیکن اگر یہ باز نہیں آئیں گے تو پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے۔ ان کے پاس چند دن کی مہلت ہے پھر انہیں یہ شہر مقدس خالی کرنا ہوگا اور وہی ہوا۔ بنو قریظہ پر حملہ ہوا۔ اس کے لوگ قتل ہوئے۔ یہود کے دوسرے قبیلے کو بھی مدینہ منورہ سے نکلنا پڑا۔ دیس نکالا ہوا اور یہود و منافقین جو مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کرتے تھے وہ مدینہ منورہ خالی کر کے چلے گئے۔ جاننا چاہیے کہ وہ کیا کرتے تھے، اُن کا جرم کیا تھا؟ اُن کا جرم یہ تھا کہ وہ اسلام کے خلاف پراپیگنڈا

کرتے تھے۔ ریاستِ اسلامی کے خلاف بری بری خبریں پھیلاتے تھے۔

آج کا مسلمان کہلوانے والا:

آج مسلمان کہلوانے والے کس جرأت سے اسلام اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف کس طرح علی الاعلان بات کرتے ہیں۔ اسلامی شعائر اور اسلامی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں اور پھر دانشوری جتاتے ہیں کہ ہم تو مباحثہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ایمان میں کم ہی ٹھہرتے ہیں اور ایمان سے خارج کر دیئے جاتے ہیں لہٰذا منہ سے بات نکالنے سے پہلے غور کر لینا چاہیے اور اس بات کا اندازہ کر لینا چاہیے کہ ایسی باتوں کا انجام کیا ہوگا!

اگر خود عمل نہیں کر رہا تو اللہ سے توفیقِ عمل مانگے جو عمل کی کوشش کر رہے ہیں اُن کو نشانہ نہ بنائے۔ شریعت کے احکام کا مذاق نہ اُڑائے لیکن اب تو یہ جملے عام کہے جاتے ہیں کہ "دیکھے ہوئے ہیں داڑھیوں والے۔" یا "ہم جانتے ہیں نمازیوں کو۔"

ہوسکتا ہے ہم داڑھی والوں کے عمل خراب ہوں، ہم نمازی لوگوں میں کمی کوتاہی ہو لیکن ہماری ذات کی بات اور ہے۔ یہ داڑھی اور نماز ارکانِ اسلام ہیں شعائر اسلام ہیں۔ ان کا مذاق نہ اڑایا جائے ورنہ عذابِ الٰہی کی گرفت آجاتی ہے۔

فرمایا: مَّلْعُوْنِيْنَ ۔۔۔ یہ پھٹکارے ہوئے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت برسے گی۔ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾ جہاں پائے گئے، پکڑے گئے اور بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾

ان کو تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے، دیکھنا چاہیے کہ پہلے ادیان میں، پہلے انبیاؑ کا مذاق جن لوگوں نے اڑایا تھا ان کا کیا حشر ہوا؟ ہر شخص کو اختیار ہے۔ مانے یا نہ مانے۔ جو نہیں مانتا وہ اپنی عمر طبعی پوری کرے۔ مرے گا تو اپنا انجام دیکھ لے گا۔ اللہ کریم حساب لے لیں گے۔ دین کا مذاق اڑانے والوں سے فرمایا کہ تم عمرِ طبعی پوری نہیں کر سکو گے۔ اس سے پہلے تم پر گرفت آجائے گی۔ اللہ کی طرف سے تم پر لعنت برسے گی اور اللہ کا عذاب آجائے گا۔ یہ اللہ کی سنّت ہے اللہ کا طریقہ ہے اور اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پہلی امتوں کے منکرین کا انجام دیکھ لو۔ جنہوں نے انبیاؑ کا مذاق اڑایا، اللہ کی کتابوں کا مذاق اڑایا اُن کا انجام کیا ہوا۔ اگر تم بھی مذاق اڑاؤ گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا۔

لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں، کب قائم ہوگی؟ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۔۔۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجیے! قیامت کا علم اللہ کے لیے خاص ہے، قیامت اللہ نے قائم کرنی

ہے۔حساب کتاب اس نے لینا ہے، نیکی کا بدلہ، برائی کی سزا اس نے دینی ہے یہ میرا معاملہ نہیں۔ میرا معاملہ قیامت سے پہلے قیامت کی خبر دینا ہے کہ قیامت کو کیا ہوگا؟ دنیا میں جو تمہارا عقیدہ اور عمل ہے وہ کیا ہونا چاہیے۔ جس پر اللہ کی رضا مرتب ہوگی، اس کے برخلاف ہوگیا تو وہ قبول نہیں ہوگا۔ میرا منصبِ جلیلہ حساب لینا نہیں ہے۔ میں نے حساب کتاب نہیں لینا۔ قیامت کب ہوگی؟ قیامت میں کس کا حساب کیا ہوگا یہ میرا مسئلہ نہیں ہے یہ اللہ کریم کا اپنا کام ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ قیامت ابھی آ جائے، بہت قریب ہو؟ دارِ آخرت اور قیامت کا ایک قانون یہ ہے کہ وہاں عمل کرنے کا وقت نہیں ہوگا جو کچھ کیا ہے اس کے نتائج اور اس کا اجر ملنے کا وقت ہوگا۔ جب کسی کی موت آتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کے لیے ایک چھوٹی سی قیامت قائم ہوگئی۔

مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (مشکوٰۃ) جو مرتا ہے اس کی قیامت تو آ گئی عمل منقطع ہو گیا۔ جب موت آئی تو عمل کی مہلت ختم ہوگئی، عمل کا موقع ختم ہو گیا اور نتائج مرتب ہونا شروع ہو گئے۔

برزخ:

آخرت کا حساب کتاب قیامت کو ہوگا لیکن بندہ جب برزخ میں داخل ہوتا ہے تو برزخ ایک انتظار گاہ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے جو لوگ دنیا سے گئے وہ برزخ میں قیامت کے منتظر ہیں جو جارہے ہیں وہ برزخ میں انتظار گاہ میں چلے جاتے ہیں۔ انتظار گاہ میں بھی جیسا بندہ جاتا ہے، جیسا اس کا عقیدہ و کردار ہوتا ہے ویسی ہی رہائش اسے ملتی ہے۔ گناہ گار ہے تو مشکل ہو جاتا ہے، سزائیں ہوتی ہیں، تکلیفیں ہوتی ہیں، دکھ ہوتے ہیں۔ نیک ہوتا ہے تو آرام سے رہتا ہے، عزت سے رہتا ہے قیامت کو بھی اجر ملے گا۔ عمل کا موقع نہیں ہوگا جب موت آتی ہے تو عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ اس کی ذاتی قیامت، چھوٹی قیامت تو آ گئی تو کیا پتا کہ دوسری سانس آئے کہ نہ آئے۔ اس امید پر رہنا کہ قیامت ابھی دور ہے۔ نیک عمل پھر کرلیں گے اور اس امید پر زندہ رہنا کہ ابھی تو جوانی ہے، ابھی بڑا وقت پڑا ہے پھر نیکی کرلیں گے۔ کس کے پاس یہ ضمانت ہے کہ کتنا وقت ہے اور کل نیکی کرسکو گے؟ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ اور تمہیں کیا خبر کہ قیامت سر پر کھڑی ہو اور بہت قریب ہو ابھی آ جائے۔ اللہ قادر ہے وہ چاہے تو آج ہی منعقد کر دے تو کسی کے پاس اس کی خبر نہیں، کیوں کہ وہ کام ہی اللہ کا ہے۔ اس میں کسی کیا دخل۔ ہاں! قیامت کو ہوگا کیا؟ فکر اس بات کی کرنی چاہیے۔ قیامت کب ہو گی؟ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ قیامت ہوگی تو کیا ہوگا؟

انجامِ کفر:

اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَھُمْ سَعِیْرًا ﴿۶۴﴾ اللہ کافروں پر لعنت فرمائے گا، اللہ کی لعنت ہوگی کافروں پر۔ لعنت ہوتی ہے رحمت سے کُلّی طور پر محرومی۔ کوئی شائبہ رحمت کا جہاں نہ پہنچے وہ لعنت ہوتی ہے۔ بیزاری، دوری، محرومی۔ فرمایا: قیامت کو ہوگا یہ کہ جس نے دنیا میں کفر کیا۔ اللہ کی ذات کو اس کی صفات کو نہیں مانا۔ اس کے انبیاعلیھم السلام پر ایمان نہیں لائے، اُس کی کتابوں کا انکار کیا، اپنی پسند سے جیسے اپنی مرضی نافذ کرنا چاہی، شیطان کے پیچھے چل کر اپنی عمر ضائع کر دی تو کفر پر جو مر گئے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ وَاَعَدَّ لَھُمْ سَعِیْرًا ﴿۶۴﴾ اور اُن کے لیے بہت دردناک عذاب، جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ۔۔۔ انہیں اس جہنم کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہیں گے لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۶۵﴾ اور اس عالم میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا نہ کوئی معاون و مددگار رہوگا، ساری امیدیں بھی منقطع ہو جائیں گی۔

روح:

انسان بدن اور روح سے مرکب ہے۔ صرف انسانی روح ایسی ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ انسان میں بھی روح ہے اور باقی مخلوق جو زندہ مخلوق ہے، روح والی مخلوق ہے ان میں بھی روح ہے لیکن وہ روحِ حیوانی ہوتی ہے۔ روح حیوانی کیا ہے؟ جب عناصر اربعہ ملتے ہیں، وجود بنتا ہے، خون بنتا ہے تو اس میں ایک گرمی، ایک حدت پیدا ہوتی ہے جس سے بخارات بنتے ہیں وہ بخارات زندگی کا سبب بن جاتے ہیں اسے روحِ حیوانی کہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کئی لوگ خودکشی کرتے ہیں ہاتھ کی رگ کاٹ دی تو اس سے اتنا خون تو نہیں نکلتا کہ سارے جسم کا خون نچڑ گیا اور وہ مر گیا، موت کیوں ہو جاتی ہے؟ اس لیے ہو جاتی ہے کہ جن رگوں میں دھڑکن سے خون جارہا ہوتا ہے اگر ان ایک دو جگہوں سے کاٹ دو تو اس میں سے وہ بخارات خارج ہو جاتے ہیں جسے روحِ حیوانی کہتے ہیں جو مادّی بدن کی حیات کا سبب ہے جب وہ بخارات خارج ہوتے ہیں تو بندہ مر جاتا ہے، حیوانات میں وہی روح ہے۔ چرند و پرند میں، اس باقی مخلوق میں، سوائے انسان کے۔ انسان میں وہ روحِ حیوانی بھی ہے اور ایک روح اسے عطا کی گئی جو عالمِ امر سے ہے جو حقیقی انسان ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں جب الانسان کہا جائے تو مراد روح ہوتی ہے کیونکہ بدن محض روح کا لباس ہے اور چونکہ اللہ نے اس کے لیے اپنے بہت قرب میں سے بہت اعلیٰ جگہ بنائی ہے اپنے قریب تر اور بہترین نعمتوں سے سجائی اور اعلیٰ ترین عالم یعنی عالم امر سے روح عطا کی۔ عالمِ امر کی روح کو انسانی بدن سے سابقہ پڑا تو جتنے اس کے سیل نیکی میں معاون تھے انہیں اللہ کی رحمت نصیب ہوگی جتنے نافرمانی میں مبتلا رہے اتنے سزا پائیں

گے۔انسان میں تو سیل آتے رہتے ہیں، گرتے رہتے ہیں، جھڑتے رہتے ہیں آخرت میں ایسا نہیں ہوگا، سارے سیل جمع ہو جائیں گے، وجودانسانی بڑے بڑے ہوں گے ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ احد پہاڑ جتنی کافروں کی ایک ایک داڑھ ہوگی۔ایک بندہ ساٹھ سال، ستر سال، اسی سال، سو سال زندہ رہا اور اس کے وجود کے سیل تبدیل ہوتے رہے، سائنسدان کہتے ہیں دس کھرب سیل بدنِ انسان میں ہیں اور کوئی بھی سیل چھ مہینے سے زیادہ نہیں چلتا، نئے بن جاتے ہیں پرانے جھڑ جاتے ہیں، ذرا حساب کر کے لائیے ہر چھ مہینے بعد دس کھرب نئے آتے ہوں تو اسی یا نوے یا سو سال میں کتنے کھربوں سیل ہوں گے۔اب ان سیلوں میں بھی کتنوں نے اس کا ایمان میں بھی ساتھ دیا کسی نے گناہ میں دیا، کسی نے سجدے میں بھی دیا تو جس جس نے جس کام میں جو شراکت کی اسی طرح ثواب بھی ہوگا اسی طرح کا عذاب بھی ہوگا وہ سارے سیل جمع ہوں گے تو اندازہ کیجیے اس درد کی کتنی قسمیں ہوں گی کہ جن سیلوں نے جتنی شرکت کی ہے انہیں اتنا اتنا دکھ ہو رہا ہوگا تو کھربوں قسم کی ٹیسیں ایک درد میں ہوں گی، اسی طرح جنہیں انعام ملے گا تو کتنے سیلوں نے کتنی نیکی میں حصہ لیا، کتنے سیلوں نے کس عبادت میں حصہ لیا، کتنے سیلوں نے روزوں میں حصہ لیا، کتنے سیلوں نے حج میں حصہ لیا، اس اعتبار سے لذت کی قسمیں بھی کتنی ہوں گی کوئی نہیں گن سکتا۔ پھر چونکہ روح نے ہمیشہ رہنا ہے تو یہ جو سیل انسانی وجود کا حصہ بنے یہ بھی اس کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے اور اگر لذتیں ہوں گی تو ہمیشہ راحت میں ہوں گے۔کفر پر مرے تو عذاب بھی ہمیشہ بھگتیں گے۔

فرمایا اللہ انہیں رحمت سے تو کُلّی طور پر محروم کردے گا کوئی امید ہی نہیں رہے گی۔انسان امید پر بھی بہت کچھ کاٹ جاتا ہے۔تکلیف ہوتی ہے، دکھ ہوتا ہے، بیماری ہوتی ہے، ڈاکٹر آجائے گا یہ ٹیکہ لگائے گا ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی مقدمہ بن گیا وہ فلاں بھائی آجائے گا تو ٹھیک ہو جائے گا، فلاں سفارش کرے گا، کام ہو نہ ہو لیکن امید بندے میں ایک برداشت رکھتی ہے اور ایک آسرا رہتا ہے کہ خیر ہے ہو جائے گا فرمایا، کافروں کے لیے تو دوزخ بھڑک رہی ہے اس میں انہیں رہنا بھی ہمیشہ پڑے گا اور کوئی امید انہیں وہاں پر نہیں رہے گی۔ اللہ کی رحمت سے ناامید، دوری یعنی لعنت کردی جائے گی۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا ٱللَّهَ وَأَطَعْنَا ٱلرَّسُولَا ﴿٦٦﴾ زندگی بھر الٹے کام کرتے رہے، اس دن نتائج بھگتنے ہوں گے، جہنم میں بھی انہیں الٹے منہ گھسیٹا جا رہا ہوگا۔زندگی میں تمہارے بس میں تھا تم چلتے رہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں اب تمہیں دوزخ میں مونہوں کے بل گھسیٹا جائے گا اس وقت کہیں گے اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی۔دنیا میں تو زندگی ہی گزارنی تھی تو کاش! ہم زندگی اللہ کی اطاعت میں بسر کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے،

اطاعت کرتے، اس رسوائی سے بچ جاتے۔

پھر کہیں گے اے اللہ! ہم نے تیری اطاعت نہیں کی تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کی اس سے ہم محروم رہے لیکن وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا ۔۔۔ ہم نے اپنے لیڈروں کی اطاعت ضرور کی۔ ہمارے بڑے اور ہمارے سربراہ اور ہمارے سردار اور راہنما خود گمراہ تھے فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ انہوں نے ہمیں گمراہی میں ڈال دیا، ہم ان کے پیچھے چلتے رہے، اُن کی بات مانتے رہے، فرعون کے بارے قرآن کریم بتاتا ہے يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (ہود:98) قوم کی قیادت کررہا ہوگا، اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سب کو لے کر جہنم میں جا گرے گا۔ لوگ اپنے اپنے راہنما کی اطاعت کرتے ہیں، اُن کے پیچھے چلتے ہیں، اس دن انہیں اندازہ ہوگا کہ ہم جنہیں بڑا سمجھتے رہے اور جس سے امیدیں وابستہ کرتے رہے کہ میری مشکلیں تو یہ کاٹے گا میری مصیبتوں میں یہ کام آئے گا میری یہ مدد کرے گا اس نے تو ہمیں تباہ کردیا، کاش! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی اور وہ ہمیں اللہ کی اطاعت سے آشنا فرماتے۔ پھر گزارش کریں گے کہ اب ہم تو چھوٹ نہیں سکتے لیکن رَبَّنَآ ۔۔۔ اے ہمارے پروردگار! اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ۔۔۔ ان لیڈروں کو تو دوگنا عذاب دے۔ یا اللہ! یہ خود بھی گمراہ ہوئے، انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا۔ ان کا جرم تو بہت زیادہ ہے انہیں ہم سے دوگنا عذاب دے وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ہم پر بھی لعنت پڑ رہی ہے لیکن ان پر تو بہت بڑی لعنت برسا۔

یہ ہیں وہ حقائق جنہیں اگر ہم زندگی میں سمجھ لیں، سادہ سی حقیقت ہے لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (ترمذی) مخلوق میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی بات اللہ کی بات کے خلاف مانی جائے۔ ایسی کوئی بات مخلوق کی ماننا جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مخلوق کی بات بھی اللہ کے حوالے سے مانی جاتی ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے، یہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ ہے۔ فرمایا، زندگی میں تو بڑی امیدیں وابستہ کرکے اور بڑی خوشامدیں کرکے، لوگوں کے ساتھ چلے اب جب حقائق سامنے آئے تو اب کہتے ہیں کہ یا اللہ! ان پر دوگنا عذاب کر اور ان پر بہت بڑی لعنت برسا۔ قرآن کریم یہ حقائق آج تک ہم تک پہنچا رہا ہے۔ آج شاید ہمیں فرصت نہیں ہے سننے کی۔ سنی ان سنی کر دیتے ہیں، آج ہمیں فرصت نہیں ہے کل وہاں عمل کی مہلت نہیں ہوگی۔ زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس کا آخری لمحہ ہوسکتا ہے۔ اللہ توفیق دے تو فوراً رجوع الی اللہ کرنا چاہیے، اللہ کریم سے توبہ کرنی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر جاننا مسلمانی ہے۔ہم خود جاننا نہیں چاہتے ،ہم اپنی شناسائی نہیں بناتے ، ہم خود مطالعہ نہیں کرتے ، ہم خود سمجھتے نہیں، ہم پڑھتے نہیں تو علما سے پوچھتے تو رہیں ۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب تک ہم ذاتی طور پر نہیں جانیں گے، ہمارا ذاتی رابطہ نہیں ہوگا کیسے اتباع کریں گے؟ سنی سنائی باتوں کو کون مانتا ہے؟ فلاں ایسا کہہ رہا تھا۔ یہ کہنا کہ فلاں مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ فرمایا۔ یہ کہنا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اس میں کتنا فاصلہ ہے؟ جن لوگوں نے طائف میں پتھر برسائے۔ اللہ نے ملک الجبال کو حکم دیا وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو ان پر پہاڑ اٹھا کر پھینک دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے معافی کی درخواست اور ان کے لیے بارگاہِ الٰہی میں کیا عذر پیش کیا؟ ان کی طرف سے عذر کیا: ''رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' اے میرے ربّ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ ان پر عذاب نازل نہ فرما۔ مجھے مکہ مکرمہ کا، قریش کا ایک نوجوان سمجھ کر (یہ کچھ) کر رہے ہیں اگر یہ مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان جائیں تو میرے قدموں میں جانیں نچھاور کر دیں۔ یہ میری نافرمانی اور زیادتی اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ مجھے جانتے نہیں۔ اس لیے ان پر عذاب نازل نہ فرما۔ تو گویا اطاعت کے لیے واقفیت کا ہونا، جاننا شرط ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت جاننے کے لیے ہم اپنی جان پہچان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنائیں، ذاتی طور پر جانیں، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل جانیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جانیں جب براہ راست ذاتی طور پر، اپنا رابطہ، اپنا تعلق ہو تو تب جا کر بات بنتی ہے۔

سورۃ الاحزاب رکوع 9 آیات 69 تا 73

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ
وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا
سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا
الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے (کچھ تہمتیں تراش کر) موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی تھی سو اللہ نے ان کو اس چیز سے جو وہ کہتے تھے پاک ثابت فرما دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بہت عزت والے تھے ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو ﴿۷۰﴾ (اس کے صِلہ میں) وہ (اللہ) تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست فرمائیں گے اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرمائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے گا سو یقیناً وہ بہت بڑی کامیابی کو پہنچے گا ﴿۷۱﴾ یقیناً ہم نے یہ امانت (معرفتِ الٰہی کا شعور) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس (کی ذمہ داری) کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ

لے لیا بے شک وہ غلط کار (اور) بے علم تھا ﴿۷۲﴾ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دیں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں پر (رحمت سے) توجہ فرمائیں ﴿۷۳﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہونا جنہوں نے (کچھ تہمتیں تراش کر) موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی تھی۔ سو اللہ نے ان کو اس چیز سے جو وہ کہتے تھے پاک ثابت فرما دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بہت عزت والے تھے۔

اس آیۂ مبارکہ کے مخاطب ہم اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حکم ہو رہا ہے کہ اے ایمان والو! جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپؑ کو ایذا دی تھی تم ان کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب نہ بنو۔ جس طرح ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کی تہمتیں لگائیں اور موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تم میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا نہ کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپؑ کو بہت دکھ پہنچائے۔ کبھی کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام ہم تو آپؑ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت میں مبتلا تھے اور آپؑ کے آنے کے بعد بھی گرفتارِ بلا ہیں۔ اگر آپؑ کامیاب بھی ہو گئے تو آپؑ حکومت بنالیں گے اور لوگ آپؑ کے پیچھے چلنا شروع ہو جائیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟

ہم جو اس آیۂ مبارکہ کے مخاطب ہیں۔ ہمیں اس بات کی اہمیت کو سمجھنا ہوگا۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ اے وہ لوگو! جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا ہے۔ تمہیں معرفتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنی چاہیے۔ عظمتِ رسالت سے آشنا ہونا چاہیے۔ تمہیں آدابِ بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام آنے چاہییں۔

آدابِ بارگاہِ رسالت کے لیے۔۔۔

دراصل جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمتی کا ایمان کا، عقیدت کا، ادب کا ذاتی تعلق نہیں بنتا بات نہیں بنتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر جاننا مسلمانی ہے۔ جب ذاتی طور پر جانیں گے تو پھر ہم کہیں گے یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ پہچان ہو گی تو دل اطاعت پہ دل سے آمادہ ہوگا۔ ذاتی رابطہ ہوگا تو

بارگاہ رسالت کے آداب ازخود دل میں آجائیں گے۔

فرمایا، اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو بہت کامیابیاں عطا فرمائیں۔ لوگوں نے اُن پر جتنے الزام لگائے آپؑ کو ان سب سے بَری کر دیا۔ فرعون جیسی طاقت کو غرق کر کے تباہ کر دیا۔ آپؑ کو فاتح قرار دیا، پوری قوم کے لیے سمندر میں راستے بنا دیے اور آپؑ پوری قوم کو مصیبت سے نکال لائے۔ اس لیے کہ آپؑ اللہ کریم کے نزدیک بہت معزز، بہت صاحب عزت، بہت محترم تھے۔

تقویٰ:

فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ۔۔۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔۔۔ تم اللہ سے اتنا قریبی تعلق رکھو کہ زبان سے جملہ ادا کرتے وقت تمہیں خیال ہو کہ کہیں یہ اللہ کریم کی پسند کے خلاف تو نہیں۔ اگر خلاف ہے تو میں رک جاؤں۔ اے ایمان والو! اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ دل میں پالو۔ اگر کسی کا اللہ کریم سے دلی طور پر ایسا رشتہ قائم ہو جائے تو کیا وہ اللہ کریم سے جھوٹ بولے گا؟ فوراً خیال آجائے گا کہ میں خلافِ واقع بات نہ کروں۔ کیا کسی کو گالی دے گا؟ ہرگز نہیں ہر معاملے میں محتاط ہو جائے گا۔

سیدھی بات کرنا، اصلاحِ اعمال کا سبب ہے:

فرمایا: وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ اور سیدھی بات کہو۔ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔۔۔ (اس کے صلہ میں) وہ (اللہ) تمہارے اعمال کو درست فرمائیں گے۔ تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرمائیں گے۔

جب تقویٰ کی کیفیت نصیب ہوتی ہے تو بندہ اپنے جملے خود جانچنے لگ جاتا ہے کہ میری زبان سے وہ جملہ نہ نکلے کہ میرا ربّ مجھ سے خفا ہو جائے۔ پھر بندہ کھری بات کرتا ہے۔ سیدھی سیدھی کھری بات! اس طرح اللہ کریم تمہارے کردار کو بھی سنوار دیں گے۔ جب تمہیں یہ کیفیت حاصل ہوگی کہ اللہ کی نافرمانی میں تمہاری زبان سے کوئی لفظ نہ نکلے تو پھر تمہارے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کیوں ہونے لگے جو اللہ کی پسند کے خلاف ہو۔ اس طرح تمہارا کردار سدھر جائے گا اور بشری کمزوریوں کے باعث، شیطان کے بہکانے کے باعث، تم سے خطا ہو بھی گئی تو اللہ معاف کر دے گا۔ تم خطرات میں ہو۔ تمہارے ساتھ نفس ہے، اس کی خواہشات ہیں، بہکانے کے لیے شیطان لگا ہوا ہے، دنیا کے لالچ دے رہا ہے، اس کی رنگینیاں، دکھا رہا ہے۔ اس میں اگر تم کہیں بھٹک گئے، بھول کر تم سے غلطی ہو گئی تو اللہ کریم تمہاری غلطی معاف فرما دیں گے۔

دنیا میں ہر شخص نے کامیابی کے لیے اپنا ایک ہدف (ٹارگٹ) بنایا ہوا ہے۔ ہر بندہ اس ہدف کی کامیابی کے لیے کوشاں ہے اور اپنے اپنے علم، حیثیت اور قابلیت کے مطابق اسے حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، تم اپنی زندگی کا مقصد اور اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کو اپنا ہدف بنالو۔ وہ کیا ہے؟ فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۞ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے گا سو یقیناً وہ بہت بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنا ہدف یہ بنالو کہ مجھے اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی ہے۔ ہر حال میں، ہر وقت، ہر لمحے۔ سونے جاگنے میں صلح و جنگ میں، بیع و شراء میں، گھر میں باہر دوستوں میں مجھے اس طرح معاملہ کرنا ہے جس طرح اللہ کریم نے فرمایا ہے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ اگر تمہاری زندگی کا (ٹارگٹ) ہدف یہ ہو تو جس نے اس ہدف کو پالیا اس نے بہت بڑی کامیابی پالی۔

یہ بات معمولی نہیں ہے اس کے لیے معرفتِ باری تعالیٰ چاہیے۔ اللہ کی پہچان چاہیے۔ کائنات میں اللہ کی اتنی مخلوق ہے کہ کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ زمین پر ہی نباتات سے جمادات تک اور چرند سے پرند تک، آبی مخلوق سے لے کر دیگر تمام مخلوقات تک کسی کو بھی گِنا نہیں جاسکتا۔ کتنے انسان آئے، دنیا سے چلے گئے، موجود ہیں اور جتنے اور آئیں گے کسی کا شمار ممکن نہیں۔ ان سب مخلوقات میں کتنے ذرات ہیں جن سے مل کر ان کے وجود بنتے ہیں۔ کیا اُن کا شمار ممکن ہے؟ اللہ ہی جانے جس کی مخلوق ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ ساری مخلوق اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ اللہ کے حکم کی اطاعت کرتی ہے حتیٰ کہ اللہ کے مقرب فرشتے، آسمانوں میں رہنے والے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ساری مخلوق میں یہ جرأت نہیں کہ وہ حاکم کی جستجو کرے کہ حاکم کون ہے، کیسا ہے؟ فرمایا، یہ جرأت، یہ استعداد، یہ ظرف، یہ احساس صرف انسان کو عطا ہوا ہے۔

معرفتِ الٰہی کا شعور:

اللہ کی پہچان جسے معرفت کہتے ہیں۔ یہ 'جاننا' کہ میرا پروردگار کون ہے، کیسا ہے، اس کی ذات کو تو کوئی بندہ نہیں پاسکتا کہ ذاتِ الٰہی بندے کی خالق ہے۔ انسانی علوم بھی مخلوق ہیں۔ مخلوق، خالق کو نہیں سمو سکتی۔ ہاں! اللہ کی صفات سے آشنا ہونا، یہ مرتبہ صرف انسان کے پاس ہے۔ انبیا علیھم السلام وہ ہستیاں ہیں جو معرفتِ الٰہی سے نوازی گئیں اور جنہوں نے اللہ کے بندوں کو اللہ سے آشنا کیا۔

فرمایا، ہم نے انسان کو یہ عظمت عطا کرنے سے پہلے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿72﴾ یقیناً ہم نے یہ امانت (معرفتِ الٰہی کا شعور) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس (کی ذمہ داری) کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا بے شک وہ غلط کار اور بے علم تھا۔

فرمایا، ہم نے وقتِ تخلیق آسمانوں سے یہ کہا کہ معرفتِ الٰہی کی کیفیت تم لے لو! زمینوں سے کہا، اور بڑے بڑے پہاڑوں سے کہا کہ تم یہ معرفتِ الٰہی کی کیفیت لے لو۔ انہوں نے یہ بوجھ اٹھانے سے معذرت کر لی کہ یہ ذمہ داری ہم نہیں اٹھا سکتے، اس کے انعامات بھی بڑے ہیں لیکن یہ بوجھ بھی بڑا ہے۔ یا اللہ! ہم آپ کے حکم کی اطاعت میں رہیں گے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے۔ وہ اس ذمہ داری سے ڈر گئے۔ انسان نے کہا اللہ! مجھے دے دیں، میں اٹھالوں گا اور انسان نے اپنی پسند سے یہ بوجھ اٹھالیا۔ یقیناً انسان غلطیاں کرتا ہے اور نادان ہے۔

ظلوماً۔۔۔ غلط کار سے کیا مراد ہے؟ غلطی پر غلطی کرنا۔ غلطی سے کچھ سیکھنے کے بجائے پھر غلطی کرنا۔ یہ انسان کے مزاج میں ہے۔ ایک جگہ چوٹ کھاتا ہے، زخمی ہوتا ہے پھر نہیں سمجھتا۔ ایک کام کرتا ہے، اس میں نقصان ہو جاتا ہے پھر وہی کرتا ہے پھر نقصان اٹھاتا ہے۔

جھولاً۔۔۔ بے علم، نادان، جاہل، نادان اُسے کہتے ہیں جو جانتا نہ ہو لیکن اسے زعم ہو کہ میں جانتا ہوں۔ ہر بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں حالانکہ جانتا کچھ بھی نہیں۔ یہ انسان کے مزاج میں ہے۔ اسی طرح انسان نے بڑھ کے کہا یا اللہ! میں یہ بوجھ اٹھالوں گا۔

انسان ہونے کا حق ادا کرنا:

اب یہ بندے پر ہے۔ جب اس نے مانگ کر لیا ہے، یہ بوجھ اپنی جلد بازی سے اٹھالیا ہے یا اپنی نادانی سے لے لیا ہے تو مزہ تب ہے کہ اب اُسے نبھا کر دکھائے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت شیطان ہو یا نفس، دنیوی خواہشات ولذات ہوں، کوئی طاقت اب اُسے اللہ کی اطاعت سے ہٹا نہ سکے۔ معرفتِ الٰہی کے بوجھ کے ساتھ جہاں ایک طرف قربِ الٰہی کی عظمتیں ہیں وہاں دوسری طرف نافرمانی اور گستاخی پر اللہ کے غضب کی گھٹائیں بھی ہیں۔ اگر بندے نے ہر رکاوٹ کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ کی فرمانبرداری کے راستے پر گامزن ہو گیا تو اس نے انسان ہونے کا حق ادا کر دیا اور اگر یہ ادا نہ کر سکے تو پھر اس نے اپنے انسان ہونے کو بھی ثابت نہ کیا۔ پھر وہ اشرف المخلوقات کیسے ہے؟ انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے؟ اس لیے ہے کہ انسان وہ واحد مخلوق ہے جو اپنے رب کو جاننا چاہتی ہے، اپنے رب کو پانا

چاہتی ہے، اپنے ربّ سے ملنا چاہتی ہے، اپنے ربّ کو دیکھنا چاہتی ہے۔ باقی کسی مخلوق میں نہ یہ استعداد ہے نہ جرأت کہ وہ پوچھے کہ حاکم کیسا ہے، کس کا حکم ہے، کیا حکم ہے۔

فرمایا، جب تم نے یہ ذمہ داری لے لی کہ اللہ کریم! ہمیں یہ قوت دے کہ ہم آپ کو جان سکیں، ہمیں آپ کی معرفت نصیب ہو تو اب جرأت کرو، عظمتِ انسانی کو ثابت کرو۔ عظمتِ انسانیت یہ ہے کہ تم ثابت کر دکھاؤ کہ ہم نے یہ ذمہ داری لی ہے اور ہم اسے نبھا کر دکھائیں گے۔ راستے میں بڑی رکاوٹیں آتی ہیں، دنیا بڑی ترغیب دے کر اپنی طرف رجھاتی ہے لیکن انسان اللہ کے جمال کے سامنے کسی کو پرِکاہ اہمیت نہ دے۔

جاننا چاہیے کہ ذمہ داری تو ہم لے چکے ہم میں اس ذمہ داری کا احساس بھی ہے؟ ذمہ داری کا احساس ہو تو سب سے پہلے ہم اس تلاش میں نکلیں کہ میرا پروردگار کیسا ہے، مجھے میرے پروردگار کا پتا کون دے گا؟ یہ پتا دیں گے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ منصب صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ وہ اللہ کا پتا دیں۔ اللہ کریم نے تیس پارے کلام الٰہی، القرآن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ یہ کتاب الٰہی اللہ کریم کی ذات وصفات کی بات کرتی ہے، عظمتِ الٰہی کی بات کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا عمل اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا، احادیثِ مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔ جن لاکھوں زندگیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا بخشی اُن کی سوانح موجود ہے۔ یہ ایک تابندہ وروشن باب ہے لیکن کسی میں طلب بھی تو پیدا ہو! سب سے پہلے یہ سوال سوچیں کہ میں انسان ہوں، اگر انسان ہوں تو انسانیت کیا ہے؟ مجھ میں ایسی کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے میں تمام مخلوقات سے افضل ہوں؟ کیونکہ میں انسان ہوں۔ تُو اس لیے انسان ہے کہ تجھے اللہ کی معرفت کی استعداد نصیب ہے۔ تُو انسان اس لیے ہے کہ تجھ میں یہ استعداد ہے کہ تو ذاتِ باری کو پہچان سکے، اپنی حیثیت کے مطابق جان سکے۔ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ انسانیت ہے کیا، کیوں ہم اللہ کی عظیم مخلوق ہیں، ہم اس استعداد سے کیا فائدہ حاصل کر رہے ہیں، جو امانت ہم نے بڑی جرأت سے اٹھائی تھی اس کا ہم نے کتنا حق ادا کیا ہے؟ ہمیں یاد رہنا چاہیے کہ ہم نے کہا تھا، یا اللہ! مجھے یہ بارِ امانت دے دیں۔ میں آپ کے ساتھ اپنا تعلق بناؤں گا، میں پہچانوں گا، جانوں گا کہ میرا خالق کیسا ہے؟ میں آپ کی رحمتوں سے استفادہ کروں گا، میں آپ کی رحمتوں کا حق دار بنوں گا۔ اب وعدہ پورا کرنے کا وقت ہے، اب ہمت کا وقت ہے، مضبوطی سے مجاہدہ کرنے کا وقت ہے اور ثابت کرنے کا موقع ہے کہ ہمیں انسانیت کے مقام پر رہنا ہے!

قرآن ہمارے لیے کس مقامِ ارفع کی نشاندہی کر رہا ہے اور آج مسلمان کہاں کھڑا ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ساری زندگی یہ سوال ہی ہمارے پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ ہوش سنبھالتے ہی ہم اسی فکر میں رہتے ہیں، کھائیں کہاں سے،

گاڑی، گھر، لباس کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ ذرا پختہ عمر میں آ جائیں تو چاہتے ہیں میرا رعب ہو، میں اقتدار میں آ جاؤں، دولت مند ہو جاؤں، زمینیں خرید لوں۔ دنیوی نعمتوں کا حصول اسلام میں منع نہیں لیکن ان کے حصول میں اتنا کھو جاتا کہ انسانی عظمت کی اصل استعداد کو بروئے کار ہی نہ لانا بہت بڑا خسارہ ہے۔

اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ انسان نے بڑھ کر یہ بارِ امانت اٹھا لیا۔ اب ہم پر ہے کہ ہم خود کو اللہ کی رحمتوں کا اہل بنا لیں۔ اپنا مقام تلاش کریں اور اس استعداد کو بروئے کار لائیں جس کے سبب سے ہم انسان ہیں۔

فرمایا: لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دیں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں پر (رحمت سے) توجہ فرمائیں اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

قانونِ فطرت:

اللہ کریم نے جو نظام بنایا ہے اس میں ہر چیز اپنے فطری اور طبعی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے بے شمار مخلوق ہم سے پہلے آئی، گزر گئی۔ بے شمار مخلوق ہمارے سامنے گزر رہی ہے۔ بے شمار بعد میں آئے گی تو یہ کہاں گئے، ہم کہاں جا رہے ہیں؟ فطرت کے نظام میں ہر چیز اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس لیے یہ طے شدہ بات ہے کہ منافق مرد و خواتین، شرک کرنے والے مرد و خواتین اپنے کیے کی سزا ضرور پائیں گے۔ نفاق کیا ہے؟ زبان سے اچھائی کا اظہار کرنا اور دل میں ارادے بُرے رکھنا۔ زبان سے عظمتِ الٰہی کا اقرار کرنا اور دل میں کفر کرنا۔ اس کا نتیجہ عذابِ الٰہی ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر چیز اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے۔

عراق کی جنگ کے دوران بغداد پر بمباری ہوئی۔ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے روضہ کو بھی نقصان پہنچا تو میں نے ایک صاحبِ کشف ساتھی سے کہا کہ آپ کے مشاہدات ہیں تو حضرت شیخ سے سوال کرو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک عجیب عذاب ہے جو عالمِ اسلام پر نازل ہو گیا ہے کہ آپ جیسے بزرگوں کے مزار بھی محفوظ نہیں تو شیخ جیلانیؒ نے بڑا خوبصورت جواب ارشاد فرمایا تھا کہ چیزیں اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ وہی کچھ ہو رہا ہے جو ہوتا ہے۔ جو فطرت کا قانون ہے وہی کچھ ہو رہا ہے کتنا جامع جواب تھا!

اللہ کریم کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہر کام کا انجام ہو۔ قیامت کا قائم ہونا اور ہر فرد کے کردار کا اجر اور بدلہ پانا ہی حقیقی انجام ہے۔ اس سے پہلے کے انجام وقتی اور لمحاتی ہیں۔ جیسے درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں پھر نئے نکل آتے

ہیں۔گھاس مٹی ہو جاتی ہے پھر نکل آتی ہے۔ایک ایسا وقت آ رہا ہے جہاں ہر کوئی دنیا کی زندگی کا نتیجہ پائے گا۔فطرت کے اس نظام کے تحت لازمی ہے کہ اللہ کی ذات یا صفات میں شریک بنانے والے کو جہنم کا عذاب ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔یہ فطری انجام ہے۔چیزیں اپنی منزل پر پہنچ رہی ہیں۔

اگر ایمان پر قائم رہو گے تو اللہ تم پر مہربانیاں فرمائیں گے۔تمہاری خطائیں معاف فرمائیں گے۔اگر تم رضائے الٰہی کو پانے کے لیے محنت و مجاہدہ کرتے رہے تو بتقاضائے بشریت جو کمی رہ گئی اس کی معافی مل جائے گی۔یہ ضروری نہیں ہوتا کہ بندہ گناہ ہی کرے۔ہمارے بعض اعمال جو ہم نیکیاں سمجھتے ہیں وہ ہماری غلطیاں بن جاتی ہیں۔سجدہ ہم اللہ کی بارگاہ میں کرتے ہیں اور سوچیں کہیں اور چلی جاتی ہیں ہم یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ دو سجدے کیے ہیں تین کر چکا ہوں۔اس طرح بعض اوقات ہماری نیکیاں بھی غلطیاں بن جاتی ہیں۔جب ہم نیکیوں میں بھی خطا کر بیٹھیں تو وہ اتنا کریم ہے کہ ہمیں معاف فرما دیتا ہے کہ خیر ہے تم لگے تو رہے۔تم نے انسان ہونے کا ثبوت تو دیا۔اپنی ذمہ داری کا احساس تو کیا، ایمان پر قائم تو رہے، عمل میں کوشاں تو رہے۔ایسے مرد اور ایسی عورتوں کی میں توبہ قبول کروں گا۔اُن کے گناہ معاف کروں گا، اُن کو انعامات سے نوازوں گا اور وہ اپنی منزل کو پالیں گے جو انسان کی حقیقی منزل ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾ اور اللہ تو ہمیشہ سے ہے وہی تو بخشنے والا ہے اور کون بخشے گا۔ساری مخلوق کا خالق وہی ہے، مالک وہی ہے، رازق وہی ہے توفیقِ عمل دینے والا وہی ہے۔نیکیاں قبول کرنے والا وہی ہے۔اسی طرح خطائیں معاف کرنے والا بھی وہی ہے۔وہ واحد و لاشریک بہت بڑی رحمت کا مالک ہے۔خطائیں بخشنا بھی اسی کا وصف ہے اور رحمت کرنا بھی اسی کی صفت ہے۔

سورۃ سبا رکوع 1 آیات 1 تا 9

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا
يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ
الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ
اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤ وَيَرَى الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ
اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ
الْبَعِيْدِ ⑧ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ
السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، کا
مالک اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے اور وہ حکمت والا خبر رکھنے والا ہے ﴿۱﴾
جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے (مثلاً بارش) اور جو اس سے نکلتا ہے (مثلاً نباتات)
اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے سب اُس کو معلوم ہے اور وہ
مہربان (اور) بخشنے والا ہے ﴿۲﴾ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی
آپ فرما دیجیے کہ کیوں نہیں، قسم ہے اپنے پروردگار کی وہ تم پر ضرور آئے گی (وہ
اللہ) پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے، اس (کے علم) سے کوئی ذرّہ بھر بھی پوشیدہ نہیں
(نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی
مگر یہ سب واضح کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھی) ہے ﴿۳﴾ تا کہ وہ (اللہ) ان
لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے (سو) ایسے لوگوں کے
لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے ﴿۴﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو ناکام
کرنے کی کوشش کی ایسے لوگوں کے لیے سختی کا دردناک عذاب ہوگا ﴿۵﴾ اور جن
لوگوں کو (آسمانی کتابوں کا) علم دیا گیا وہ اس (قرآن) کو جو آپ کے پروردگار کی
طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ (قرآن)
غالب، سزاوارِ تعریف (اللہ) کا راستہ بتاتا ہے ﴿۶﴾ اور کافر کہتے ہیں کیا ہم تم کو
ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم (مرکر) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ
گے تو یقیناً نئے سرے سے پیدا ہو گے ﴿۷﴾ (یا تو) اس نے اللہ پر (جان بوجھ
کر) بہتان باندھ رکھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین
نہیں رکھتے عذاب اور دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ﴿۸﴾ تو کیا انہوں نے آسمان
اور زمین میں نظریں نہیں کیں جو ان کے آگے (بھی) ہے اور ان کے پیچھے (بھی
موجود ہے) اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے
گرا دیں بے شک اس میں (قدرتِ الٰہیہ کی) پوری دلیل ہے ہر (اس) بندے
کے لیے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہے ﴿۹﴾

تفسیر و معارف

سورۂ سبا شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مکی دور میں چونکہ اسلام کی بنیاد رکھی جا رہی تھی چنانچہ ان سورتوں میں زیادہ بحث عقائد اور ایمانیات پر ہے۔ مکی سورتوں میں ذاتِ الٰہی، صفاتِ الٰہی، آخرت، ایمانیات و عقائد پر زیادہ بات کی گئی ہے۔

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے:

فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ①

سب خوبیاں، سب کمالات، سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے اس لیے کہ تمام مخلوق اُسی نے پیدا فرمائی، اُسی کی ملکیت ہے اور اُسی کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہے، جب چاہے، جہاں چاہے کر سکتا ہے کہ ہر چیز اُسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ جس کو جیسا رکھے یہ اُس کی مرضی ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔۔۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اس کا ہے۔ جب تک یہ عالم قائم ہے کسی بھی شے پر کسی دوسرے کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔

اللہ کریم نے یہ دارِ دنیا بنایا اور اس کی تمام چیزیں انسان کے حوالے کیں اس لیے کہ انسان کو اس نے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔۔۔ (البقرہ:30) خلیفہ کسی ہستی کا مقرر کیا ہوا، نامزد کردہ شخص ہوتا ہے۔ جو اُس کی ماتحتی میں، اُسی کے احکام نافذ کرتا ہے، اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔ بنی آدم کو خلافت عطا ہوئی اور یہی اس کی آزمائش ہے۔ خلافت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق میں تصرف کرے لیکن اُس کی مرضی کے مطابق یعنی انسان اللہ کی پسند کو نافذ کرنے کا مکلف ہے۔

جب چیزیں انسان کے تصرف میں آئیں تو اُس نے سمجھا یہ بھی میرا ہے، یہ بھی میرا ہے۔ وہ ساری زندگی 'میرا میرا' کرتا رہا پھر ایک دن سب کچھ چھوڑ کر چل دیا کہ اس کا تو کچھ بھی نہیں تھا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم نے کتنے صاحبِ اقتدار، صاحبِ حیثیت اور متمول افراد کی میتیں فی سبیل اللہ چلنے والی گاڑیوں پر جاتے دیکھیں۔ کیسے کیسے خود سر و منہ زور لوگ، حاکم تھے لیڈر تھے لیکن جب دم نکلا تو لوگوں نے خدا واسطے چلنے والی گاڑیوں پر اُن کی میتوں کو منتقل کیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے!

دراصل سب ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ انسان کو وقتی طور پر اُس نے زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے تا کہ اُسے آزمائے۔ اگر اُس کی کائنات میں بندہ اللہ کی عطا کردہ چیزوں کو اُس کے حکم کے مطابق استعمال کرتا ہے تو اُسے انعام سے نوازا جائے گا اور جنت میں جگہ دی جائے گی۔ اگر کائنات میں عارضی ملکیت مل جانے پر وہ اللہ ہی کی ملکیت کو چیلنج کر دیتا ہے، کہتا ہے یہ سب میرا ہے، خدایا تیرا نہیں ہے۔ ان پر تیری مرضی نافذ نہیں کروں گا بلکہ اپنی مرضی نافذ کروں گا تو باغی قرار پائے گا اور بغاوت کی سزا جہنم ہے۔ انسان کی یہی آزمائش ہے اور یہ سادہ سی بات ہے اس میں کوئی لمبا چوڑا فلسفہ نہیں ہے۔

اللہ کریم نے کائنات میں حصولِ رزق کے، حصولِ ملکیت کے ذرائع بنائے ہیں۔ اُن جائز ذرائع کو استعمال کر کے مال و دولت کمانا عبادت ہے اور جائز اور حلال ذرائع پر خرچ کرنا بھی عبادت ہے۔ اللہ کا مال ہے لہٰذا اُس کی پسند کے مطابق کمانا بھی اُسی کی اطاعت اور عبادت ہے اور اُسی کی پسند پر خرچ کرنا بھی عبادت ہے۔

جب اس بات سے انسان کا ذہن ہٹا اور وہ سمجھنے لگا کہ ہر چیز میری ہے اور میں جو چاہوں کر سکتا ہوں تو گویا اس نے اللہ جل شانہ کی حاکمیت کو چیلنج کر دیا اور باغی ہو گیا۔ اس نے کہا یہ سب میرا ہے، میں جیسے چاہوں حاصل کروں جس سے چاہوں چھین لوں اور جہاں چاہوں خرچ کروں تو گویا وہ مقابلے پر آ گیا۔ پھر وہ سزا پائے گا۔

پھر مزے کی بات ہے کہ انسان کو تو چیزوں کی حقیقت کا پتا ہی نہیں ہے۔ وہ ایک چیز نفع کی اُمید پر خریدتا ہے وہ اُسے نقصان دے جاتی ہے۔ ایک چیز لطف اندوز ہونے کے لیے کھاتا ہے، اُس سے بیمار ہو جاتا ہے۔

ان سب باتوں سے وہی آگاہ ہے دنیا جس کی ملکیت ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ① اللہ رب العزت حکمت والے بھی ہیں اور ہر بات سے آگاہ بھی ہیں جبکہ انسان ملکیت کے دعوے تو کرتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ وہ چیز اس کے لیے مفید ہے یا نقصان دہ۔ حقیقی مالک اللہ ہے اور اس کی حکمت ہے کہ وقتی طور پر کسی کو کچھ دیتا ہے یا لے لیتا ہے یا (بندہ) اُس میں کیا تصرف کرتا ہے اُسے ہر بات کا علم ہے۔ اُسے خبر ہے کیونکہ وہ خبیر ہے۔ اُس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔

فرمایا: يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا ۔۔۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے۔

زمین کیا ہے؟ بے شمار چھوٹے چھوٹے ذرّوں کا مجموعہ ہے۔ ہر ذرّے کے اندر بھی ایک جہان آباد ہے۔ اس میں منفی مثبت بجلی بھی ہے اور اس کے اندر اپنی ایک آبادی ہے۔ ان خاکی ذرّات کو کوئی گن نہیں سکتا۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ ۔۔۔ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے وہ جانتا ہے۔ سورج کی گرمی، چاند کی روشنی، ستارے اور مختلف سیاروں کی توجہات اور بارش کا ہر قطرہ کس طرح ہر ذرّے تک پہنچتا ہے اور اُن میں کیا تبدیلی کرتا ہے۔ ایک

ایک شعاع، ہوا کا ایک ایک جھونکا، مختلف Gases، جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور اُن میں کیا اثر ڈالتا ہے وہ جانتا ہے۔ خاکی ذرّات کس طرح تبدیل ہو کر نباتات بنتے ہیں جمادات بنتے ہیں ہیرے جواہرات بنتے ہیں، سونا بنتے ہیں، چاندی بنتے ہیں پتھر بنتے ہیں۔ کس چیز سے اُن میں کیا تبدیلی آئی اور کہاں کہاں سے گزر کر کیا بن کر زمین سے نکلتا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔۔۔ کون سے ذرّے کتنی تبدیلیوں کے بعد انسانی غذا میں بدل جاتے ہیں۔ کوئی پھل بن جاتا ہے، غلّہ بن جاتا ہے۔ کہیں فصلیں نکلتی ہیں، کہیں پھول نکلتے ہیں، گھاس نکلتی ہے، چشمے نکلتے ہیں، ہیرے جواہرات، دھاتیں نکلتی ہیں، سونا چاندی، لوہا، تانبا، پیتل تو کہاں کہاں کون سا ذرّہ، کیسے کیسے تبدیل ہو کر کیا بن کر زمین سے نکلتا ہے یہ سب اُس کے علم میں ہے کہ اُس کی قدرت ہی سے تو بنتا ہے۔

جو ذرّے انسانی غذا میں بدل جاتے ہیں پھر وہ کس کس راستے سے، کن واسطوں سے ہوتے ہوئے، کتنے دکانداروں کے ہاتھ سے گزرتے ہوئے اُس بندے تک جا پہنچتے ہیں جس کے وجود کا حصّہ ہیں۔ کہاں سے اُن چیزوں کو چلاتا ہے، کہاں پہنچاتا ہے، یہ سب وہ جانتا ہے۔ خود انسان کو علم نہیں ہے کہ کون سا ذرّہ کل اس کے وجود کا حصّہ بنے گا۔ اس کی غذا یا مشروب بنے گا لیکن اللہ کو سب پتا ہے۔ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔۔۔ اُسے یہ بھی خبر ہے کہ آسمان سے کیا کیا نازل ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں، احکام نازل ہوتے ہیں، رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، بارشوں اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔ سب اس کے علم میں ہے اور جو واپس آسمانوں کو جاتا ہے، وہ بھی جانتا ہے۔

اتنی بسیط کائنات بسا کر اس پر سب سے اعلیٰ مرتبہ انسان کو دے کر اُسے مکلف ٹھہرایا۔ اب اتنی بے پناہ نعمتیں زمین سے بھی، آسمانوں سے بھی وصول کر کے، صحت، زندگی، مال پا کر انسان کیا کرتا ہے، اُس کا کردار کیا بن کر اوپر جاتا ہے، وہ کیا بھیجتا ہے، کیا چیزیں آسمان کی طرف جاتی ہیں، یہ سب اللہ کریم کے علم میں ہیں۔ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۞ لیکن وہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ غلطیاں، کوتاہیاں، سستیاں، گناہ، جرائم، نافرمانیاں، وہ سب برداشت کرتا ہے کہ وہ حلیم ہے، رحیم ہے۔ وہ رحم فرماتا ہے۔ اگر انسانی کردار پر فیصلہ ہوتا تو دنیا کب کی تباہ ہو چکی ہوتی۔ وہ غفور ہے، بخشنے والا ہے۔ اَن گنت خطاؤں اور گناہوں کے بعد بھی اگر انسان کو ہوش آجائے، اُس کی طرف رجوع کرے، توبہ کرے تو وہ بخشنے والا بھی ہے۔ وہ آنِ واحد میں معاف کر دیتا ہے۔ بے شمار گناہ بخش دیتا ہے۔

ربوبیت کا تقاضا:

فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ۔۔۔ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی قیامت نہیں آئے

گی۔ بھئی کون سی قیامت؟ پیدا ہوئے مر گئے۔ زمین میں روئیدگی ہوئی، گل سڑ گئی۔ پتھر ٹوٹ گئے، کہیں دریا تھے وہ سوکھ گئے کہیں خشکی تھی وہاں دریا بن گئے۔ کہیں پہاڑ تھے وہ گر گئے، چٹیل میدان ہو گئے، کئی میدانوں میں ٹیلے نکل آئے۔ کہیں کبھی سمندر تھا آج وہاں خشکی ہے اور کہیں خشکی تھی آج وہاں سمندر ہے۔ یہ ساری چیزیں، اتنی تبدیلیوں کے بعد پھر کون سی قیامت ہوگی! بدنِ انسانی گل سڑ گئے، مٹی کے ریزوں میں تبدیل ہو گئے۔ انہیں مٹی کھا گئی، جانور کھا گئے، آگ میں جل گئے، کہاں گئے تو (کافر کہتے ہیں) ہم پر کوئی قیامت نہ آئے گی۔

اللہ کریم نے بہت خوبصورت جواب دیا اس کا، فرمایا: قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ ---میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیجیے! میرے پروردگار کی قسم، میرے ربّ کی قسم بے شک قیامت آئے گی اور اس پر میں اللہ کی، اپنے ربّ کی قسم کھاتا ہوں۔ ربّ اللہ کا صفاتی نام ہے اور ساری تخلیقات، ربوبیت ہی کا سجایا ہوا کارخانہ ہے۔ فرمایا، اس ساری کارگہہِ حیات میں دیکھ لو کوئی چیز ایسی نہیں جو بے نتیجہ ہو۔ ہر کام، ہر شے، ہر چیز کے بننے کا کوئی مقصد، کوئی وجہ ضرور ہوگی کیونکہ یہ بھی اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ کوئی چیز بیکار پیدا نہ کی جائے۔ ایک انسان بھی کوئی چیز بغیر مقصد کے نہیں بناتا۔ ایک کیل بھی بناتا ہے تو اس کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے کہ وہ کہاں کام آئے گی۔ انسان کوئی ادنیٰ سی چیز بھی بنائے تو اُس کا مقصد ہوتا ہے کہ فلاں ضرورت کے لیے ہے۔

اگر کوئی کاریگر بے کار چیزیں بناتا ہے تو لوگ اُسے اچھا نہیں سمجھتے۔ جس ربّ العالمین نے اتنی بڑی کائنات بسا دی تو کیا اُس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا؟ یہ تو ممکن ہی نہیں! اس کا نتیجہ ہوگا اور وہی نتیجہ قیامت کہلاتا ہے۔

فرمایا، ان سے کہہ دیجیے، قُلْ بَلٰى ---بے شک قیامت آئے گی۔ وَرَبِّيْ ---میرے ربّ کی قسم یعنی شانِ ربوبیت اس پر گواہ ہے، پیدا کرنے والے کی تخلیق کا عمل اس پر گواہ ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ ہوگا۔ یہ بے کار پیدا نہیں کی گئی۔ یہاں ربّ کے نام کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ اس کی ربوبیت اس پر گواہ ہے۔ اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ قسم صرف ربّ کی کھائی جائے گی جو ہر چیز پر شاہد، گواہ اور دیکھ رہا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ہر وقت ہر چیز کو دیکھ رہی ہو لہٰذا غیر اللہ کی قسم جائز نہیں۔

انہیں فرما دیجیے، میرے ربّ کی قسم! تم پر قیامت آئے گی۔ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ---وہ تم پر ضرور آئے گی اور وہ ایسا عظیم پروردگار ہے کہ عٰلِمِ الْغَيْبِ ---وہ پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ جو باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں یا تمہارے علم کی رسائی سے بالاتر ہیں وہ سب جانتا ہے۔

غیب کیا ہوتا ہے؟ مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاس، انسان کو جو حواس دیے گئے ہیں ان کی رسائی سے جو باہر ہو، وہ غیب ہے۔ قوتِ سماعت سے اگر کوئی بات سُن لی تو وہ غیب نہ رہی۔ اسی طرح پڑھنا ایک صلاحیت ہے، کوئی چیز کہیں

سے پڑھ لی وہ علم میں آ گئی تو غیب نہ رہی۔ جو چیز چکھ کر سونگھ کر، چھو کر محسوس کر لی وہ غیب نہ رہی لیکن جو ان سب سے باہر ہے وہ غیب ہے۔ اللہ کے لیے کوئی غیب نہیں ہے، وہ عالم الغیب ہے۔ جو چیزیں تمہاری عقل، علم اور ادراک سے چھپی ہوئی ہیں اُس کے لیے سب ہر وقت ظاہر ہیں۔ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ۔۔۔ اُس سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ بھی پوشیدہ نہیں خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں ہو۔ وہ اُس کے حال سے واقف ہے بلکہ اس سے بھی چھوٹی چیز یعنی ایسا بہت باریک ذرّہ جو غیر منقسم ہو، جو ٹوٹتے ٹوٹتے اتنا چھوٹا ہو جائے کہ آگے توڑنا ممکن نہ رہے، اُسے ذرّہ کہتے ہیں۔ اُس باریک ترین ذرّے کے اندر کیا ہے، اللہ جانتا ہے، ہو سکتا ہے اس کے اندر بھی ایک عالم آباد ہو۔ اُس میں مثبت منفی برقیات بھی ہیں، حیات بھی ہے اور وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ یہ ساری چیزیں چھوٹی یا بڑی اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لوحِ محفوظ میں درج ہیں۔ علمِ الٰہی کی بات نہیں کی وہ تو نا پیدا کنار ہے، اُس کی شان کے مطابق ہے جبکہ یہ ساری چیزیں تو لوحِ محفوظ میں درج ہیں۔ لوحِ محفوظ بھی تو اُس کی مخلوق ہے۔ ایک کتاب ہے اللہ کی بارگاہ میں اُس کے دفتر میں رکھی ہوئی، حفاظت میں لی گئی کتاب جس میں کائنات کا سارا نظام اور ساری چیزیں درج ہیں۔ گویا ایک مخلوق بھی اسے جانتی ہے یعنی لوحِ محفوظ بھی ان سب سے واقف ہے جبکہ اللہ کا علم تو بے پناہ اور بے حد و حساب ہے۔

اس حقیقت کو جس نے جان لیا کہ کائنات اللہ کی ہے، میرے پاس جو کچھ ہے، مال و دولت ہے، اولاد ہے یا زمین جائیداد ہے یہ اللہ کی امانت ہے۔ میں امین ہوں۔ اُس نے اولاد دی ہے الحمدللہ، جب چاہے لے لے اُس کا مال ہے۔ پھر میں یہ یاد رکھوں کہ جو مال خرچ کر رہا ہوں یہ میرا نہیں، اللہ کا ہے اور مجھے حساب دینا ہے۔ اُس کی جہاں اجازت ہو وہاں خرچ کروں، جہاں نہیں ہو وہاں نہ خرچ کروں۔ فرمایا، ان حقائق کو جنہوں نے پا لیا وہی ایمان والے ہیں۔ ایمان اسی کو کہتے ہیں کہ عظمتِ الٰہی پر یقین ہو، خالق اور مخلوق کے تعلقات پر یقین آ جائے۔ آخرت کا بھی یقین ہو نتائج پر بھی یقین ہو۔ نبوت پر ایمان ہو اور اللہ کی کتابوں پر یقین ہو، موت و حیات، حساب و کتاب، حیات بعد الموت، قیامِ قیامت سب حقائق پر یقین ہو۔ (یہ سب ضروریاتِ دین میں سے ہیں) اور جن کو یہ یقین نصیب ہو وہ ایمان والے ہیں۔ فرمایا یہ سارا نظام اس لیے بنایا کہ میرے بندے جو مجھ پر ایمان لائیں گے، میری اطاعت کریں گے تو: لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔ اُن لوگوں کو ایمان لانے اور نیک کاموں کا صلہ دیا جائے۔ یہ کائنات تو کوئی چیز نہیں ہے اصل انعام تو پھر انہیں اس زندگی کے بعد جب دوسری زندگی میں آئیں گے تب نصیب ہو گا۔ قیامِ قیامت کے بعد اُس نئی زندگی میں انعامات اور بخشش کا سلسلہ شروع ہو گا۔ اُنہیں بہت مراتب و درجات سے، بہت انعامات سے نوازا جائے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ ان ایمان والوں سے اگر بتقضائے بشریت یا نفس کے دھوکے سے، شیطان کے بہکانے سے کوئی خطا ہوگئی، کوئی کمی یا کمزوری رہ گئی تو جب وہ میری بارگاہ میں آئیں گے مجھے بخشنے والا پائیں گے۔ ان کے لیے مغفرت ہوگی، بخشش ہوگی اور وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ مزے کا رزق انہیں یہاں آ کر نصیب ہوگا۔ ایسی زندگی، ایسا رزق جس کے ساتھ بیماری نہیں، ایسی دولت جس کے ساتھ غم اور فکر نہیں۔ ایسے گھر جن کی بربادی کا اندیشہ نہیں، ایسی صحت جس کی خرابی کا ڈر نہیں۔ یہ ساری نعمتیں مومنین کو آخرت میں ملیں گی۔

اللہ نے مومنین اُنہیں کہا ہے جو توحیدِ باری، عظمتِ باری اور تمام ضروریاتِ دین پر یقین رکھتے ہیں اور اس یقین کے مطابق چیزوں میں تصرف کرتے ہیں۔ گویا ایمان عمل ہی کا نام ہے۔ ایمان ایک دعویٰ ہے اور دعویٰ تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ دعوے ثبوت اور گواہوں سے ثابت ہوتے ہیں اور اگر دعوے سے گواہ مطابقت نہ کریں کہ گواہ کچھ کہہ رہے ہوں، مدعی دعوے کچھ اور کر رہے ہوں تو دعوے خارج ہو جاتے ہیں۔ عمل گواہ اور شہادت ہے، ہمارا دعویٰ اسلام کا ہے تو اگر ہمارا کردار اس کی شہادت دے تو ہم ایمان دار ہیں۔ اگر کردار شہادت نہ دے تو دعویٰ ثابت نہیں ہو سکے گا۔

اللہ کی نافرمانی کا ایک دردناک پہلو:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ ۔۔۔ کچھ لوگ ہیں جو ہمارے احکام کو عاجز کر دینا چاہتے ہیں، روک دینا چاہتے ہیں۔ یہ بہت سخت بات ہے، جگر کو کاٹ دیتی ہے کہ فرمایا، جو لوگ میری اطاعت نہیں کرتے وہ میرے احکام کو ناکارہ کر دینا چاہتے ہیں، روک دینا چاہتے ہیں۔ مُعٰجِزِيْنَ ۔۔۔ عاجز کر دینا چاہتے ہیں۔ گناہ اور اللہ کی نافرمانی کا یہ پہلو بہت دردناک ہے۔ گناہ ویسے بھی بہت زیادتی ہے کہ اللہ کا حکم نہ مانا جائے۔ حکم عدولی اور وہ بھی ربِّ کریم کی! جو ہمارا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے۔ جو ہمیں تمام نعمتیں عطا فرما رہا ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہمہ وقت ہمارے وجود کا ہر ذرّہ ہے۔ ہم اُس کا حکم بھی نہ مانیں! اللہ کی حکم عدولی فی نفسہٖ گناہ ہے یہ بات پہلے بھی کئی مرتبہ ہوئی کہ علما نے گناہوں کی فہرستیں بنائیں ہیں کہ بعض کبیرہ گناہ ہیں، بعض صغیرہ ہیں۔ پھر علما لکھتے ہیں کہ گناہ دراصل سارے ہی کبیرہ ہوتے ہیں اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ نافرمانی کس کی ہے لیکن یہاں اس آیۂ مبارکہ میں تو معاملہ اور سنگین ہو گیا ہے۔ فرمایا، یہ نہیں کہ یہ لوگ میری نافرمانی پر بس کر رہے ہیں، وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ ۔۔۔ یہ کوشش کرتے ہیں، سعی کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے احکام کو عاجز کر دیں، ان کی کوئی حیثیت نہ رہے، انہیں ناکارہ کر دیں۔ میں نے انہیں زندگی دی، مہلت دی ہے وہ ہمہ وقت میرے دستِ قدرت میں ہیں۔ انہیں مرنے تک توبہ کی توفیق کی مہلت دے رکھی ہے۔ جب توبہ کر لیں، سب معاف کر دوں گا لیکن بغیر توبہ کے مر گئے تو واپس میری بارگاہ میں ہی آئیں گے اور یہاں: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

اَلِيْمٌ ۝ آخرت کی سزائیں بڑی دردناک ہیں، بہت تکلیف دہ، بہت مشکل ہیں۔ دنیا میں کوئی اُن کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہاں اُن کے لیے نہ صرف عذاب بلکہ بہت درد دینے، دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

علم کا خاصہ:

ابتدائے آفرینش سے دنیا پر جب نوعِ انسانی نے قدم رکھا تو وہ سب سے پہلا قدم حضرت آدم علیہ السلام کا تھا جو ابوالبشر ہیں، تمام انسانیت کے والد ہیں۔ فرمایا، ہم نے پہلے انسان کو بھی نبیؑ بنایا اور اس پر وحی نازل فرما کر اِن حقائق سے آگاہ فرمایا۔ تب سے لے کر بعثتِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تک انسانیت پھیلتی گئی اقوامِ عالم میں انبیاؑ مبعوث ہوتے رہے اور اللہ کا پیغام اور یہ حقائق پہنچاتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ساری کائنات سارے زمانوں کے لیے مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہء اطہر و مبارک سے لے کر آج تک زمین پر بیان ہو رہا ہے، پھیلایا جارہا ہے اور قیامت تک یہ پھیلایا جاتا رہے گا، بتایا جاتا رہے گا۔ یہ پیغام مسلسل چلتا رہے گا۔ ہم نے انسان پر علم کے دروازے کھول دیے، جن لوگوں نے اس علم سے کوئی حصہ حاصل کیا ہے: وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ۔۔۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے پروردگار کی طرف سے جو بھیجا گیا ہے وہ حق ہے۔ وہ پہلی امتوں کے عالم ہوں یا اس امت کے لوگ ہوں جن کے پاس علم ہے انہیں یقیناً پتا چل جاتا ہے کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا حق ہے اور یہی حق ہے۔

یہ ایک الگ موضوع ہے کہ علم کیا ہے؟ ہمیں یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ کتابیں پڑھ لینا، باتیں سن لینا یا تجربے سے جان لینا علم ہے۔ نہیں! یہ علم نہیں ہوتا یہ خبر ہوتی ہے۔ علم اُس کیفیت کا نام ہے کہ کسی چیز کو جان کر وہ کیفیت اپنائی جائے، جیسے ابھی عذاب کی آیت تھی تو اس سے دل پر لرزہ طاری ہو اور بندہ نافرمانی سے باز آجائے تو یہ علم ہے۔

اگر کسی نے ساری تفسیر سن لی لیکن گناہ کرتا جارہا ہے تو اُس کے پاس خبر ہے، علم نہیں ہے۔ جس نے عذابِ الٰہی کی بات سن کر توبہ کرلی، رجوع الی اللہ کرلیا اور اپنے عمل کی اصلاح کرلی، اُس کے پاس علم ہے۔ اس کیفیت کا دل میں آنا علم ہے۔ معلومات کا محض دماغ میں جمع ہو جانا اور کوئی کیفیت نہ بننا خبر ہے۔ دماغ اخبار کا خزانہ ہے، وہاں خبریں جمع ہوتی رہتی ہیں۔ فرمایا، جن کے پاس صرف خبر نہ ہو علم ہو وہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوا وہی حق ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اہلِ مغرب اسلام پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ اسلام کہتا ہے کہ سچائی صرف وہی

ہے جو میرے اندر ہے، میرے باہر سچائی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں ISLAM HAS A MONOPOLY ON TRUTH حالانکہ یہ MONOPOLY نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ساری سچائی صرف اسلام میں ہے۔ اسلام کے باہر آپ کو سچائی نہیں ملتی، حق نہیں ملتا، افسانے ہیں، حکایات و روایات ہیں، حقائق نہیں ہیں۔ حقیقتیں نہیں ہیں۔ اسلام کی سچ پر اجارہ داری نہیں بلکہ اسلام ہی سچ ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ال عمران: 19) اللہ کے نزدیک اللہ اور بندے کے تعلق کی پکی بات صرف اسلام ہے۔ باقی افسانے ہیں تو جنہیں کوئی حصہ علم سے نصیب ہوا ہے یعنی جنہوں نے بات کو سنا، سمجھا اور اس کی کیفیات بھی دل پر وارد ہوئیں وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ حق ہے اور وہ ایسا حق ہے کہ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝۶ وہ راہنمائی کرتا ہے اُس اللہ کی بارگاہ کی طرف جو غالب ہے، سب خوبیوں کا مالک ہے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اُسے قبول کیا جائے، جانا جائے، مانا جائے عمل کیا جائے تو یہ ایک مشتِ غبار کو بارگاہِ الوہیت میں پہنچا دیتا ہے۔

کفر، علم سے بے بہرہ رکھتا ہے:

فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۝۷ فرمایا، کفار بڑا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئیں آپ کو ایسے بندے کے بارے میں بتائیں، وہ بندہ دکھائیں جو کہتا ہے جب تم خاک ہو جاؤ گے، گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، ذرّات میں تبدیل ہو جاؤ گے، بکھر جاؤ گے تو تمہیں پھر نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا۔ کفار کو یہ امرِ محال لگتا ہے کہ جب گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، خاک اُڑ جائے گی اور ذرّات بھی بکھر جائیں گے۔ کسی کو درندے کھا گئے، اُن کے وجود کا حصّہ بن گیا۔ کوئی مچھلیوں کی خوراک بن گیا۔ کوئی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا، کوئی زمین میں دفن ہوا مٹی کی خوراک بن گیا تو سارے ذرّات منتشر ہو گئے، بکھر گئے۔ پھر یہ چیزیں کیسے پیدا ہوں گی؟ وہ حیرت سے کہتے ہیں آؤ! تمہیں وہ بندہ دکھائیں جو کہتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر پیدا کیے جاؤ گے۔

اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ایک ذرّے میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں اور وہ کیا سے کیا بن کر کہاں پہنچتا ہے، اللہ جانتا ہے۔ کہاں کہاں سے غذائیں اور دوائیں آتی ہیں جو ہم کھاتے ہیں اور وہ ذرّات ہمارے وجود کا حصّہ بنتے ہیں۔ مر کر اتنے ذرّات نہیں بکھر سکتے جتنے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں بکھرے ہوں گے۔ جس نے پہلی دفعہ ذرّات کو انسان بنا دیا تو کیا وہ پھر نہیں بنا سکتا؟ فرمایا، لیکن یہ کافر بڑی حیرت سے کہتے ہیں کہ آؤ! آپ کو ایسا

بندہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دکھائیں جو کہتا ہے کہ تم مر کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر پیدا کیے جاؤ گے۔

دراصل کفر ایک تاریکی ہے، ایک پردہ ہے ایک حجاب ہے جو علم سے بے بہرہ رکھتا ہے۔

اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں:

جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ تمہیں اس بندے کے بارے بتائیں جو کہتا ہے کہ جب تم ذرّات میں ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تمہیں پھر سے پیدا کیا جائے گا اور کہتے ہیں: اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔۔۔ یہ بندہ یا تو اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے اَمْ بِہٖ جِنَّۃٌ۔۔۔ یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے۔ اس پر کسی جن کا اثر ہے اور اُس نے (معاذ اللہ) اس کا دماغ مختل کر دیا ہے کہ ایسی باتیں کر رہا ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ یہ بات کافر کہہ رہے ہیں کہ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔۔۔ یہ بندہ اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے یعنی اللہ کو مانتے بھی ہیں اور کافر بھی ہیں۔ اگر اللہ کو مانتے ہیں تو پھر کافر کیوں ہیں؟ یہی سوال سمجھنے کا ہے۔ اللہ کو ماننا عقل کی مجبوری ہے۔ یہ ساری صنعت، ساری کائنات سوال کرتی ہے کہ اُسے کس نے بنایا؟ بالآخر یہ سوال ایک ہستی پر جا کر رک جاتے ہیں کہ اس نے سب کو بنایا اور یہ اپنی ذات میں خود سے ہے اسے کسی نے نہیں بنایا۔ اُسی ذات کو اللہ ماننا پڑتا ہے ورنہ تو یہ سوال تسلسل سے چلتا جائے گا کہ کس کو کس نے بنایا۔ کافر بھی اللہ کو مانتے ہیں لیکن وہ مانتے اپنے طریقے سے ہیں، اس لیے وہ مان کر بھی کافر ہیں۔ اللہ کو ویسا ماننا جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں، ایمان ہے ورنہ کفر ہے۔ اللہ کو اکثر کافر مانتے ہیں کہ یہ عقل کی مجبوری ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے خلاف اُن کی قوم کے لوگوں نے سازش کی کہ ہر قبیلے سے کچھ نوجوان رات کے اندھیرے میں اُن پر حملہ آور ہوں اور اُنہیں قتل کر دیں۔ صبح یہ کہہ دیا جائے کہ یہ لوگ تو بستی میں تھے ہی نہیں شہر گئے ہوئے تھے تو اتنے قبیلوں سے کون بدلہ لے سکے گا۔ اس مشورے پر بھی وہ کہتے ہیں: قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰہِ (النمل:49)، اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ کوئی پیچھے نہیں رہے گا، سب ساتھ دیں گے۔ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور اللہ کے نبیؑ کے قتل کا سامان بھی کر رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ کافر ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اللہ کو مانتے ہیں اور پھر بھی کافر ہیں۔

فرمایا، یہ اپنی مرضی سے مانتے ہیں۔ انہوں نے خود باتیں گھڑ کر میری طرف منسوب کر رکھی ہیں۔ جیسا میں ہوں ویسا ماننا چاہیے اور یہ منوانا انبیاؑ کا کام ہے۔ نبیؑ وہ ہستی ہے جسے حقیقی معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور جیسی اللہ کی شان ہے ویسے نبیؑ تعلیم فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں تب

مسلمان ہے ورنہ محض اپنی مرضی کے مطابق اللہ کو ماننے سے بات نہیں بنتی۔

گمراہی کا سبب:

فرمایا: بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ۝ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ نبیؐ کو کب مانیں گے، وہ نبوت کی شان اور عظمت، وحیٔ الٰہی کی عظمت کو کیا جانیں گے، وہ کتابِ الٰہی کی صداقت کو کب پائیں گے؟ اس سارے کی بنیاد تو آخرت کے یقین پر ہے، اس بات پر ہے کہ ہمیں واپس بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہونا اور وہاں کھڑے ہو کر اپنے سارے عقائد و نظریات سے لے کر اعمال و کردار کا جواب دینا ہے۔ یہ بات بندے کو نیکی کی توفیق دیتی ہے اور برائی سے بچاتی ہے۔ فرمایا، ان کی مصیبت، ان کی بیماری، اس ساری گمراہی کا سبب یہ ہے کہ: لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ ۔۔۔ انہیں آخرت پر ایمان نہیں ہے، یقین نہیں ہے۔

ہم بھی جب کوئی بات، کوئی کام خلافِ شریعت کرتے ہیں کیا ہمیں آخرت کا یقین ہوتا ہے؟ ہم جب بھی گناہ کرتے ہیں کیا ہمیں یہ خیال ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کا جواب بھی دینا ہوگا اور اس کی سزا بھی بھگتنا ہوگی؟ اگر یہ خیال ہو تو بندہ گناہ ہی نہ کرے۔ گناہ کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ بندے سے آخرت کا یقین اُٹھ جاتا ہے تب ہی وہ گناہ کرتا ہے۔ یہی گناہ کی بنیاد ہے۔ جب حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی ظالم یا کسی بُرے بندے کی بات ہوتی تھی تو آپؒ یہی فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں سے آخرت کا یقین اُٹھ گیا ہے، انہیں آخرت کا یقین نہیں ہے۔

فرمایا، جب اُن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ فِی الۡعَذَابِ ۔۔۔ ایک تو یہ نتیجہ ہوگا کہ آخرت میں اُسے عذاب ہوگا، دنیا میں بھی عذاب ہوگا۔ وہ دنیا میں بھی ایک نظر نہ آنے والی بے چینی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ اُن پر مختلف خوف چھائے رہتے ہیں کہ یہ نہ ہو جائے، وہ نہ ہو جائے۔ کہیں پکڑے نہ جائیں، جیل نہ چلے جائیں، مارے نہ جائیں کوئی قتل نہ کر دے، کوئی بیماری نہ لگ جائے۔ دولت نہ چھن جائے، چوری نہ ہو جائے الغرض دنیا میں بھی پریشانیوں، مصیبتوں اور عذاب میں رہتے ہیں اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہوگا۔ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ۝ اور جو آخرت سے بے فکر ہوتا ہے وہ بہت بڑی گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اُس کی زندگی دیکھ لو، وہ دین سے دور ہو جاتا ہے، گمراہ ہو جاتا ہے اور اُلٹی باتیں کرتا ہے، غلط کام کرتا ہے۔

عبدِ منیب:

فرمایا: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ تو کیا یہ لوگ اپنے آپ پر، اپنے ماحول پر، اپنے آگے پیچھے پر غور نہیں کرتے؟ یہ جس زمین پر بستے ہیں اس پر کبھی اُنہوں نے غور نہیں کیا؟ حال ہی میں ایک امریکی خلاباز کا بیان پڑھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں اللہ پر ایمان تو نہیں رکھتا لیکن جب مجھے خلا میں بھیجا گیا اور میں نے خلا کی وسعتوں سے زمین کو دیکھا تو ایک گیند سا فضا میں تیر رہا ہے۔ کہیں کوئی اس کی Support نہیں، کسی طرف آسرا نہیں، اس کے ساتھ کوئی رسّی نہیں کہ اس سے لٹک رہی ہو، نیچے کوئی ستون (PILLAR) نہیں، ویسے ہی خلا میں تیر رہی ہے۔ یہ دیکھا تو میں نے کہا کہ اس پہ ہم اتنی کائنات آباد کیے ہوئے ہیں، اتنی مخلوق اتنی چیزیں اس پر رواں دواں ہیں اور اس کا کوئی آگا پیچھا ہی نہیں۔ یقیناً کوئی اس کا بنانے والا اور یہاں تھام کر رکھنے والا ہے تو یہ چل رہی ہے ورنہ یہ اپنے آپ تو اس طرح خلا میں نہیں تیر سکتی۔ خلا سے زمین کو تیرتے دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ اس کو بنانے اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس کے بنانے والے نے ہی اسے تھام رکھا ہے۔

وہ بات یہاں ارشاد ہو رہی ہے: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۔۔۔ یہ اپنے آگے پیچھے نہیں دیکھتے مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ کیا انہوں نے آسمان اور زمین میں نظریں نہیں کیں کہ یہ کس آسمان کے نیچے آباد ہیں، یہ کس زمین پر بس رہے ہیں؟

فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ ۔۔۔ اگر ہم چاہیں تو ہم زمین کو نرم کر دیں اور یہ زمین میں دھنستے چلے جائیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسی زمین کو دلدل بنا دیں اور یہ اسی میں غرق ہو کر مر جائیں۔

کیا زمین کے ٹکڑوں پر دلدل نہیں بن جاتی؟ اس میں پھر جانور، انسان اور چیزیں غرق ہو کر گل سڑ نہیں جاتے؟ فرمایا، ہم چاہیں تو اُن کی بڑی بڑی آبادیوں کو غرق کر دیں زمین میں دھنسا دیں اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ۔۔۔ یا ان پر آسمان کے ٹکڑے توڑ کر گرا دیں پھر انہیں کون بچائے گا؟ یہ کیسی چھت ہے کہ بغیر دیواروں اور ستونوں کے سر پر کھڑی ہے ہر طرف سے محیط ہے۔ اگر یہ چھت توڑ کر گرا دیں تو کیا کر لیں گے؟ اگر دوسری یا تیسری منزل سے چیز گرے تو وہ گولی سے زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ اگر آسمان کی بلندیوں سے اس کے ٹکڑے ٹوٹ کر گریں تو زمین کا اور مخلوق کا کیا حشر ہو؟

فرمایا، کیا انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ زمین کو کس نے تھام رکھا ہے جس پر یہ آباد ہیں؟ اس میں زرخیزیاں اوران کی حیات کے وسائل کون پیدا کر رہا ہے۔ یہ کیسی زمین ہے جو زندوں کے لیے بھی کافی ہے اور مُردوں کے لیے بھی کافی ہے۔ ہر ایک کو سنبھالا ہوا ہے۔ اگر ہم اس میں انہیں دھنسا دیں تو یہ کیا کریں گے یا ان پر آسمان کے ٹکڑے توڑ کر گرا دیں تو یہ کیا کرلیں گے؟

فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ اس ساری بات میں، اس سارے بیان میں کتنے عجیب وغریب دلائل دیے گئے، کتنی باتیں کی گئیں لیکن ان سب باتوں میں اس بندے کے لیے نشانیاں ہیں جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ جتنا قصہ بیان ہوا ہے اس میں اُن بندوں کے لیے نشانیاں ہیں جنہیں میرے ساتھ تعلق نصیب ہے۔ جو میری عظمت کے قائل ہیں جنہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام رکھا ہے، جن کے دلوں میں انابت ہے، رجوع الی اللہ ہے، جن کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم ہے اوراُن کا شعور سلامت ہے۔ اُنہیں ان باتوں میں بڑے دلائل ملیں گے۔

عبدِ منیب کون ہے؟ جو رجوع الی اللہ کرنے والا ہے۔ رجوع الی اللہ کیسے کرے گا؟ اللہ کا پتا تو ملتا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہے، کتاب اللہ کو مانتا ہے اور اللہ سے امیدِ کرم رکھتا ہے۔ وہی عبدِ منیب ہے اوران باتوں کی سمجھ عبدِ منیب کو ہی آتی ہے۔

سورۃ سبا رکوع 2 آیات 10 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ
الْحَدِيْدَ ۙ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ
وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ
وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا
يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا
اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِىَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ
الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ
تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ
الْمُهِيْنِ ؕ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ
كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾
فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ
ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا
كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِىْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِىْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِىَ وَاَيَّامًا
اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ

اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾
وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ
هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

اور یقیناً ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بزرگی بخشی تھی (کہ) اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو اور پرندوں کو (مسخر فرمایا) اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم فرما دیا ﴿۱۰﴾ کہ کشادہ زرہیں بنائیں اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑیں اور نیک کام کریں۔ بے شک ہم تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ اور سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ہوا کو (مسخر فرما دیا) کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی تھی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی تھی اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں سے بعضے وہ تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا تو اس کو ہم (جہنم کی) آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ﴿۱۲﴾ ان کے لیے وہ چیزیں جو وہ بنوانا چاہتے، بناتے تھے (جیسے) بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں (جو) ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد (علیہ السلام) کی اولاد (میرا) شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر فرمایا تو (جنات کو) کسی چیز سے ان کے مرنے کی خبر نہ ہوسکی یہاں تک کہ گھن کے کیڑے نے جو ان کے عصا کو کھا تا رہا۔ سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے ﴿۱۴﴾ یقیناً سبا (کی قوم) کے لیے ان کے وطن میں نشانی (موجود) تھی (یعنی) دو باغ (ایک) دائیں اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کے دیے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ (کیا) عمدہ شہر اور بخشنے والا

پروردگار (اللہ) ﴿۱۵﴾ سوانہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے ان کے اندر دورویہ باغات کو ان دو باغوں میں بدل دیا جن میں (یہ چیزیں رہ گئی تھیں) بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری ﴿۱۶﴾ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکرے کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿۱۷﴾ اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت کر رکھی ہے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان کے درمیان سفر کا (ایک خاص) انداز رکھا تھا کہ ان میں رات اور دن بے خوف وخطر چلتے رہو ﴿۱۸﴾ تو انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں میں لمبائی بڑھا دے اور انہوں نے اپنے حق میں زیادتی کی سو ہم نے ان کو فسانہ بنا دیا اور انہیں بالکل تتر بتر کر دیا بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۱۹﴾ اور واقعی ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں اپنا گمان صحیح پایا پھر ایمان والوں کی ایک جماعت کے علاوہ وہ اس کے پیچھے چل دیے ﴿۲۰﴾ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر (مقصود یہ تھا) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو ان لوگوں سے الگ کریں جو اس میں شک رکھتے ہیں اور آپ کا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿۲۱﴾

تفسیر ومعارف

اللہ کریم کا بہت بڑا احسان:

فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۔۔۔ ہم نے اپنی طرف سے داؤد علیہ السلام کو بڑی بزرگی بخشی تھی۔ اُنہیں بہت بڑا مقام ومرتبہ عطا فرمایا تھا یہاں تک کہ: يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۔۔۔ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی حکم دیا کہ وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر کیا کریں، تسبیح کیا کریں۔ چنانچہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح کرتے تھے تو اُن کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے اور حیوانات، پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔

یوں تو ہر شئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) کائنات میں

کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو چونکہ کائنات کی ہر چیز کا مدارِ حیات ہی اللہ کی تسبیح پر ہے جو چیز اس کے ذکر سے غافل ہوتی ہے مٹ جاتی ہے۔ ہر لمحہ، ہر آن ہر ذرّہ، ہر پتا، ہر قطرہ، ہر چیز اللہ کا ذکر کر رہی ہے لیکن کسی دوسرے کو سمجھ نہیں آتی، پتا نہیں چلتا۔

مفسرینِ کرام لکھتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے ذکر کرتے تھے تو عام آدمی بھی اُن کا ذکر سنتا تھا یعنی زبانِ حال سے نہیں بلکہ زبانِ قال سے ذکر کرتے تھے۔

قرآنِ کریم میں جب اس طرح کے مقام آتے ہیں تو آج کل کے ''روشن خیالوں'' پر بہت گراں گزرتے ہیں۔ پھر وہ ان کی عجیب وغریب تشریحات وتصریحات کرتے ہیں اور بہانے تراشتے ہیں کہ چونکہ اُنؑ کی آواز بہت اچھی تھی تو یوں پتا چلتا تھا کہ پہاڑ جھوم رہے ہیں، اسے قرآن نے ذکر کہہ دیا۔

یاد رہے قرآنِ کریم اللہ کا ذاتی کلام ہے اور یہ کوئی بات روایتی نہیں فرماتا، جو فرماتا ہے وہ حق ہے۔ اس میں جو ارشاد ہوا وہ بعینہٖ ویسا ہی ہوتا ہے، وہ عین حق ہوتا ہے۔ جب پہاڑوں کو حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر کیا کرو تو جب وہؑ ذکر کرتے تھے تو واقعی پہاڑ اُن کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور یہ ذکر عام آدمی بھی سن سکتا تھا۔ اسی طرح پرندوں کو حکم دیا کہ اُنؑ کے ساتھ ذکر کریں اور یہ اُنؑ کی بزرگی کی دلیل ہے۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے ساتھ بہت سے لوگ ذکر میں شامل ہو جائیں تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ اللہ کی رحمت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ کوئی خود ذکر کرے لیکن اگر اس کے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہوتے جائیں تو یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ اللہ کا بہت کرم ہے۔

ایجادات:

فرمایا: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۔۔۔ اور ہم نے اُن کے لیے لوہے کو نرم فرما دیا کہ کشادہ زرہیں بنائیں اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑیں۔

اللہ کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا اور انہیں لوہے کا لباس جسے زرہ کہتے ہیں بنانے کا حکم دیا۔ جب دست بدست تلواروں سے جنگ ہوتی تھی تو زرہیں پہنی جاتی تھیں۔ آج کل بندوقوں اور گولیوں کا زمانہ ہے چنانچہ LIFE JACKETS پہنی جاتی ہیں۔

علما فرماتے ہیں کہ زرہ کے موجد حضرت داؤد علیہ السلام ہیں اور انہیںؑ یہ علم منجانب اللہ عطا ہوا۔ لوہا اُنؑ کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا تو انہیں حکم دیا کہ آپؑ زرہیں بنائیں اور وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۔۔۔ انہیں خوبصورت انداز میں

بنائیں ان کے کنڈوں اور کڑوں میں توازن رکھیں۔ چونکہ وہ کنڈے سارے دائرے دائرے مل کر ایک جال سا بنا ہوتا ہے تو حکم ہوا کہ وہ اندازے سے ایک جیسے اور خوبصورت بنائیں۔

اللہ کریم نے اُنہیں زرہیں بنانی سکھا دیں اور سب سے پہلے یہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی۔ یہ زرہ بکتر حضرت داؤد علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾ اور نیک عمل کریں، نیکی کریں۔ یہاں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کی پیدا کردہ چیزوں سے تحقیق کر کے انسانی بہتری کے لیے کچھ ایجاد کرنا اور اُسے لوگوں کے لیے عام کرنا، اگر ایمان نصیب ہو تو یہ بجائے خود ایک عبادت ہے۔

دنیا کی بہترین اور بڑی ایجادات تاریخ میں تلاش کی جائیں تو سب مسلمانوں نے کی ہیں۔ اہلِ مغرب نے انہیں مزید سنوار کر اپنے نام کر لیا اور تاریخِ اسلام کو چھپا دیا گیا۔ ورنہ جتنے کمالات آج نظر آتے ہیں اُن کے مؤجد بنیادی طور پر مسلمان ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾ تم جو کچھ کرتے ہو میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔ تم کس ارادے سے کام کرتے ہو، کس نیت سے کرتے ہو۔ لوگوں کی بہتری کے لیے کرتے ہو یا تمہاری نیت میں کوئی فتور ہے، لوگوں کو دھوکا دے کر پیسے بٹورنا چاہتے ہو۔ جو بھی کر رہے ہو اللہ کے روبرو کر رہے ہو تو جیسا تمہارا اخلوص ہو گا جیسی نیت ہو گی، جو چیز تمہارے دل میں ہو گی ویسے ہی نتائج مرتب ہوں گے چونکہ اللہ کریم سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔

فرمایا: وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۔۔۔ اور ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا جو انہیں سفر کراتی تھی۔ وہ ایک مہینے کی راہ صبح طے کر لیتے تھے اور مہینہ بھر کی راہیں شام کو طے کر لیتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر کے بارے ملتا ہے کہ وہ بمع لاؤ لشکر یعنی اپنی فوج اور ہمراہیوں کے ساتھ سفر کرتے تھے جن میں حیوانات اور جنات بھی ہوتے۔ گھوڑے اور دیگر جانور بھی ہوتے، پرندے اور انسان بھی ہوتے تھے۔ گویا ہوائی جہاز حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایجاد ہے اور آج بھی ہوائی جہاز کی سائنس یہی ہے کہ اسے ہوا اُڑاتی ہے۔ ہوائی جہاز کے انجن میں ایسا نظام ہوتا ہے جو باہر سے کھلی ہوا کو کھینچ کر بہت قوت سے باہر نکالتے ہیں۔ وہ ہوا جب زور سے پیچھے سے نکلتی ہے تو جہاز کو آگے دھکیلتی ہے۔ اُسی پر جہاز اُڑتا ہے۔ جتنی طاقت کی ہوا ہوتی ہے، جس زور سے انجن اسے باہر نکالتے ہیں اسی پر جہاز کی رفتار کا مدار ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو انجن بنانے کی ضرورت نہیں تھی، اللہ کریم نے ہوا کو اُن کے تابع کر دیا تھا۔ وہ دو مہینوں کا سفر ایک دن میں، صبح شام میں طے کر لیتے تھے یعنی دن میں آرام کر کے بھی طے کر لیتے۔ اب اس کی

صورت کیا تھی، اُن کی سواری یا تخت کتنا بڑا تھا، وہ ایک تھا یا متعدد ہوتے تھے جن پر سارا لاؤ لشکر سما جاتا تھا؟ اس کی تفصیل نہیں ملتی۔

فرمایا: وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ ۔۔۔اور ہم نے اُن کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔ زمین سے پگھلا ہوا تانبا چشمے کی طرح اُبلنا شروع ہو گیا۔

تسخیرِ جنّات:

فرمایا: وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنۡ يَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۱۲﴾ اور جنّات میں سے بعضے وہ تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی اُن میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا تو اس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔

جنّات کو حکم تھا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کی غلامی کریں، اُن کے کام کاج اور تابعداری کریں۔ آپؑ ان سے کام لینے پر قادر تھے۔ جو خوشی سے کام نہیں کرنا چاہتے تھے ان سے زبردستی بیگار لینے پر قادر تھے لیکن جو انکار کرتے یا جن سے زبردستی کام کروایا جاتا انہیں جہنم کا عذاب ہوگا۔ انہیں اس دردناک عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

جنّات، سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت سے کام کرتے تھے جن کی تفصیل قرآنِ کریم نے بھی دی ہے۔

فرمایا: يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ۔۔۔ جو حکم سلیمان علیہ السلام جنّات کو دیتے، جو کچھ بنوانا چاہتے، جنّات اُن کے لیے بناتے تھے۔ بڑی بڑی عمارتیں بڑے بڑے محلات، قلعے جنّات تعمیر کر دیتے تھے۔ وَتَمَاثِيۡلَ ۔۔۔ اور جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت خوبصورت مورتیاں تراشتے تھے کہ اُنؑ کی شریعت میں جائز ہوں گی۔ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ ۔۔۔ اور ایسے بڑے بڑے لگن جیسے تالاب ہوں جس میں سارا لاؤ لشکر کھانا کھاتا ہو اور وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ۔۔۔ اتنی بڑی بڑی دیگیں بناتے جن میں کھانا پکتا تھا۔ جو اپنی جگہ سے ہلائی نہیں جا سکتی تھیں۔ حوض اور تالاب جیسے بڑے بڑے لگن جن میں کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ جنّات سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے گئے تھے اور اُنؑ کی خدمت کرتے تھے، سمندروں اور دریاؤں میں سے جواہرات و موتی نکال لاتے تھے۔ پہاڑوں میں سے ہیرے تراش کر لے آتے تھے۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام جنّات سے خدمت لینے کے لیے کوئی وظیفہ نہیں پڑھتے تھے یعنی ایسا نہیں تھا کہ اُنہیں کوئی وظیفہ دیا گیا اور جن اُن کی اطاعت کرتے بلکہ اللہ کریم کے حکم سے جنّات اُنؑ کے تابع ہو گئے تھے۔ جنّات اُنؑ کی بات ٹال ہی نہیں سکتے تھے۔ جو خوشی سے مانتے اللہ کریم اُن کو بخش

دیتے لیکن مانی اُسے بھی پڑتی تھی جو بے دلی سے مانتا تھا، اُسے اُس بے دلی کا عذاب دیا جائے گا لیکن انکار کوئی جن نہیں کر سکتا تھا کیونکہ جنات تابع کر دیے گئے تھے۔ اگر کوئی وظیفہ پڑھے بغیر چلّہ کاٹے بغیر یا بغیر خاص کلمات پڑھے جنات کسی کی خدمت کر دیتے ہیں تو یہ انبیاؑ سے صادر ہو تو معجزہ ہے اور اولیا سے صادر ہو تو کرامت ہے۔ انبیاؑ کی خدمت تو یہاں سے ثابت ہوگئی بعد میں صحابہ کرامؓ سے بھی ثابت ہے۔

صاحب تفسیر 'سراجِ منیر' نے صحابہ کرامؓ کے نامِ مبارک بھی گنوائے ہیں جن کے ذاتی کام جنات کر دیا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ اسمائے گرامی میں، سیدنا عمر بن الخطابؓ، ابوایوب انصاریؓ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبلؓ، اُبَی بن کعبؓ اور ابو ہریرہؓ۔

ان کے علاوہ بہت سے صحابہؓ اور بھی تھے جن کی خدمت جنات کر دیتے تھے۔ جنات کو مسخر کرنے کے لیے چلّے کاٹنا یا وظیفے پڑھنا جائز نہیں ہے اور اس کے مختلف مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ عموماً جو یہ عامل پڑھتے ہیں وہ شیطان کی بتائی ہوئی کفریہ باتیں ہوتی ہیں اور اُن کے پڑھنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

یہ شیاطین اور جن، عامل کے تابع نہیں ہوتے۔ اُس سے ملتے رہتے ہیں، اُس کے پاس آجاتے ہیں اور اس کے کہنے پر کوئی چھوٹا موٹا کام بھی کر دیتے ہیں لیکن دراصل اسے ذریعہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اُن کے عقائد خراب کرتے ہیں۔ عامل سمجھتا ہے کہ جن اُس کے تابع ہیں لیکن درحقیقت شیاطین اور جنات نے اُسے اپنے تابع کر رکھا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے بے شمار لوگوں کے ایمان و کردار تباہ کرواتے ہیں۔ لوگوں سے برائیاں کرواتے ہیں، گناہ پھیلاتے ہیں۔

ایسے جملے جن میں کفر ہو اُن کا وظیفہ پڑھنا یا چلّہ کاٹنا کفر ہے۔ کوئی ایسا کلام جس کا معنیٰ معلوم نہ ہو، اس کا پڑھنا بھی حرام ہے۔ کیا خبر اُس کے معنیٰ میں کفر ہے یا شرک پوشیدہ ہے۔ یہ عمل کرنا یعنی جنات کو تابع کرنے کے لیے کوئی وظیفہ یا چلّہ کاٹنا سرے سے منع ہے۔ اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اللہ نے اپنی ساری مخلوق کو آزاد پیدا کیا ہے۔ سب اللہ کے غلام ہیں، کوئی کسی دوسرے کا غلام نہیں۔ سب کو اللہ کی اطاعت کرنی ہے اور جو طریقۂ زندگی اللہ کریم نے عطا فرما دیا ہے اُس کے مطابق رہنا ہے۔

علما فرماتے ہیں کہ اگر جائز کلام ہو جیسے قرآن یا حدیث میں سے ہو یا کوئی وظیفہ ہو جس کا مفہوم درست ہو اور اس غرض سے پڑھا جائے کہ اس سے جنات کے شر سے خود بچا جائے یا دوسروں کو بچایا جائے تو یہ جائز ہے۔ البتہ علما لکھتے ہیں کہ اس پر لوگوں سے اجرت لینا، اسے پیشہ بنانا حرام ہے۔ یہ کوئی پیشہ نہیں ہے کہ جنات قابو کیے جائیں اور ان کے ذریعے دولت کمائی جائے۔ یہ حرام ہے۔ لوگوں سے اجرت لینا کہ یہ تعویذ دوں گا اس سے جن کے شر سے

نجات پالیں گے تو یہ پیشہ بنانا حرام ہے حالانکہ علاج کی اجرت حلال ہے اور یہ بھی ایک علاج ہے لیکن اس میں چونکہ وظائف اور چلّے آ جاتے ہیں اس لیے اسے پیشہ بنانے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ ایسے وظیفے پڑھتے ہیں کہ جنّات آ کر اُن کے مصلّے کے نیچے پیسے رکھ جاتے ہیں۔ پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ جی ہم تو مصلّے پر بیٹھتے ہیں اور اس کے نیچے سے پیسے نکل آتے ہیں۔ کیا جنّات نے کوئی ٹکسال لگا رکھی ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی نوٹ چھاپنے کی مشین ہے کہ وہاں سے چھپوا کر لے آتے ہیں؟ اگر جنّات لاتے ہیں تو وہ کسی اور کے اُٹھا کر مصلّے کے نیچے رکھ جاتے ہیں تو وہ حرام ہو گئے۔

یاد رہے دولت کمانے کے صرف چار معروف ذرائع ہیں، تجارت، ملازمت، مزدوری یا کاشتکاری۔ اس کے علاوہ سب ہیر پھیر ہے، ناجائز ہے۔

آج کل کے عامل لوگوں کے پیسوں پر عیش کر رہے ہیں اور اکثر سننے میں آتا ہے کہ اگر کوئی ان کی بات نہ مانے تو ان کے پیچھے جن لگا دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی سنا ہے کہ جی میں فلاں پیر کے پاس جاتا تھا تو اب یہاں اللہ اللہ کرتا ہوں وہاں نہیں جاتا تو اُس نے میرے پیچھے جن لگایا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ جن پیچھے لگائے یا دیو یہاں تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تم اللہ اللہ کرو۔ چونکہ جہاں اللہ کا نور ہوتا ہے وہاں جنّات اور شیاطین نہیں آ سکتے کہ وہ انوارات کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔

جن لوگوں نے اسے پیشہ بنایا ہوا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے یٰس شریف پڑھی اور جن تابع ہو گئے انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جن تابع کرنے کے لیے یٰس شریف پڑھنا حلال یا جائز نہیں ہے۔

قرآنِ کریم نصابِ حیات ہے۔ اُسے ماننا، پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے کہ کیسے جینا ہے، کیسے مرنا ہے، زندگی کیسے بسر کرنی ہے۔ یہ پورے نظامِ حیات کو زیرِ بحث لاتی ہے کہ کس طرح کے تعلقات کس فرد سے ہوں گے۔ والدین، اولاد، دوستوں، دشمنوں، رشتہ داروں سے، قوم سے اور بین الاقوامی سطح پر کیا تعلقات ہوں گے۔ یہ زندگی کی کتاب ہے اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا زندگی کا مقصد ہے۔ یہ کوئی جادو کی کتاب نہیں ہے۔ عامل اسے اُلٹ پلٹ پڑھتے ہیں، یہ شیطان کرواتا ہے، عجیب عجیب چکمے دیتا ہے۔ یہ لوگ اُلٹی آیات لکھیں گے۔ قرآن میں تحریف کریں گے پھر کبھی مرغ کے خون سے آیات لکھیں گے۔ دمِ مسفوح تو حرام ہے یعنی مرغ حلال کرتے ہیں جو خون بہتا ہے وہ حرام ہے تو اُس سے یہ قرآنی آیات لکھتے ہیں۔ یہاں تک معاذ اللہ سُنا گیا ہے کہ پیشاب سے بھی لکھتے ہیں تو یہ سب حرام کام ہیں۔ ایسے لوگ قابلِ نفرت ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ گمراہ ایسے عاملوں کو بزرگ بنا لیتے ہیں، پیر بنا لیتے ہیں، شیرینیاں دیتے ہیں اور ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اُن کے

عقائد وکردار خراب ہوجاتے ہیں اور قبر اور عاقبت تباہ ہوجاتی ہے۔

تمثیل، تصویر، حلال یا حرام:

اللہ کے حکم سے جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کرتے تھے اور آپؑ جو چاہتے اُن سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے جنات سے بڑے بڑے مضبوط قلعے اور خوبصورت محلات بنوائے۔ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ ۔۔۔ بڑی خوبصورت عمارتیں اور خوبصورت مورتیاں بنوائیں۔

تمثیل سے مراد ہے مجسمہ یعنی ایک ایسی چیز جس کی تھری ڈائمنشن ہو۔ جس کا طول وعرض اور اونچائی موٹائی ہو۔ وہ بت ہوسکتا ہے۔ یا مورتی ہوسکتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تمثیل حلال ہوگی تب ہی اُن کے لیے جنات بناتے تھے اور تفاسیر میں تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر موروں وغیرہ کی تصاویر بنی ہوتی تھیں۔

اسلام نے مورتی کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے اور یہ بنانا جائز نہیں ہے۔ یہاں یہ بحث بھی آجاتی ہے کہ تصویر بنانا جائز ہے یا نہیں، حلال ہے یا حرام؟

تصویر کے معاملے میں علما کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ جس طرح مورتی بنانا جائز نہیں ہے اسی طرح تصویر بھی جائز نہیں ہے۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ تمثیل یا مورتی بنانا حرام ہے لیکن تصویر پر حرمت نہیں ہے۔ یعنی بندے کی سر سے پاؤں تک تصویر ہوگی تو وہ تصویر شمار ہوگی۔ اگر پیٹ سے اوپر اوپر ہو جیسی شناختی کارڈ پر لگی ہوتی ہے یا نوٹ پر بنی ہوتی ہے تو یہ سرے سے تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتی۔ کسی کے آدھے دھڑ کو اگر کاٹ دیں تو اس میں زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جس تصویر میں زندگی کا تصور نہ ہو وہ تصویر کے حکم میں نہیں آتی۔

عہدِ فاروقی میں غالباً قسطنطنیہ جو اس وقت روم کا حصّہ تھا اُس کا ایک بہت بڑا گرجا فتح کیا گیا۔ اس کی دیواروں، ستونوں اور محرابوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہ السلام اور فرشتوں کی خیالی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ دار الخلافہ کو یہ گزارش بھیجی گئی کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ گرجا مسجد بن جائے لیکن اس کے در و دیوار پر تصاویر ہیں۔ اگر انہیں مٹاتے ہیں تو یہ خوبصورت عمارت خراب ہوجائے گی، جگہ جگہ سے پلستر اُکھڑ جائے گا لیکن اگر ایسے ہی رہنے دیں تو اس میں نماز کیسے ہوگی؟ اس پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکم بھیجا تھا کہ جو تصاویر بنی ہوئی ہیں اُن کے چہرے کے نقش مٹا دیے جائیں، آنکھیں، ناک مٹا دیے جائیں باقی تصویر رہنے دی جائے۔ چونکہ چہرے کے بغیر زندگی کا تصور نہیں ہے تو جب چہرہ صاف کر دیا جائے گا تو یہ تصویر ہی نہیں رہے گی۔ چنانچہ اُن تصاویر کے

کان، آنکھ، ہونٹ وغیرہ صاف کر دیے گئے تو وہ تصویر کے حکم سے خارج ہو گئیں۔

یہ بحث فضول ہے کہ نوٹ پر تصویر کیوں ہے یا شناختی کارڈ پر کیوں ہے۔ اس لیے کہ یہ تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتی۔ جو ویسے بھی لوگوں کے پاس آدھی آدھی تصویریں ہوتی ہیں، جن میں زندگی کا تصور نہیں ہے وہ تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتیں۔

آج تصویر علاج معالجے میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کی تلاش کرنے، شناخت کرنے میں بھی استعمال ہوتی ہے، اشتہار دینے میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ آج تصاویر کی کوئی حرمت باقی نہیں رہی۔ حکمرانوں سے لے کر علمائے کرام اور گدی نشینوں کی تصاویر سے لے کر عام دیہاتی مولوی تک سب کی تصویریں چھپتی ہیں۔ آج کے عہد میں اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی کہ پھر وہ کاغذ ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں۔ لوگ اس میں چیزیں باندھ کر خرید رہے ہوتے ہیں۔ اب اس تصویر کو کوئی اس نظر سے نہیں دیکھتا۔

ایک رویہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جن بڑے بڑے لوگوں کی تصاویر چھپتی ہیں وہ کہتے ہیں کہ تصویر جائز ہے۔ جن کی کوئی چھاپتا نہیں وہ حرمت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ ٹی وی پر اگر مدعو کر لیے جائیں تو سب تیار ہو جاتے ہیں اور حلال حرام بھول جاتے ہیں۔ بہر حال تصویر عہد حاضر کی ضرورت ہے اور ضرورت کے لیے جو بنائی جاتی ہے مثلاً شناخت کے لیے یا بیمار کے علاج معالجہ کے لیے ایکسرے وغیرہ تو اُن کا شرعی جواز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شکر:

فرمایا: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا۔۔۔ اے داؤد (علیہ السلام) کی اولاد (میرا) شکر ادا کرو۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔ اللہ کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت بزرگی بخشی تھی، بہت بڑا مقام عطا کیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا، جنات کو اُن کے تابع کر دیا تھا جن سے وہ خدمت لیتے تھے۔ چنانچہ حکم ہو رہا ہے کہ اے داؤد (علیہ السلام) کے گھر والو! اللہ کا بہت زیادہ شکر کرو۔

کسی کو حکومت واقتدار ملتا ہے، دولت ملتی ہے، اچھے مکان وسواری ملتی ہے، اچھی غذا ملتی ہے، معاشرے میں احترام ملتا ہے یا کسی کو کوئی فن یا ہنر ملتا ہے جو اُسے لوگوں کا محبوب بنا دیتا ہے، دولتمند کر دیتا ہے۔ جو نعمت بھی ملتی ہے اُس پر اللہ کا اتنا زیادہ شکر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

انسان کو ٹھوکر یہاں لگتی ہے کہ وہ ان نعمتوں کو اپنا کمال سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ نعمتیں اُسے اپنی عقلمندی اور سمجھ بوجھ کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہیں۔ فرمایا، جو ملتا ہے اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور وہی آزمائش بن

جاتا ہے اور جتنی زیادہ نعمتیں ملتی ہیں اتنا زیادہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

یہ بھی بڑا سوال بن جاتا ہے کہ شکر کیا ہے اور کیسے ادا کیا جاتا ہے؟

یہاں صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کی کہ یا اللہ! یہ شکر کرنے کی توفیق بھی تو آپ نے دی تو پھر میں کس طرح آپ کا شکر ادا کروں؟ میں تو نہیں کر سکتا۔ میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اب تو نے شکر ادا کیا۔

اس حقیقت کو پالینا کہ ہم تو اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے، شکر ہے۔ انسان کیسے شکر ادا کر سکتا ہے کہ جو عبادت وہ کرتا ہے اس کے لیے اعضاو جوارح صحت، طاقت وتوفیق بھی اللہ نے دی۔ ایمان لاتا ہے تو ایمان لانے کی توفیق بھی اللہ نے دی۔ قرآن سیکھتا ہے یا دین سیکھتا ہے تو وہ توفیق بھی اللہ نے دی۔ سب کچھ تو اللہ نے دیا حتیٰ کہ شکر کرتا ہے تو شکر کرنے کی توفیق بھی اللہ نے دی۔

اللہ جل شانہ کی عبادات کو بجالانا، محنت کرنا، عملی زندگی میں اطاعت کو بجالانا اس احساس کے ساتھ کہ یہ سب بھی اُس کی توفیق ہے، اُس کا احسان ہے اس نے ہمت وتوفیق دی ہے تو کر رہا ہوں، یہ ادائے شکر ہے۔

جنّات غیب کا علم نہیں رکھتے:

بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بے شمار جنّات اور دیو کام میں لگے رہے اور عمارت بنتی رہی۔ وہ اپنے شاہی محل کے کمرے میں جو شیشے کا بنا ہوا تھا، اس میں تشریف لے جاتے تو پردے ہٹا دیے جاتے اور آپؑ جنّات کے کام کا ملاحظہ فرمایا کرتے۔

فرمایا، جب سلیمان علیہ السلام کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا: فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ ـــ جب ہم نے اُن پر موت کا حکم صادر کر دیا تو (جنّات کو) کسی بھی طرح سے ان کے مرنے کی خبر نہ ہو سکی۔ چونکہ جنّات تو تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ جب آپؑ کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو آپؑ اس شیشے کے کمرے میں تشریف لے گئے اور اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو گئے تو موت وارد ہو گئی۔ ایک سال آپؑ اسی لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے اور تعمیر ہوتی رہی۔ آپؑ کے چند مصاحبوں کے سوا کسی کو آپؑ کے وصال کے بارے علم نہ ہو سکا۔ جنّات کو بھی خبر نہ ہوئی کہ جب معائنہ کا وقت آتا تو پردے ہٹا دیے جاتے اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ اگر کوئی دیکھنے کی جرأت کرتا تو آپؑ کو کھڑا ہوا دیکھتا۔ معائنے کے بعد پردے بند کر دیے جاتے اور یوں سال بھر تعمیر جاری رہی۔ جنّات آپؑ کے وجودِ عالی کو کھڑا دیکھتے رہے اور سال بھر مشقت میں لگے رہے۔ جب مسجد

مکمل ہوگئی اور اللہ کریم نے چاہا تو: اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۔۔۔ آپؑ کی لاٹھی مبارک کو گھن کھا گیا، وہ لاٹھی ٹوٹ گئی اور وجودِ اطہر فرش پر آ رہا تب جنات کو پتا چلا کہ آپؑ کا وصال ہو چکا ہے۔

فرمایا: فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

عام طور پر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جنات غیب جانتے ہیں۔ اگر جنات غیب کا علم رکھتے تو خواہ مخواہ سال بھر مشقت میں کیوں لگے رہتے۔ اُنہیں تو سلیمان علیہ السلام کے وصال کا پتا ہی تب چلا جب اللہ کے حکم سے گھن نے آپؑ کی لاٹھی مبارک کھالی اور اُس کے اچانک ٹوٹنے سے وجودِ عالی فرش پر آ رہا۔ اُنہیں تب سمجھ آئی کہ ہمیں تو ویسے ہی مشقت میں لگائے رکھا گیا تھا۔ لہٰذا جنات غیب نہیں جانتے۔ غیب جاننا صرف اللہ کو زیبا ہے کہ وہی غیب دان ہے۔

جنات لطیف وجود رکھتے ہیں۔ یہ جو بجلی ہم جلا رہے ہیں کیا اس کے آنے جانے میں کوئی دیر لگتی ہے؟ یہ اسی کے کرشمے ہیں کہ فون میں ایک چھوٹی سی بیٹری ہوتی ہے اور ہم یہاں بٹن دباتے ہیں تو ایک لمحے میں دنیا کے دوسرے سرے پر بات کر لیتے ہیں۔ برطانیہ، چین، امریکہ، افریقہ جہاں چاہیں بات کر لیتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ سامنے بیٹھ کر بات کر رہے ہیں حالانکہ بات تو وہاں سے آ رہی ہوتی ہے۔ یہ سب بجلی ہی کے کرشمے ہیں کہ اتنی دور بات ہو جاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ بات کرنے والا سامنے بیٹھ کر بات کر رہا ہے تو جنات تو بجلی سے لطیف تر ہیں۔ وہ بجلی سے زیادہ تیزی سے دنیا کے گرد گھوم سکتے ہیں۔ یہ آوارہ گرد ہوتے ہیں۔ یہاں کی بات دیکھی، وہاں کی دیکھی، کچھ ساتھ جھوٹ ملایا اور آ کر لوگوں کو بتا دیا تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ غیب بتا رہے ہیں جبکہ جنات غیب نہیں جانتے۔

حیاتُ النبیؐ:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ۔۔۔ پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر فرمایا۔ یاد رہے کہ موت کا لفظ تو ایک ہی ہے لیکن ہر بندے کی موت مختلف ہے۔ کافر اور بدکار بھی سب ایک جیسی موت نہیں مرتے۔ جتنا کسی کا کفر ہے جتنے کسی کے گناہ ہیں اسی حساب سے موت کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ مومن بھی سارے ایک جیسی موت نہیں مرتے۔ ہر ایک کا ایمان اپنا ہے عقیدہ اپنا ہے تو فرق پڑتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ موت کا ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے کہ جہاں بندہ مر جاتا ہے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اسے مردہ نہ کہو کہ وہ زندہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ

(البقرہ:154) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔

یہ بات تمہاری عقل سے باہر ہے کہ ایک بندے کے بدن کے پرخچے اڑ گئے کفن پہنایا، قبر میں دفن کر دیا تو وہ کیسے زندہ ہے؟ تمہاری عقل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ تم اسے مردہ نہ کہو۔

یہ کون لوگ ہوتے ہیں جو مر کے بھی زندہ رہتے ہیں؟ زندگی کا مطلب ہے کہ بدن سے روح جدا نہیں ہوتی اور وہ زندہ ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاؑ کی اطاعت میں جان دیتے ہیں۔ شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ کی عظمت پر گواہی دیتے ہوئے جان دیتا ہے۔ شہید کا معنیٰ ہے گواہ یعنی وہ جس عقیدے پر قائم ہے، توحید باری پر، عظمتِ باری پر، حقانیتِ نبوت پر، کتاب اللہ کے حق ہونے پر اس عقیدے سے انحراف نہیں کرتا بلکہ اس پر جان دے دیتا ہے۔ اللہ کے دین کے کام میں، اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے، اُس کی رضا کے لیے جان دے دینے والے کو شہید کہتے ہیں۔ گویا اس نے جان دے کر گواہی دی کہ میں حق پر ہوں۔

آج کل تو جسے چور ماردیں وہ بھی شہید اور جو ڈاکہ ڈالتا ہوا مارا جائے وہ بھی شہید اور جو پچاس قتل کر کے پھانسی لگ جائے وہ بھی شہید کہلاتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے: وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ۔۔۔(آل عمران:169) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے اُن کو تم مردہ گمان نہ کرو۔

یہ سوچو بھی نہ کہ شہید مر گیا ہے۔ جو خلوصِ دل سے نبیؐ کی صداقت کی گواہی دیتا ہوا، نبیؐ کی غلامی کرتا ہوا جان دے دیتا ہے، وہ اگر نہیں مرتا تو خود نبیؐ کی موت کیسی ہو گی؟

شہداء کی زندگی کے بے شمار ثبوت ملتے ہیں اور بے شمار ایسے واقعات ہیں جہاں صحابہ کرامؓ کی قبریں صدیوں بعد کھولی گئیں اور وجود صحیح سالم تھے۔ وجود صحیح سالم ہی نہیں تھے بلکہ زندہ موجود تھے کہ اگر انہیں چھیڑا گیا تو خون جاری ہو گیا۔ اُحد کے واقعے کے چالیس برس بعد وہاں سے نہر گزاری گئی، شہدائے اُحد کی قبریں کھولی گئیں تو کسی صحابیؓ کے بدن پر، پاؤں مبارک پر ہتھوڑا لگ گیا جس سے خون جاری ہو گیا۔

اگر نبیؐ کی نبوت کی صداقت پر گواہی دینے والا نہیں مرتا تو نبیؐ کی موت کیا ہو گی؟

اس موضوع پر مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ نبیؐ کی موت عام آدمی کی طرح نہیں ہوتی جس میں روح قبض کر کے پیش کر دی جاتی ہے اور بدن اور روح الگ ہو جاتے ہیں بلکہ بدنِ مبارک ہی روحِ عالی کا مقام ہوتا

ہے۔ روحِ عالی کا جو تعلق امورِ دنیا سے تھا اُسے منقطع کر کے برزخ کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ بدنِ عالی سے روح الگ نہیں کی جاتی اور بدن میں تغیر نہیں آتا۔ جو تعلق بدن کا امورِ دنیا سے تھا یعنی نیکی بدی، گرمی سردی، بھوک پیاس، بول چال الغرض جتنے دنیا کے کام ہیں ان سے بدن کا تعلق توڑ دیا جاتا ہے اور پھر برزخ سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ وہاں کے موسم، وہاں کے شب و روز، بات چیت، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، اُن سے تعلق جُڑ جاتا ہے۔ یہ نبیؐ کی موت ہوتی ہے۔

حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت یہ ہے کہ جیسے ایک بلب جل رہا ہو اور اُس پر ایک فانوس رکھ دیا جائے تو اُس کی روشنی پھیلتی ہے لیکن فانوس کے اندر سے پھیلتی ہے۔ آج بھی یہی کلمہ پڑھا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، بلکہ کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور قیامت تک یہی پڑھا جاتا رہے گا۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے، موت واقع ہوگئی، برزخ میں جلوہ افروز ہیں لیکن روحِ اطہر اور وجودِ عالی ایک ہی جا ہیں۔ وہی حیات ہے اور دنیا سے زیادہ مضبوط حیات ہے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ روضہء اطہر پر جا کر مخاطب کر کے درود پڑھنا چاہیے ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب عطا فرماتے ہیں۔ اگر کوئی دور سے یہی درود پڑھتا ہے تو اُس کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کریم میرا درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا دیں گے۔

کچھ حضرات ایسے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں اور سن رہے ہیں۔ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہیں خود ہی پتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کہیں تشریف لے جائیں بلکہ پوری کائنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جاتی ہے اور اُن کی ذاتِ عالی کے گرد گھومتی ہے۔ مرکز اپنی جگہ نہیں چھوڑتا، باقی سارا دائرہ مرکز کے گرد گھومتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان حضرات کو یہ احساس ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں اور خود سُن رہے ہیں تو کیا یہ لاؤڈ سپیکر پر یوں شور کرتے؟ ان کا لاؤڈ سپیکر پر الصّلوٰۃ وَالسّلام کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں نہیں ہیں۔ تو پھر لاؤڈ سپیکر پر اتنا شور کیوں کرتے ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ یہ دل میں جانتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے ہم نے محض ضد کر رکھی ہے۔ شاید یہ اس کوشش میں ہیں کہ اتنا شور کریں کہ آواز دوسرے ملک تک چلی جائے۔ اللہ کریم کا حکم تو یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے کسی کی آواز بلند نہ ہونے پائے۔ بہرحال لوگوں کے اپنے اپنے نظریات ہیں۔

خوشحالی، نعمتِ الٰہی ہے:

فرمایا: لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۔۔۔ اہلِ سبا کے لیے ان کے گھروں میں، ان کے شہروں میں اللہ کی بہت مہربانی تھی اور عظمتِ الٰہی کے بڑے دلائل تھے، سبا، یمن کا پہاڑی علاقہ تھا جس میں بہت آباد شہر تھے، بڑی بڑی وادیاں، سرسبز و شاداب پھل دار درخت اور ہر طرح کی نعمتیں تھیں۔ ان آبادیوں میں انہوں نے آبی ذخائر بنا رکھے تھے۔ ڈیم کی صنعت بھی اس زمانے سے آ رہی ہے 'مارب' اُن کا بہت بڑا شہر تھا اور اس کے اوپر انہوں نے 'سدِ مارب' ایک بہت بڑا ڈیم (DAM) بنایا تھا جس میں بارشی پانی کو روک کر اس سے نہریں نکالیں، جو خوبصورت سڑکوں کے پہلو بہ پہلو گزرتی تھیں اور وہاں پھل دار درخت لگائے گئے تھے۔ شہر اتنے فاصلے پر آباد تھے کہ ایک شہر سے نکلیں تو دوسرا نظر آتا تھا یعنی قریب قریب تھے۔ اگر کوئی مسافر سر پر ٹوکری رکھ لیتا اور پھل دار درختوں کے نیچے سے گزرتا تو اگلا شہر آنے تک اس کی ٹوکری مختلف پھلوں سے بھر جاتی۔ جس درخت کے نیچے سے گزرتا کچھ نہ کچھ اس میں گرتا رہتا۔ اہلِ سبا نے بہت خوبصورت ملک بنایا، دورویہ سڑکوں کے گرد نہریں اور باغ بنائے اور قریب قریب شہر آباد کیے جس کی وجہ سے آدمی کبھی اکیلا پن محسوس نہیں کرتا تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۔۔۔ اللہ کی نعمتیں کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ اُس کی اطاعت کرو کہ شکر اطاعت کا نام ہے۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵ (کیا) عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار۔ اہلِ سبا کے پاس عظمتِ الٰہی کے بہت دلائل تھے، بہت خوبصورت شہر اور پھر ایسی منصوبہ بندی کی گئی کہ رزق ہر ایک تک پہنچے۔

دراصل یہ معیشت کی منصوبہ بندی ہے جو جرائم سے روکتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اُنہیں چور یا ڈاکو کا خطرہ نہیں تھا اور وہ بے خوف و خطر دن رات سفر کرتے۔ آبادیوں میں سے گزرنا ہوتا، باغات اور پھل ہوتے۔ فرمایا، اللہ کی دی ہوئی نعمتیں کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اگر کمی رہ جائے تو وہ بخشنے والا ہے۔

انسانی مزاج بھی عجیب ہے:

اہلِ سبا پر اللہ کے اتنے انعامات تھے لیکن ہوا کیا؟ انہیں شیطان نے ایسا بہکایا کہ کہنے لگے، ربِ کریم یہ بھی کوئی زندگی ہے! جدھر نکلو پھل بھی مل جاتے ہیں روزی بھی مل جاتی ہے۔ کوئی ویرانہ نہیں ہے۔ آبادیاں ہی آبادیاں ہیں نہ کسی چور کا خطرہ ہے۔ یہاں سے اٹھو وہاں چلے جاؤ پتا ہی نہیں چلتا گھر ہے یا پردیس میں ہیں۔ ہر جگہ رزق عام ہے، شہر آباد ہیں کسی چور ڈاکو کا خطرہ نہیں تو یہ ایک ROUTINE سی بن گئی ہے۔ یہ کون سی زندگی ہے؟ انسانی مزاج بھی عجیب ہے۔ کہنے لگے، یہ شہر دور دور ہوں، لمبے سفر ہوں، چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ ہو، پھر تو زندہ رہنے کا مزہ آتا۔

ہم بھی بندوق اٹھاتے کہ راستے میں کوئی چور یا ڈاکو نہ آ جائے۔ ہمیں بھی پہاڑیاں چڑھنا پڑتیں، دشوار گزار راستے ہوتے محنت کر کے رزق حاصل کرنا پڑتا پھر کھانے کا مزہ آتا۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے؟

نعمتوں کو ٹھکرانے کی سزا:

فرمایا: فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ ۔۔۔ سو انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے اُن پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا۔ جب اہلِ سبا نے یہ رویہ اپنایا تو اللہ کریم جو بہت بے نیاز ہیں انہوں نے بند پر چوہوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے سارا بند (ڈیم) کھوکھلا کر دیا۔ جب برسات آئی اور بند پانی سے بھرا تو چوہوں کے بلوں میں گیا جو کہ کھوکھلے تھے۔ پانی ایک دفعہ جہاں سے نکلا مٹی کو اٹھا لے جاتا یوں سارا بند ٹوٹ گیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ان پر ہم نے عرم کا طوفان بھیج دیا۔ وَبَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ ﴿۱۶﴾ اُن کے باغات کو ہم نے ایسا تباہ کیا کہ جنگلی جھاڑ جھنکار رہ گئے او چند بیریوں کے ٹنڈ مُنڈ درخت رہ گئے۔ سارے باغات سیلاب بہا کر لے گیا اور شہروں کو ملیا میٹ کر گیا۔ سڑکیں اکھیڑ کر تباہ کر دیں، نہریں ٹوٹ گئیں باغات اُجڑ گئے الغرض سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ اکثر لوگ سیلاب کی نذر ہو گئے اور جو تھوڑے بہت بچ گئے وہ وہاں سے ہجرت کر گئے۔ کوئی کسی طرف چلا گیا کوئی کسی طرف اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ سارا علاقہ ویران ہو گیا۔

فرمایا: ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ۔۔۔ انہوں نے جب ناشکری کی تو یہ اُن کی ناشکری کا بدلہ تھا وَہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾ جو ناشکری کرے اس کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے؟ ناشکری کا بدلہ یہی ہو گا جو انہوں نے پالیا۔ جو ناشکری کرتے ہیں تو وہ اور کیا پائیں گے۔

بندے پر جب اللہ کی نعمتیں ہوں تو اس پر شکر واجب ہو جاتا ہے اور جب وہ شکر نہیں کرتا تو وہی نعمتیں مصیبت بن جاتی ہیں۔

آج کا ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے پاس اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اقتدار و شہرت بھی ہے، دولت کی فراوانی ہے، نوکر چاکر ہیں، زمین، جائیداد ہے گاڑیاں اور عالی شان بنگلے ہیں لیکن سکون نہیں ہے۔ گھر سے بیماری نہیں نکلتی، کسی کو رات کو نیند نہیں آتی، کچھ کھا لیں تو ہضم نہیں ہوتا، کسی کی بیٹی بیمار ہے، بیوی کو کینسر ہے، بیٹے کو یرقان ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ اتنی نعمتیں دے کر وہ کریم اتنی مصیبتیں کیوں لگا دیتا ہے؟ یہ مصیبتیں اللہ نے نہیں لگائیں، اللہ نے تو نعمتیں دیں لیکن انہوں نے نعمتوں پر ناشکری کر کے یہ مصیبتیں پال لیں۔ اللہ نے جتنی نعمتیں دیں

انہیں اتنی اطاعت کرنی چاہیے تھی، اتنا شکر کرنا چاہیے تھا تو اللہ کریم مزید نعمتیں عطا فرما دیتے۔ یہ لوگ تو ایک سجدہ ادا کرنے سے بھی بیزار ہیں۔ ان کے پاس اربوں روپے ہیں اس کے باوجود حرام حلال کی تمیز کیے بغیر مزید جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں تو پھر یہ مصیبتیں تو یہ اپنی محنت سے اپنے گھر لا رہے ہیں۔ اگر یہ حلال کھاتے، اللہ کی عبادت کرتے اس کا شکر ادا کرتے تو ان کے گھروں میں بھی شادمانی ہوتی، سارے خوش ہوتے۔ اگر آج بھی ہر گھر میں بے چینی ہے تو ذرا تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ اللہ کی نعمتیں کتنی ہیں اور ہم اس کا کتنا شکر ادا کرتے ہیں۔ جب ہم ناشکری کریں گے، اللہ کی اطاعت نہیں کریں گے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کریں گے تو وہی نعمتیں مصیبت کا سبب بن جائیں گی۔

جب اہلِ سبا نے بند بنایا تھا تو ساری راحت اس ایک بند سے تھی پھر وہی بند اُن کی تباہی کا سبب بن گیا۔ آج اگر ہمارے گھروں میں پریشانیاں ہیں اور ان کے حل کی تلاش میں اگر ہم کبھی عاملوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، تعویذ دھاگوں والوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں کبھی کوئی پیر فقیر تلاش کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں! یہ پیر فقیروں یا عاملوں کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ آپ کا معاملہ اپنے مالک کے ساتھ ہے۔ اپنے مالک کے ساتھ تعلقات درست کر لیں آپ کو کسی پیر فقیر کی کوئی ضرورت نہیں آپ جانیں آپ کا ربّ جانے۔ اُس کی اطاعت کریں، اپنا عقیدہ درست کریں، اپنا کردار درست کریں۔ حلال کھائیں اور ربّ کا شکر ادا کریں۔ آپ کو سکون ہی سکون نصیب ہو جائے گا۔ کوئی پریشانی نہیں رہے گی اور اگر ناشکری کریں گے تو ناشکری کا بدلہ اور کیا ہوگا، یہی ہوتا ہے۔

مضبوط معیشت امن کی ضامن ہے:

فرمایا: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿١٨﴾ اور ہم نے ان کی زمین اور بستی میں برکات رکھی تھیں۔ ان میں ایسی آبادیاں بنا دی تھیں کہ جو ایک آبادی سے نکلتا تو دوسری آبادی نظر آتی تھی۔ لوگ آرام سے سفر کرتے تھے کسی چور ڈاکو کا خطرہ نہیں تھا۔ علاقہ شاداب تھا، پھلوں کی فراوانی تھی اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے ان کی ایسی سفری سہولتیں اور اندازے مقرر کر رکھے تھے کہ رات دن کوئی سفر کرنا چاہتا تو اُسے خوراک کی پریشانی ہوتی نہ چور ڈاکو کا خطرہ ہوتا۔

علما فرماتے ہیں کہ ملکہ سبا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر توبہ کی تھی اس کا دادا عبد شمس یمن کا حکمران تھا۔ اُس نے یہ آبادیاں بسائیں تھیں۔ اُس نے بہترین منصوبہ بندی کی، بند بنائے اور بڑے بڑے متصل شہر بسائے۔ اُس نے ملک کو امن اور خوشحالی دی۔ عبد شمس وہ مشہور انسان ہے جس نے ایک دفعہ مکہ مکرمہ پر قبضہ کر کے

اہل مکہ کو قیدی بنالیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایک عجیب سے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ اُس کے منہ اور ناک سے بہت بد بودار پانی گرنا شروع ہو گیا۔ جس کی بد بو کسی کو پاس بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ اس کے ساتھ بہت سے فاضل اطبا بھی تھے اور اہلِ علم بھی تھے۔ اطبا نے بے حد کوشش کی، بہت علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا تو علماء نے اسے مشورہ دیا۔ انہوں نے بتایا کہ اُن کی کتابوں میں ملتا ہے کہ اللہ کے آخری نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے اور یہاں سے ہجرت کر کے "یثربؔ جا بسیں گے۔ دنیا پر اسلام کا انقلاب آئے گا تو آپ نے اس شہر کو فتح کر کے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے شہریوں کو قیدی بنالیا ہے۔ یہ بیماری شاید اللہ کریم کی ناراضگی کے سبب آپ کو لگ گئی ہے۔ آپ ان لوگوں کو آزاد کر دیں۔

یاد رہے اُس وقت مدینہ کا نام یثرب تھا جس کا مطلب ہے ایسی جگہ جو تکلیف دے۔ چونکہ وہاں جنگل تھا آبادی نہیں تھی جو بھی وہاں ٹھہرتا بیمار ہو جاتا تھا۔ بادشاہ نے سارے اہلِ مکہ کو آزاد کر دیا اور چھ ماہ تک اُن کی ضیافت اور کفالت کا اعلان کیا۔ اس نے علما کا ایک طبقہ منتخب کیا کہ جا کر یثرب کو صاف کریں جھاڑ جھنکار ہٹا کر وہاں آبادی بنانے کا انتظام کریں۔ بادشاہ اُس وقت غائبانہ ایمان بھی لے آیا اور ایک خط لکھ کر سب سے بڑے عالم کے سپرد کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں اور ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو یہ خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیجیے گا۔ اس خط میں اس نے لکھا کہ اگر اللہ نے مجھے اتنی مہلت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ پاسکوں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کروں گا اور آپ کے ساتھ بھر پور تعاون کروں گا۔ اس نے چند اشعار بھی لکھے تھے جن میں سے ایک یہ تھا:

وَلَوْ مُدَّ عُمْرِی اِلٰی عُمْرِہٖ
لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَهٗ وَ ابْنِ اٰمِیْنٖ

اگر اُن کے آنے تک اللہ نے مجھے زندگی بخشی تو میں ایک چھوٹے بھائی، ایک نائب کی طرح اُن کی خدمت کروں گا۔

مدینہ منورہ کی آبادی بھی اس بادشاہ نے شروع کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور تشریف آوری تک یہ یثرب ہی کہلاتا رہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر پڑ گیا۔ اب اسے یثرب کہنا جائز نہیں کہ اب وہ دارالتکلیف نہیں ہے۔ اب وہ دارالشفا ہے۔ اب اُسے یثرب کہنا منع ہے۔

یہ بڑا عظیم بادشاہ تھا اور اس نے بڑی خوبصورت آبادیاں بنائیں جن میں لوگ بے خوف وخطر سفر کرتے۔

وہاں امن اور خوشحالی تھی تو علما نے یہاں سے اخذ فرمایا ہے کہ جہاں تک کسی کا بس چلتا ہے، اگر کوئی اپنی گھر کی خوشحالی کے لیے جائز وسائل سے محنت کرتا ہے اور بچوں کو آسودگی پہنچاتا ہے تو یہ مقبول فعل ہے کہ یہ اللہ کی عبادت ہی ہے۔ اسی طرح جہاں تک جس کا دائرۂ اختیار ہے، ملک پر ہے یا کسی صوبے یا شہر تک ہے وہاں تک معیشت اور خوشحالی کا اہتمام کرنا اور امن قائم کرنے کے لیے اقدامات کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ یہ بجائے خود عبادت ہے۔

اس آیہء مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ جب معیشت مضبوط ہوتی ہے، لوگ خوشحال ہوتے ہیں تو وہ جرائم کی طرف نہیں جاتے۔ کسی کو چوری یا ڈاکہ کرنے کی یا کسی کا مال چھیننے کی ضرورت نہیں پڑتی اور جو لوگ آسودہ حال ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو کسی پریشانی میں ڈالنے سے گریز کرتے ہیں یوں امن قائم ہوتا ہے اور دہشت گردی ختم ہو جاتی ہے۔ دہشت گردی کا خاتمہ خوشحالی سے مربوط ہے تو حکومت کو چاہیے کہ لوگوں کو معیشت میں سہولت دے، لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا ہوں اور ہر ایک کے لیے حصولِ زر کے جائز مواقع میسر ہوں تاکہ اسے چوری، لوٹ مار یا دہشت گردی نہ کرنی پڑے۔

درسِ عبرت:

فرمایا: فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ۔۔۔ تو انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں میں لمبائی بڑھا دے۔

وہ ایسی ناشکری قوم تھی کہ انہوں نے دعائیں مانگنی شروع کر دیں کہ یا اللہ! یہ تو سفر کا مزہ ہی نہ رہا۔ ہر طرف آبادی ہی آبادی ہے، کوئی ویرانہ نہیں ہے۔ کسی درندے کا خطرہ نہیں ہے کسی چور ڈاکو کا خطرہ نہیں، آبادی سے نکلو تو آگے پھر آبادی سامنے نظر آتی ہے۔ مزہ تو تب آتا کہ ویرانے ہوتے، ویران راہیں ہوتیں، راستے میں درندوں اور چور ڈاکوؤں کا سامنا ہوتا، اُن سے جان بچا کر چلتے تو سفر کا مزہ آتا۔ یا اللہ! ہمارے سفر لمبے کر دے۔ یہ آبادیاں یہاں سے ہٹا دے، یہ خوشحالی ہم سے لے لے، یہاں ویرانے ہوں جنگل ہوں اور دور دراز مسافتیں ہوں۔

فرمایا: وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔۔۔ اُنہوں نے اپنے آپ پر بہت زیادتی کی، بہت ظلم کیا۔ اگر اللہ کریم زندگی میں آسانیاں اور سہولتیں دیں، آبرو اور آرام سے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں تو اللہ کریم کا شکر ادا کرنا چاہیے اور مزید اطاعت پر سرگرم ہو جانا چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ سہولتیں پا کر بغاوت پر اُتر آئے، دوسروں کا جینا بھی محال کر دے یا پھر اللہ کی ناشکری کرنے لگے۔ یاد رہے کہ یہی نافرمانی ہی ناشکری ہوتی ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ انہوں نے شکر کرنے کی بجائے ناشکری کی اور اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا:

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۔۔۔ ہم نے اُنہیں اس طرح نابود کیا کہ وہ افسانوں میں رہ گئے، ان کی داستانیں بھی نہ رہیں افسانے بن گئے۔

داستان سچی تاریخ کو کہتے ہیں، واقعات کو کہتے ہیں۔ افسانہ کہتے ہیں جس میں بہت سی رنگ آمیزی بھی ہو جائے یعنی حقائق نابود ہو جائیں اور مختلف لوگ مختلف رنگ ملا کر اسے افسانوی رنگ دے دیں۔

فرمایا، جب وہ بند ٹوٹا اور سیلاب آیا تو آبادیاں بہہ گئیں، باغات اُجڑ گئے، راستے برباد ہو گئے اور وہ جگہ رہنے کے قابل نہ رہی۔ لوگوں کی اکثریت سیلابوں میں بہہ کر ہلاک ہو گئی اور جو بچ گئے وہ منتشر ہو گئے۔ کوئی کہیں چلا گیا، کوئی کہیں نکل گیا۔ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں میں آباد ہو گئے اور دور دور پھیل گئے لہٰذا اُن کی تاریخ بھی مرتب نہ ہو سکی بلکہ وہ محض افسانے بن گئے۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾ ان کی داستان میں ہر اس بندے کے لیے جو صبر کرنے والا، شکر کرنے والا ہے، درس عبرت ہے۔

صبر اور شکر یہ دو ایسے اوصاف ہیں جو ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جسے صبر نصیب ہوتا ہے اُسے شکر بھی نصیب ہوتا ہے۔

صبر کیا ہے؟ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روک لینا صبر ہے، جب نافرمانی سے رک جائے گا تو اطاعت کرے گا اور اطاعت ہی تو شکر کہلاتی ہے لہٰذا جہاں صبر ہے وہاں شکر بھی ہے۔ فرمایا، جو لوگ صبر اور شکر کرنے والے ہیں یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی اطاعت کرتے ہیں اس کا شکر بجالاتے ہیں، اُن کے لیے اس داستان میں بڑا درسِ عبرت ہے کہ جو صبر اور شکر نہیں کرتے اُن کا انجام کیا ہوتا ہے۔

آخرت پر ایمان حفاظتِ الٰہیہ کا ضامن ہے:

فرمایا، اہلِ سبا تو ایسے نالائق ثابت ہوئے کہ: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ۔۔۔ ابلیس کا گمان جو اُس نے روزِ اوّل کیا تھا کہ اولادِ آدم میری بات مانے گی، وہ سچ کر دکھایا۔ جب اللہ نے اُسے مردود قرار دیا اور رد کر دیا تو اُس نے کہا تھا کہ مجھے قیامت تک مہلت دے دیں تو جس آدم (علیہ السلام) کے لیے آپ نے مجھے سزا دی ہے میں اُس کی اولاد پر کوشش کروں گا تو وہ میری بات مانے گی، آپ کی نہیں مانے گی۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ ناشکرے اور بے صبرے لوگ تو ابلیس کے اس گمان کو سچا کر رہے ہیں۔ ابلیس کا جو گمان تھا وہ اہلِ سبا بھی اور جو لوگ بھی نافرمان ہیں، ناشکرے ہیں وہ بھی اُسے سچا کر رہے ہیں۔ فَاتَّبَعُوْهُ ۔۔۔ یہ لوگ ابلیس کی اتباع میں لگ گئے۔ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ اللہ کریم جس نے پیدا فرمایا، جو زندگی عطا فرما رہا ہے۔ ہر

لحہ ہر آن بے پناہ نعمتیں عطا فرمارہا ہے جس کا انسان کو ادراک بھی نہیں پھر بھی یہ اُس کریم ربّ کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کے پیچھے لگ گئے جو ازلی دشمن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور قیامت تک اس کی اولادِ آدمؑ سے دشمنی ہے۔ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ سوائے اُن تھوڑے لوگوں کے، ایک طبقے، ایک جماعت کے جو مومن ہیں، پکا ایمان رکھتے ہیں وہ اس کا اتباع نہیں کرتے۔ مومن وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور شیطان کی بات نہ مانے۔ پھر مزے کی بات یہ ہے: وَمَا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ۔۔۔ شیطان کا ان پر کوئی بس بھی نہیں چلتا یعنی شیطان زبردستی ان سے گناہ نہیں کرا سکتا تو کتنی عجیب بات ہے اور یہ کتنے بدبخت لوگ ہیں کہ ان میں وہ جذبۂ شکر نہیں ہے، وہ صبر نہیں ہے کہ اطاعتِ الٰہی پر جم جائیں۔ یہ خود نافرمانی کرتے ہیں شیطان کی بات مانتے ہیں۔ اگر یہ نہ مانیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ شیطان کو ہم نے یہ اختیار نہیں دیا کہ کسی سے زبردستی گناہ کروائے۔

اصل بات یہ ہے، فرمایا: اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾ جس بندے کو آخرت کا یقین ہو، ایمان ہو، اُس کی تو ہم حفاظت فرما دیتے ہیں۔ اُس کا کچھ نہیں بگڑتا اور جسے یقین نہ ہو، جو آخرت کے معاملے میں شبہے میں پڑا رہے کہ پتا نہیں آخرت ہوگی بھی یا نہیں یا جیسے پنجابی میں کہا جاتا ہے ''یہ جہاں مِٹھا اگلا کس ڈِٹھا'' کہ یہ جہاں میٹھا ہے اگلا کس نے دیکھا ہے، کیا ہوگا، کیا نہیں؟ فرمایا، ایسے لوگوں کو حفاظت الٰہیہ نصیب نہیں ہوتی پھر وہ شیطان کی پیروی اختیار کر لیتے ہیں۔ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ۔۔۔ حتیٰ کہ جنہیں آخرت پر یقین ہے، جنہیں اللہ کریم جانتے ہیں اُن کو اُن لوگوں سے الگ کریں جو اس میں شک رکھتے ہیں۔ جسے آخرت پر یقین ہوگا، جسے یہ یقین ہو کہ قبر میں مجھ سے پوچھا جائے گا، قیامت قائم ہو گی اللہ کے روبرو جوابدہی ہوگی تو وہ بھلے گناہگار ہو وہ رجوع الی اللہ کرتا ہے، توبہ کرتا ہے۔ آئندہ کے لیے گناہ سے باز آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم ہیں، معاف فرمانے والے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (ابن ماجہ) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو خلوصِ دل سے توبہ کرتا ہے گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں یعنی اللہ کریم اس طرح اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں جیسے اس نے زندگی بھر کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ البتہ یہ اُسے نصیب ہوتا ہے جسے آخرت پر یقین ہو۔ اگر آخرت پر یقین نہ ہو اور شبہ میں ہی رہے کہ جی سنا ہے قیامت ہوگی۔ جب ہوگی تب دیکھا جائے گا۔ ابھی تو کسی نے دیکھی نہیں، ابھی تو کچھ پتا نہیں۔ مولوی کہتے ہیں قبر میں سوال و جواب ہوں گے۔ فرمایا، اس قسم کے لوگ شیطان کا شکار ہو جاتے ہیں ورنہ: وَرَبُّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾ آپ کا پروردگار ہر حال میں حفاظت فرماتا ہے۔

آج تو سائنس نے بڑے راز کھولے ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ ہر بندے کے جسم میں دس کھرب سیل ہیں۔ دنیا کی انسانی آبادی کم وبیش چھ ارب ہے جبکہ ایک انسانی وجود کے اندر جو آبادی ہے وہ دس کھرب ہے۔ چھ ماہ میں پرانے سیل مرجاتے ہیں اور نئے پیدا ہو جاتے ہیں یعنی ایک وجود میں چھ ماہ کے عرصے میں دس کھرب اموات اور پیدائشیں ہوتی ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں ہر سیل میں اس انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کی ساری داستان رقم ہوتی ہے۔ اگر اُسے پڑھا جاسکے تو یہاں تک پتا چلایا جاسکتا ہے کہ عمر کے کس حصے میں، کس لمحے میں اس کا پہلا بال سفید ہوگا، اُس کی صحت میں کیا تبدیلی آئے گی، نظر میں فرق آئے گا، دانت کب گرے گا یعنی پوری سوانح درج ہوتی ہے۔ سائنسدان یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس سوانح کو کتابی شکل دی جائے تو ستر فٹ اونچی کتاب بنے گی۔ ایک ایک سیل میں اللہ کریم نے کتنی معلومات سمودیں ہیں اور وہ چھ ماہ سے زیادہ نہیں رہتا۔ اس کی جگہ نیا سیل آجاتا ہے جس میں وہ ساری معلومات پھر سے آجاتی ہیں۔

اب جس کی زندگی کا سارا نصاب ان سیلوں میں بھی درج ہے تو اُسے زندگی کے اُنہی شیب وفراز سے گزرنا ہے۔ پھر غیر اللہ سے اُمیدیں لگانے سے کیا حاصل؟ کیا کوئی ان سیلوں (CELLS) میں لکھی تحریر کو تبدیل کرسکتا ہے؟ کیا کوئی جادوگر، کوئی سادھو، کوئی فقیر اسے بدل سکتا ہے، کیا کوئی نئے سیل بنا سکتا ہے؟

وہ ایک واحد، لاشریک ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے تو پھر اُسی کی اطاعت کیوں نہ کی جائے؟ اسی کے آسرے پر زندگی کیوں نہ گزاری جائے کہ اُسی کے در پر موت آئے، اسی کے در پر حشر ہو۔

فرمایا، جنہیں آخرت اور اللہ کی عظمت پر یقین ہوتا ہے، اللہ اُن کی حفاظت فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز کی حفاظت کرنے پر قادر ہے۔ تمہارے جسم میں ایک ایک سیل کی حفاظت کر رہا ہے۔ ہر سیل اپنے وقت پر پیدا ہو رہا ہے، اپنے وقت پر مر رہا ہے اور اپنی ذمہ داری پوری کر رہا ہے۔ یہ سب اس سے اللہ کریم کروا رہا ہے۔ جو ایک ایک سیل کی حفاظت کر رہا ہے تمہیں اس پر اعتماد نہیں ہے، جو ہر چیز پر نگہبان ہے تمہیں اس پر یقین نہیں آتا؟

سورۃ سبا رکوع 3 آیات 22 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ
ظَهِيْرٍ ۝٢٢ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ
قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝٢٣
قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى
هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٤ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ۝٢٥ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ
الْعَلِيْمُ ۝٢٦ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝٢٧ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٢٨ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٢٩
قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٣٠

آپ فرما دیجیے کہ جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو، ان کو پکارو وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں اور نہ ان کی ان دونوں میں شرکت ہے اور نہ ان میں سے اُس (اللہ) کا (کسی کام میں) کوئی مددگار ہے ﴿۲۲﴾ اور اس کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر سوائے اس کے کہ جس کے لیے وہ اجازت بخشیں یہاں تک کہ جب ان (فرشتوں) کے دلوں سے گھبراہٹ دور

کر دی جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے ﴿۲۳﴾ فرما دیجیے تم کو آسمانوں اور زمین میں سے کون رزق دیتا ہے فرما دیجیے کہ اللہ (ہی دیتے ہیں) اور ہم یا تم (یا تو) ضرور سیدھے راستے پر ہیں یا بہت واضح گمراہی میں ﴿۲۴﴾ فرما دیجیے کہ ہمارے گناہوں کی تم سے پُرسش نہ ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی پُرسش ہم سے ہوگی ﴿۲۵﴾ فرما دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے گا اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا (اور) علم والا ہے ﴿۲۶﴾ فرمایئے (ذرا) مجھے دکھاؤ تو جن کو تم نے شریک بنا کر اُس (اللہ) کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز نہیں (اس کا کوئی شریک نہیں) بلکہ وہی (اکیلے) اللہ غالب (اور) حکمت والے ہیں ﴿۲۷﴾ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے ولیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۲۸﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرو) سچ فرماتے ہیں تو ﴿۲۹﴾ آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے ایک (خاص) دن کا وعدہ (مقرر) ہے کہ تم اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ تم آگے بڑھ سکتے ہو ﴿۳۰﴾

تفسیر ومعارف

غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی جواز نہیں:

فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجیے کہ اگر تمہیں اس پر یقین نہیں آتا تو اللہ کے علاوہ جن پر تمہارا بھروسہ ہے اُنہیں بلالو۔ اگر وہ کچھ کر سکتے ہیں تو بلاؤ۔ اُن میں سے کون ہے جو نظامِ حیات میں دخل دے سکے؟

انسانی وجود کے اندر ایک جہان آباد ہے۔ زمین کے اندر کیا کچھ پوشیدہ ہے۔ ہر درخت کے اندر، ہر پتے، ہر جڑی بوٹی، ہر گھاس کے تنکے کے اندر، ہر جانور کے اندر بے شمار خصوصیات ہیں۔ اس کائنات بسیط میں، آسمانوں میں، سیاروں ستاروں میں جو کچھ ہے، اللہ کریم ایک ایک ذرّے کی حفاظت فرما رہا ہے۔ تم جب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں پر اعتماد کرتے ہو، اُن کی اطاعت کرتے ہو اور تمہارا گمان ہے کہ وہ تمہاری مدد کریں گے تو یہ ممکن نہیں اس لیے کہ: لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔۔۔ زمینوں اور آسمانوں کے کسی ایک ذرّے پر بھی کسی دوسرے کی ملکیت نہیں ہے، سب اللہ کا ہے۔ جسے بھی تم اللہ کو چھوڑ کر معبود اختیار کرتے ہو وہ کسی ایک ذرّے کو بھی بنانے پر قادر نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ان کی کوئی شراکت یا حصّہ داری نہیں۔

وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ۔۔۔ آسمانوں میں اور زمینوں میں سب اللہ کا ہے کسی کی ذرّہ برابر بھی شراکت داری نہیں ہے، اُسے بنانے میں نہ قائم رکھنے میں اور نہ اس پر حکومت کرنے میں۔ ذرّہ اُس چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو ناقابلِ تقسیم ہو یعنی اتنا چھوٹا ہو کہ مزید دو حصّے نہ ہو سکیں۔

اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمہارے معبودانِ باطلہ کی شراکت تو نہیں لیکن یہ اللہ کریم کے نزدیک سفارش کر سکتے ہیں تو ان میں سفارش کرنے کی بھی استعداد نہیں۔ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ کسی بت، کسی غیر اللہ طاقت کے پاس کسی کی مدد کرنے کی کوئی توفیق نہیں ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی بڑے سے بڑا کسی کی ذرّہ برابر مدد نہیں کر سکتا اور پھر مدد کرنا تو ایک اور بات ہے شاید تمہارا گمان ہو کہ یہ سفارش تو کر سکتے ہیں۔ فرمایا، ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یہ خود کچھ کر ہی نہیں سکتے حتیٰ کہ کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی بارگاہ میں سفارش بھی ہر کوئی نہیں کر سکتا، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ۔۔۔ اس کی بارگاہ میں سفارش اور شفاعت بھی وہ کرتے ہیں جنہیں اللہ نے اجازت دی ہے، جن کا یہ منصب ہے۔ اللہ کے رسولؐ اور انبیاؑ، اس کے چاہنے والے، اس کے پرہیزگار بندے، نیک فرشتے سفارش کر سکتے ہیں لیکن وہ بھی تب جب انہیں کسی معاملے میں سفارش کی اجازت عطا ہو۔ معبودانِ باطلہ تو سفارش بھی نہیں کر سکتے یعنی سفارش کرنے کے لیے بھی ایک حیثیت چاہیے۔ ہر کوئی تو سفارش نہیں کر سکتا کسی کا کوئی ایسا تعلق چاہیے۔

وہاں تو یہ عالم ہے کہ مقربانِ بارگاہ فرشتے جو بارگاہِ الٰہی سے احکامِ الٰہی لیتے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ جب احکامِ الٰہی وارد ہوتے ہیں، اللہ کی طرف سے جب فیصلے نازل ہوتے ہیں تو احکامِ الٰہی سننے والے فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں ان پر غشی آ جاتی ہے، حواس جاتے رہتے ہیں۔ احکامِ الٰہی میں اس قدر رعب، دبدبہ، قوت اور جمالِ الٰہی کی ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ اُن کے دل مدہوش ہو جاتے ہیں۔ حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا ۙ قَالَ

رَبُّكُمْ ۔۔۔ وہ بڑی دیر کے بعد سنبھلتے ہیں پھر جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں کہ اللہ کریم نے، آپ کے ربّ نے کیا فرمایا ہے۔

یہ عظمت انبیاءؑ میں ہوتی ہے کہ ان پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ انہیں اللہ سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوتا ہے لیکن یہ اتنی عظیم بات ہے کہ انبیاء علیھم السلام کے بھی رخِ انور زرد ہو جاتے ہیں، پسینے آجاتے ہیں پل بھر کو کچھ خبر نہیں رہتی۔ یہ قوت صرف انبیاءؑ میں ہے کہ وہ برداشت کر لیتے ہیں اور احکامِ الٰہی کو سمجھ بھی لیتے ہیں اور باقاعدہ سمجھا لیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام پر دس مرتبہ وحی کا نزول ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام پر چودہ سو سالوں میں شاید چالیس یا پچاس بار وحی آئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر چالیس بار وحی آئی، اسی طرح کسی نبیؑ پر پوری زندگی میں پچاس بار وحی آئی اور وہ پوری زندگی کی راہنمائی کے لیے کافی تھی۔ یہ ذاتِ اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تریسٹھ برسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس ہزار مرتبہ وحی نازل ہوئی جس سے یہ قرآنِ کریم ترتیب پایا۔ انبیاءؑ اور رسولوںؑ کو وحی کی قوت دی ہے اس کے باوجود جب وحی کی حالت آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے سدھ ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر کر دی جاتی اور سخت سردی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسینے سے شرابور ہو جاتے اور موتیوں کی طرح پسینہ گر رہا ہوتا۔ جب وحی کا نزول ختم ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔ یہی حال تمام انبیاءؑ کا ہوتا ہے۔

فرشتوں کو اللہ نے کلامِ الٰہی کو برداشت کرنے کی قوت دی لیکن اُن کا بھی یہ حال ہے کہ جب کوئی ارشاد ہوتا ہے تو اُن کے دلوں پر مدہوشی چھا جاتی ہے پھر جب ہوش آتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ پروردگار کی بارگاہ سے کیا ارشاد ہوا، قَالُوا الْحَقَّ ۔۔۔ کہتے ہیں، اللہ نے جو فرمایا وہ حق ہے۔ یہ بات ارشاد ہوئی ہے تو وہ اس کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہو جاتے ہیں وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ اور وہ بہت بڑا عالی مرتبہ، بہت بڑا ہے۔ تمہارے تصور میں، علم میں، دل و دماغ میں نہیں سما سکتا، وہ بہت بڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیجیے کہ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ یہ آسمانوں اور زمینوں سے کون روزی دیتا ہے؟ بلندیوں سے کیا کیا کیفیات آتی ہیں؟ آسمان کی فضا میں جو سورج، چاند ستارے گردش کر رہے ہیں یہ سارے زمین کی طرف متوجہ ہیں۔ اُن سے جو شعاعیں یا لہریں زمین کی طرف آتی ہیں، وہ زمین میں کیا کیا تبدیلی پیدا کرتی ہیں، پھر اُن کے اثر سے خاکی ذرّات کس طرح محلول بن کر مختلف شکلوں میں منتج ہوتے ہیں۔ کہیں اناج، پھل، کہیں کچھ بن رہا ہے تو یہ سارا نظام کون چلا رہا ہے؟ ایک درخت پر کروڑوں پتے ہیں اور علمِ نباتات (BOTANY) کے ماہرین کہتے ہیں کہ درخت کی جڑیں زمین سے

غذا لیتی ہیں اور وہ غذا سیدھی ہر پتے میں جاتی ہے۔ ہر پتے میں ایک بھٹی لگی ہے جہاں وہ غذا پک کر تیار ہوتی ہے پھر تقسیم کی جاتی ہے۔ درخت کے ہر حصے تک غذا پہنچا دی جاتی ہے۔ یہ پورا کارخانہ ہے جو ہر درخت کے اندر ہے ہر پودے کے اندر ہے، اسے کون چلا رہا ہے؟

قُلِ اللّٰهُ۔۔۔فرما دیجیے! یہ سب اللہ وحدہٗ لاشریک چلا رہا ہے۔

طریقِ مناظرہ:

فرمایا: وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ اب رہی ہماری اور تمہاری بات تو ہم تو اللہ کی بات کرتے ہیں۔ اللہ کی توحید کے قائل ہیں۔ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ تم بتوں کی بات کرتے ہو۔ تم کہتے ہو اللہ تو ہم اُسی کو مانتے ہیں، یہ بت اگر خود کچھ نہیں کر سکتے تو بھی یہ اللہ کے ہاں سفارش ہی کر دیں گے۔

تمہارے اس فلسفے کو اللہ قبول نہیں فرماتے، وہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا سفارشی میری بارگاہ میں باز یاب ہی نہیں۔ ہم اور تم میں سے یا تو ہم سچائی اور ہدایت پر ہیں یا پھر تم ہو۔ ہم توحید کے قائل ہیں تم شرک کرتے ہو تو دونوں سچے نہیں ہو سکتے۔ اگر تم سچے ہو تو ہم نہیں ہیں اور اگر ہم سچے ہیں تو تم نہیں ہو، تو اس میں کوئی جھگڑنے کی یا مرنے مارنے کی بات نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ اس کی بارگاہ میں ہوگا۔ یہاں لڑائی کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کا فیصلہ میدانِ حشر میں اللہ کریم کریں گے۔ اسلام نے اس بات پر بھی جنگ نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں جتنے غزوات و سرایہ ہوئے وہ دفاعی جنگیں تھیں۔

اہلِ مکہ نے چندہ جمع کر کے قافلہ بھیجا کہ تجارت سے بہت سا مال کما کر، اس سے لاؤ لشکر بنا کر مدینہ منورہ کو تاراج کر دیں گے، مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دیں گے۔ اس قافلے کو روکنے کے لیے مسلمان بڑھے اور اہلِ مکہ بھی آ گئے تو غزوۂ بدر بپا ہوا۔ اُحد میں اہلِ مکہ حملہ آور ہوئے تو غزوۂ اُحد بپا ہوا اور ایک دفاعی جنگ لڑی گئی۔ غزوۂ خندق میں جزیرہ نمائے عرب کے سارے مشرکین حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں نے دفاعی جنگ لڑی۔ اس سے لے کر خلفائے راشدین کی جنگوں تک، قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں جانے تک مسلمان دفاعی جنگیں لڑتے رہے کہ جس طاقت نے اسلامی ریاست پر حملہ کرنا چاہا اس کے ساتھ جنگ ہوئی۔ کسی سے اس غرض سے جنگ نہیں کی کہ تم کلمہ کیوں نہیں پڑھتے بلکہ ریاستِ اسلامی میں جو غیر مسلم رہتے تھے اُن کے سارے انسانی حقوق بحال تھے۔ اُن کو جان، مال، آبرو کا تحفظ بھی دیا جاتا تھا، روزگار کے مواقع دیے جاتے تھے اور بچوں کی تعلیم اور علاج معالجہ کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ اگر محض کافر سمجھ

کر لڑنا ہوتا تو مسلمان ممالک میں کوئی کافر نہ رہ سکتا۔ وہ یا تو کلمہ پڑھتا یا قتل ہو جاتا۔ اسلام نے اس بات پر جنگ نہیں کی یہ جو آج تماشا بن گیا ہے کہ جس کا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے اُسے گولی مار دو۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ اسلام نہیں ہے کہ آپ لوگوں پر اس لیے گولی چلائیں کہ وہ کافر ہیں یا بدکار ہیں یا آپ سے مختلف ہیں۔ مساجد میں بم پھینکے جا رہے ہیں حالانکہ مساجد میں تو مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن یہ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ وہ ہماری طرح نہیں سوچتے، ہماری طرح کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اللہ نے دو حقوق ہر بندے کو دیے ہیں، ایک زندہ رہنے کا اور دوسرا عقیدہ رکھنے کا۔ جو زندگی دے نہیں سکتا وہ زندگی لینے کا بھی مجاز نہیں ہے۔ اللہ کے حکم سے، عدالت کے فیصلے سے جو اللہ کے قانون کے مطابق سزائے موت دی جاتی ہے وہ منجانب اللہ ہے لیکن ہم اگر کسی کو قتل کرتا ہوا بھی دیکھ لیں تو قاتل کو سزائے موت نہیں دے سکتے۔ البتہ عدالت میں قتل کی گواہی دے سکتے ہیں۔ اگر ہم اُسے قتل کریں گے تو ہم بھی قاتل بن جائیں گے اور ہم پر بھی مقدمہ چلے گا۔ اسلام میں زبردستی بات منوانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہے، رکھے۔ قبر میں جائے گا، حشر میں اللہ کے روبرو پیش ہوگا تو وہاں فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر ملک کے امن و عامہ میں کوئی خلل ڈالتا ہے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کا دفاع کرے، ماوشما کو بندوق اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ ہاں! کسی کے گناہ کسی دوسرے سے نہیں پوچھے جائیں گے۔ اگر تم برائی کرتے ہو تو اس کی سزا ہمیں نہیں ملے گی اور اگر تم سمجھتے ہو کہ ہم غلطی کر رہے ہیں تو ہمارے جرم کی سزا تمہیں نہیں ملے گی۔ اس میں لڑائی جھگڑے کی کیا بات ہے؟ تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کرتے ہیں۔
قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ۔۔۔ انہیں فرما دیجیے کہ ہمیں اور تمہیں سب کو اللہ ایک جگہ جمع فرمائے گا اور یہ اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ ہر کام کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، اُس نے انسان کو پیدا فرمایا، اُسے مکلف بنایا اب وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس نے کیا کھویا، کیا پایا اس کا بھی نتیجہ ہونا چاہیے۔ فرمایا، میدانِ حشر سجے گا، اللہ کریم ہمیں بھی وہاں بلا لیں گے تم سب کو بھی جمع کر لیں گے۔ ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۔۔۔ پھر ہمارے اور تمہارے درمیان حق اور انصاف سے فیصلہ ہو جائے گا تو پتا چل جائے گا کہ کس نے کیا کھویا، کیا پایا! وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ وہ ذرا ذرا چیز سے واقف ہے اور وہی فیصلہ کرنے والا ہے کہ وہی تمام حقائق جانتا ہے۔ اس کی ذات واحد و لاشریک ہے جو ہر ایک کی ہر حقیقت سے واقف ہے لہٰذا وہ فیصلہ فرما دے گا۔ آج بھی اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے لوگ غلط ہیں تو اُسے حق پر قائم رہنے کا حق ہے اور دوسروں کو غلط رہنے کا حق بھی اللہ نے دیا ہے تو فیصلہ اللہ کریم فرمائیں گے۔ یہ حق اللہ کا ہے کہ وہ اچھے برے سب کو جمع فرمائے گا، ہر ایک کی ہر بات سے واقف ہے تو وہ انصاف کا فیصلہ صادر فرمائے گا۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ فرما دیجیے، مجھے دکھاؤ جنہیں تم اللہ کا شریک مانتے ہو، اُن کی اللہ کے نظام میں کیا مداخلت ہے؟ دکھاؤ کہاں ہیں وہ تمہارے شریک، کیا کرتے ہیں؟ کیا کسی ذرّے کو کلی، کلی کو غنچہ اور غنچے کو پھول بنا سکتے ہیں؟ ان کے بنانے میں کوئی اُن کا حصّہ ہے؟ کیا بارش کا کوئی قطرہ یہاں سے وہاں لے جا سکتے ہیں؟ بارش بنانے برسانے اور پہنچانے میں کیا ان کا کوئی حصّہ ہے؟ کہاں ہیں وہ تمہارے شریک کیا کرتے ہیں؟ اللہ کی کاریگری تو ساری بتائی ہوتی ہے کہ وہ یہ یہ کرتا ہے، تمہارے شرکاء کیا کرتے ہیں؟ كَلَّا ۔۔۔ تم کچھ بھی نہیں بتا سکتے، وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ بلکہ وہ صرف اللہ ہی ہے جو غالب بھی ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور دانا تر بھی ہے، حکیم ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت:

کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں مناظرے کرتے ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے، فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔۔۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے، منصبِ نبوت عطا فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ہستی ہیں جو نیکی کی تعلیم دیں گے اور اس پر اچھے انجام کی خوشخبری دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ہستی ہیں جو برائی سے روکیں گے اور اس کے برے انجام کا حال بھی بتائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں نذیر بھی ہیں۔ تمام نسلِ انسانی کے لیے تا قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آج بھی نبوت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر ہر بندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مکلف تھا اور قیامت تک ہر انسانی متنفس آپ پر ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا مکلف ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے گا وہ اللہ سے اپنا بدلہ پائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں جلوہ افروز ہونا یہاں سے عالم برزخ میں تشریف لے جانا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی ویسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب لائے وہی قیامت تک کتابِ ہدایت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ، حدیث مبارکہ ہی قرآن کی تفسیر ہے۔ قیامت تک ہر وہ متنفس ہی نجات پائے گا جو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ البتہ اس کا فیصلہ اللہ کریم کریں گے، ہم نہیں کر سکتے۔ ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم لوگوں کو مارنے لگیں۔ جو حدود و قیود انسانی معاشرے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کر دی ہیں، جو معیشت اور معاشرت کا نظام عطا فرمایا ہے سب کو اسی کے اندر رہنا پڑے گا۔ کوئی اچھا ہے یا برا ہے، مومن ہے یا کافر ہے اُسی نظام کے اندر رہنے کا پابند ہے۔ کوئی کسی کا حق نہیں مار سکتا، کوئی کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کرے گا تو اُسے سزا دینا حکومت کا مسئلہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تو یہ ہے کہ رہتی دنیا تک ہر ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا پڑے گا۔ یہ چند لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اس سے کیا فرق پڑتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔۔۔ ہم نے رہتی دنیا تک تمام عالمِ انسانیت کے لیے بشارت دینے والا اور انجام بد سے خبردار کرنے والا مبعوث فرمایا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ لیکن لوگوں کی اکثریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت سے ناآشنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، بعثت سے لے کر قیامت تک ہے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم تھا ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی حیات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم ہے اور قیامت تک صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی کی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جاری وساری ہے۔

قیامت کا دن مقرر ہے:

جب قیامت پر بات آتی ہے تو یہ انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ اگر آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرو) سچ فرماتے ہیں تو قیامت لے آؤ۔ کہاں ہے قیامت؟ اگر آپ سچے ہیں تو اسے کر دکھاؤ۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾ انہیں فرما دیجیے! گھبراؤ نہیں۔ جب تمہارا پیدا ہونے کا وقت آیا تم پیدا ہو گئے کیا تم نے انکار کیا؟ خود کو روک سکے؟ جب تمہاری موت کا وقت آتا ہے تم مر جاتے ہو۔ رک کیوں نہیں جاتے؟ جب تمہاری زندگی میں تم پر بیماری بھیج دیتا ہے تو کیوں پڑے رہتے ہو؟ کیوں نہیں کہتے کہ میں بیمار نہیں ہوتا۔ اسی طرح، انہیں فرما دیجیے

کہ تمہارے لیے وہ دن مقرر ہے اور جس کے لیے جو دن مقرر ہے اس میں سے ایک لمحہ نہ کوئی آگے کر سکتا ہے نہ پیچھے کر سکتا ہے۔

تم اپنی زندگی کو دیکھ لو، کیا تم نے بچپن کو روک لیا کہ میں لڑکا ہی رہوں گا جوان نہیں ہوتا؟ جوانی آئی تو بہت خوش ہو گئے لیکن کیا جوانی کو روک لیا کہ بڑھاپے کو نہ آنے دوں گا؟ بڑھاپا بھی آ گیا پھر موت آ جائے تو چپ کر کے جان دے دیتے ہو۔ رک جاؤ اور کہو میں نہیں مرتا۔ فرمایا، جس طرح وقتِ مقرر پر ساری چیزیں آ رہی ہیں، تمہاری پیدائش، بچپن، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمری بڑھاپا اور موت، اسی طرح قیامت کا بھی وقت مقرر ہے۔ تم گھبراؤ نہیں جب وہ وقت آئے گا تو قیامت بھی آ جائے گی۔ اچھا تو یہ ہے کہ اس کے لیے تیاری کرو کہ جب وہ وقت آئے تو تمہارے دامن میں کچھ نیکیاں ہوں۔ جرائم کی گٹھڑیاں نہ سر پر رکھو بلکہ کچھ نیکیاں دامن میں بھر لو، قیامت کو کام آئیں گی۔ تم نے زندگی میں کیا روک لیا ہے جو قیامت کو آنے سے روک لو گے؟ قیامت تو اپنے وقت پر آ جائے گی، دیکھا یہ جائے گا کہ تمہارے دامن میں کیا ہے؟ سر پر گناہوں کا بوجھ ہے یا کچھ نیکیاں بھی ہیں!

سورۃ سبا رکوع 4 آیات 31 تا 36

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ
وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى
بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ
اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا
رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ
يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا
قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور یہ کفار (دنیا میں تو) کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قرآن پر اور نہ اس سے پہلی (کتابوں) پر اور اگر آپ (ان کی اس وقت کی حالت) دیکھیں جب یہ ظالم اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے ایک دوسرے پر بات ڈالتے ہوں گے، (چنانچہ) کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے

تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے ﴿۳۱﴾ (اس پر) بڑے لوگ چھوٹے لوگوں سے کہیں گے کیا ہم نے تم کو (زبردستی) روکا تھا اس کے بعد کہ جب وہ ہدایت تم تک پہنچ چکی تھی؟ بلکہ تم ہی قصوروار تھے ﴿۳۲﴾ اور وہ چھوٹے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے بلکہ تمہاری رات اور دن کی چالوں نے (روکا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس سے ساتھ شریک بنائیں اور وہ لوگ دلوں میں پشیمان ہوں گے جب وہ عذاب دیکھیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جیسا وہ کرتے تھے ویسا بدلہ پایا ﴿۳۳﴾ اور ہم نے کسی بستی میں (انجام بد سے) ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا جو چیز آپ دے کر بھیجے گئے ہیں بے شک ہم اس کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ اور کہنے لگے ہم مال اور اولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا ﴿۳۵﴾ آپ فرما دیجیے کہ بے شک میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) کم دیتا ہے ولیکن اکثر لوگ (اس سے) واقف نہیں ﴿۳۶﴾

تفسیر ومعارف

قرآن سے انکار کا سبب:

دارِ دنیا میں جب آدمی بالکل ایک طرف کا ہو کر رہ جائے یعنی اسے صرف بدن کا خیال ہو، دنیوی دولت سمیٹنا چاہے، دنیوی آرام وسکون اور راحتیں حاصل کرنا چاہے اور روح کو بھول ہی جائے تو اس کا حال عجیب ہو جاتا ہے۔

گزشتہ آیات میں جیسے آ رہا ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ قیامت کہاں ہے اور کب ہوگی تو فرمایا گیا کہ ایک مقررہ وقت ہے جس میں ایک لمحے کی تقدیم وتاخیر نہیں اور جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ انسان جو بدن اور روح کا مجموعہ ہے، اس کی روح کی ضروریات اسے بدن کی ضروریات کے حصول سے روکتی نہیں ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ اگر روح کی غذا حاصل کرنی ہے تو بدن کی غذا حاصل نہ کی جائے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ بدن کی ضروریات کو اس طریقے سے پورا کیا جائے جو شریعتِ مطہرہ نے مقرر کیا ہے۔ دولت کمائے، اچھا کھائے، حلال کھائے، جائز وسائل سے حاصل کرے۔ اچھا لباس پہنے

لیکن کسی کا چھین کر نہ پہنے اچھا گھر بنائے، اچھی گاڑیاں رکھے لیکن اس میں کسی کی حق تلفی نہ کرے بلکہ اپنی محنت سے کمائے۔

جب آدمی دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پھر وہ یہ پابندیاں نہیں چاہتا۔ اُسے یہ باتیں پسند نہیں آتیں کہ دولت حاصل کرنی ہے تو جائز طریقے سے ہی لو اور اگر ناجائز طریقے سے مل رہی ہے تو نہ لو بلکہ وہ جہاں سے ملے لینا چاہتا ہے۔ اسے جو کچھ ملے، وہ کھانا چاہتا ہے، جو ملے وہ پہننا چاہتا ہے۔ اللہ کی کتابیں اور شریعتِ مطہرہ جہاں ایمانیات کی بات کرتی ہیں یعنی اللہ پر ایمان لانے کی اللہ کی کتابوں پر، انبیاؑ پر، فرشتوں پر آخرت پر ایمان لانے کی وہاں زندگی کے اسالیب بھی مقرر کرتی ہیں۔ ہر کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ بتاتی ہیں۔

جو لوگ اسلام سے بے بہرہ ہیں، آخرت کو نہیں مانتے انہوں نے بھی دنیا میں رہنے کے کچھ ضابطے تو بنا رکھے ہیں۔ ہر قوم کا ایک رویہ، ایک راستہ ہوتا ہے جس پر وہ چلتی ہے۔

ہر قوم راست راہے دینِ و قبلہ گاہے

ہر قوم کے لین دین، صلح جنگ کے کچھ قاعدے اور اصول ہیں لیکن زندگی کے سلیقے اللہ کریم بتاتے ہیں اور اللہ کی کتاب بتاتی ہے اس میں ہر فرد کے حقوق کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ایک دنیادار یہ چاہتا ہے کہ وہ جو چاہے اُسے مل جائے خواہ کسی اور کو کچھ ملے نہ ملے اور یہ ایک عام رویہ ہوتا ہے۔ مسلمان بھی اگر اُن ضابطوں سے ہٹ جائے جو اللہ نے مقرر کیے ہیں تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ اپنے لیے چیزیں حاصل کرنے کی فکر تو ہوتی ہے لیکن جو اس کے ذمے ہے اُسے ادا کرنے کی فکر نہیں رہتی۔ کفر تو پھر بہت بڑی مصیبت ہے کہ کافر تو اللہ کی ہدایت کو مانتے ہی نہیں اور اگر مانیں تو اُن کی خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی۔ وہ جس طرح دولت سمیٹنا چاہتے ہیں، جس طرح سے اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں کر سکتے لہٰذا کافر کہتے ہیں: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۔۔۔ ہم اس قرآن کو نہیں مانتے۔ یہ تو اتنی پابندیاں لگا دیتا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے جی نہیں سکتے، اپنی مرضی سے کھا نہیں سکتے، سو نہیں سکتے۔ ہمارا تو جو جی چاہے گا کریں گے اور قرآن سے پہلے جو کتابیں آئی ہیں ہم اُن کو بھی نہیں مانتے۔ تمام آسمانی کتابوں نے چونکہ زندگی کے سلیقے سکھائے ہیں اور ان میں عقیدے اور عمل پر بحث ہوتی ہے تو ماننے والے کو عقیدے اور عمل میں مطابقت پیدا کرنا پڑتی ہے۔ جب اللہ کو وحدہ لاشریک مانا جائے، سب سے بڑا حاکم مانا جائے تو پھر اس کی اطاعت کرنا پڑتی ہے جس سے خواہشاتِ نفس میں رکاوٹ پڑتی ہے اور وہ اطاعتِ الٰہی میں آڑے آتی ہیں۔ چنانچہ کفار کہنے لگے کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں نہ ہی اس سے پہلی کتابوں کو مانتے ہیں۔

میدانِ حشر میں کفار کی باہم گفتگو:

فرمایا، اے مخاطب!: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔۔۔ آخر ایک وقت آ رہا ہے

تُو اگر انہیں دیکھے جب یہ اللہ کے روبرو کھڑے ہوں گے۔ یہاں تو بڑی ڈھینگیں مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے لیکن جب میدانِ حشر میں آئیں گے اور جہنم بھی سامنے ہوگی اور جنت بھی سامنے ہوگی۔ دوزخ بھی بھڑک رہی ہوگی اور جنت کی بہاریں بھی نظر آ رہی ہوں گی، حساب کتاب کا معاملہ ہوگا اور اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ۔۔۔ پھر ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور الزام تراشی کریں گے کہ تُو نے مجھے مروا دیا۔ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾ جو کمزور لوگ ہیں وہ بااختیار اور طاقتور لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو دنیا میں ہم ایمان لے آئے ہوتے، تم نے ہمیں مروا دیا۔

چونکہ پورے ملک کا نظام بااثر اور طاقتور لوگوں کے پاس ہوتا ہے، نظامِ تعلیم نظامِ عدل، معیشت اور وسائلِ روزگار، زندگی کے سارے معاملات اُنہی لوگوں کے قبضے میں ہوتے ہیں جو قبض وکشاد کے مالک بنے ہوتے ہیں۔ صاحبِ اقتدار لوگ، طاقتور لوگ ہی سیاہ وسفید کے مالک بنے ہوتے ہیں تو وہ کمزور لوگ انہیں کہیں گے کہ تم نے تو ہمیں مروا دیا۔ تم نے ایسے نظام ہائے تعلیم بنائے، ایسے نظامِ عدل بنائے جس میں سارا جھوٹ، بے ایمانی اور بدمعاشی تھی۔ تم نے معیشت کے وسائل ایسے بنائے، تم نے سود کو حلال کرنے پر اصرار کیا تو آج بتاؤ کہ تمہارے پاس تو اقتدار تھا ملک کی باگ ڈور تھی تم نے ہمیں بھی اپنے ساتھ مروا دیا۔ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آئے ہوتے۔ طاقتور کہیں گے:

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ تمہارے پاس جب اللہ کا رسولؐ آیا اور اللہ کی کتاب لایا تو ہم نے کیا تمہیں منع کیا تھا کہ اُن پر ایمان نہ لاؤ؟ ہم نے کب روکا تھا تمہیں؟ تم خود ہی مجرم ہو۔ ہم نے تمہیں پکڑ تو نہیں رکھا تھا۔ تم انکار نہ کرتے۔

غرباء کی دلیل بھی بڑی وزنی ہوگی کہ اقتدار واختیار تو تمہارے پاس تھا۔ تم نے ہمیں حقیقت کی طرف آنے ہی نہیں دیا نہ ہماری تربیت کی اور نہ ہم تک وہ معلومات پہنچائیں۔ تمہاری طرف سے تو ہم تک انکار ہی پہنچا اور ہم تمہاری پیروی میں انکار کرتے رہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

تم بااختیار لوگ تھے اور تم دن رات ایسی تدبیریں کرتے تھے کہ ہمیں دین سے دور رکھتے۔ ہماری زندگی کے سارے وسائل تو تمہارے قبضے میں تھے۔ تعلیم وتعلّم، روزگار کے وسائل، عدلیہ کا نظام، سب کچھ تو تمہارے قبضہء قدرت میں تھا اور ہمیں تو تم اُس طرف لے کر چلے جس طرف اللہ کا نام نہیں تھا۔ تم نے ہمارے لیے سارے

راستے بند کر دیے۔ تم ہمیں کہتے تھے کہ دین کو چھوڑو یہ پرانی باتیں ہیں، انہیں چھوڑ و فلاں کے دروازے پر جاؤ، فلاں کی غلامی کرو۔ تم نے ہمیں اللہ کا انکار سکھایا اور ہمارے لیے اللہ کے متعدد شریک پیدا کر دیے۔ کسی کو روزی دینے والا، کسی کو شفا دینے والا اور کسی کو مشکل کشا بتا کر ہمیں ایک دوسرے کے دروازے پر دھکے لگواتے رہے۔ تم نے ہمیں سیدھی راہ پر جانے ہی نہیں دیا۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ۔۔۔ لیکن جب عذاب سامنے آئے گا تو پھر دونوں فریق خاموش ہو جائیں گے پشیمان ہو جائیں گے کہ اب کیا ہوگا۔ ہوگا یہ: وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔۔۔ ہم جہنم کے بڑے بڑے طوق کفار کی گردنوں میں ڈال دیں گے اور انہیں زنجیروں میں جکڑ کر آگ میں پھینک دیں گے۔

جب یہ ہوگا تو پھر انہیں شور شرابہ کرنے کی بجائے ندامت شروع ہو جائے گی۔ انہیں احساس ہوگا کہ اگر بڑے لوگ دیندار نہیں تھے تو کم از کم ہم ہی غور کر لیتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم بھی بد معاشی، چوری چکاری اور رشوت خوری میں خوش رہے۔ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ ان کے لیے اور کیا بدلہ ہوگا، کیا معاوضہ ہوگا، کیا جزا ہوگی؟ وہی ہوگا جو دنیا میں عمل کیا ہوگا۔ ہر بندہ اپنے عمل کا بدلہ پائے گا۔ نیکی کرتا تھا تو نیک بدلہ پائے گا اور اگر برائی کرتا تھا تو بدلہ بھی سزا کی صورت میں پائے گا۔

ایک عجیب حقیقت:

فرمایا، یہ عجیب بات ہے، انسانی مزاج ایسا ہے کہ: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ کسی شہر، کسی بستی، کسی علاقے کی طرف جب ہم نے اپنے نبیؑ کو مبعوث کیا جو مِّنْ نَّذِیْرٍ۔۔۔ یعنی غلط عقیدے، غلط عمل کے برے انجام سے بروقت اطلاع دینے والا تھا۔ انبیاؑ کا منصب جلیلہ ہے کہ وہ دارِ دنیا میں انسانوں کو بتا دیتے ہیں کہ آج جو غلطی کر رہے ہو فردائے قیامت اس کا انجام کتنا خطرناک ہوگا۔ وہ اُن کاموں سے منع فرماتے ہیں کہ ان سے دنیا میں بھی تمہارا نقصان ہوگا، دکھ ہوں گے اور اگر تم یہاں محسوس نہ کر سکے تو موت آئے گی تو پتا چل جائے گا۔ قبر میں جاؤ گے تو برزخ کے عذاب سے پتا چل جائے گا اور پھر روزِ محشر پیش ہو گے تو آخرت کے فیصلے سے سمجھ آ جائے گی۔ فرمایا، ہم نے انبیاؑ مبعوث فرمائے تا کہ لوگوں کا بھلا ہو اور وہ انہیں ہر بُرے کام کے نتیجے سے بروقت آگاہ کر دیں کہ وہ اس سے بچ سکیں لیکن اس قوم کے خوشحال لوگوں نے، برسرِ اقتدار اور با اختیار لوگوں نے کہا کہ ہم انبیاؑ کی بات کا انکار کرتے ہیں۔ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وہ کہتے تھے جو کچھ آپؐ لیے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں ہم نہیں مانتے۔ آخر یہ خوشحال لوگ کیوں نہیں مانتے؟ یہ اس لیے نہیں مانتے تھے کہ وہ زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کے عادی تھے، لوٹ کھسوٹ کے عادی تھے۔ جس کی چاہتے عزت لوٹ لیتے، جس کا چاہتے مال لوٹ لیتے،

رشوت لیتے، چور بازاریاں کرتے تھے۔ اب جب اللہ کا نبیؐ آیا تو اس نے سارے ناجائز وسائل سے روک دیا اور فرمایا کہ ہر کوئی حلال رزق حاصل کرے اور جائز وسائل اختیار کرے۔ چنانچہ لوگوں نے کہا ہم آپؐ کی بات ہی نہیں مانتے۔ جو کچھ آپؐ لائے ہیں، بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ جس چیز کے ساتھ آپؐ کو بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں، ہم نہیں مانتے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "آپؐ جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں" یعنی انہیں بھی یہ پتا ہے کہ یہ اللہ کے نبیؐ ہیں اور اللہ کی طرف سے ضابطہ اور قانون لائے ہیں۔ یہ لوگ اس کا انکار کرتے اور دلیل یہ دیتے کہ آپؐ کہتے ہیں کہ جو ظلم کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، چوری یا ڈاکہ کرتا ہے تو اس پر اللہ کا عذاب آتا ہے لیکن ہم نے تو ساری زندگی یہی کام کیے ہیں۔ ہمارا کیا بگڑا؟ ہم پر کون سا عذاب آیا؟ بلکہ، وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ ہمارے پاس تو دولت کے ڈھیر لگ گئے اور اللہ نے ہمیں اولادیں بھی دیں اور ہمارے خاندان بھی بڑھے۔ ہم پر تو کوئی عذاب نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر آگے بھی کوئی جہان ہے تو وہاں بھی عذاب نہیں آئے گا۔ اللہ نے تو ہمیں دولت بھی دی، اولادیں بھی دیں، ہم تو عیش کر رہے ہیں۔

رزق کی تقسیم:

فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو بتا دیجیے کہ اللہ جسے چاہتا ہے اسے زیادہ رزق دے دیتا ہے، اقتدار دے دیتا ہے، اولاد اور خوشحالی دے دیتا ہے لیکن آزماتا ہے۔ حکومت دے کر آزماتا ہے کہ عدل کرتا ہے یا نہیں۔ رزق دے کر آزماتا ہے کہ اس سے انصاف کرتا ہے، لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی پر غربت و افلاس بھیج دیتا ہے تو اُسے بھی آزماتا ہے کہ غریبی میں بھی میرے ہی دامن سے وابستہ رہتا ہے یا دنیا کے لالچ میں دوسروں کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔ دولت یا اولاد کا ہونا یا اقتدار کا ہونا یا غربت و افلاس کا ہونا اس نظامِ کائنات میں انسان کی آزمائش کے طریقے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے، میرا پروردگار جسے چاہتا ہے زیادہ رزق دے دیتا ہے جسے چاہتا ہے اسے کم دیتا ہے۔ دونوں کی آزمائش ہوتی ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس بات کو جانتی نہیں، سمجھتی نہیں ہے۔

سورۃ سبا رکوع 5 آیات 37 تا 45

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا ز فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی
الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی
الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
وَیَقْدِرُ لَهٗ ط وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾
وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا
یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ
الْجِنَّ ج اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ
بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ
یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ج وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ
مُّفْتَرًی ط وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ لا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ
مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ
قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ لا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ
اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۵﴾

اور تمہارے مال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تمہیں ہمارا مقرب بنا دے مگر
ہاں جو ایمان لائے اور نیک کام کرے سو اُن کے لیے ان کے (نیک) کام کا دو گنا
صلہ ہے اور وہ اطمینان سے بالا خانوں میں (بیٹھے) ہوں گے ﴿۳۷﴾ اور جو
ہماری آیتوں کو ہرانے (ناکام بنانے) کی کوشش کر رہے ہیں، ایسے لوگ عذاب
میں لائے جائیں گے ﴿۳۸﴾ فرما دیجیے کہ بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں
میں سے جسے چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے اور تم جو
چیز خرچ کرو گے تو وہ اس کا (تمہیں) بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی
دینے والا ہے ﴿۳۹﴾ اور جس دن ان سب کو جمع فرمائے گا پھر فرشتوں سے
ارشاد (ربانی) ہو گا کیا یہی لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ ﴿۴۰﴾ وہ
عرض کریں گے آپ پاک ہیں ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان سے بلکہ یہ
جنوں (شیاطین) کی پوجا کرتے تھے (اور) ان میں اکثر ان ہی کو مانتے
تھے ﴿۴۱﴾ سو آج تم میں سے کوئی کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں
رکھتا اور ہم ظالموں سے کہیں گے جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے
اس کا مزہ چکھو ﴿۴۲﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیات صاف صاف
پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ ایک (ایسا) شخص ہے جو چاہتا ہے کہ جن چیزوں کو
تمہارے باپ دادا پوجا کرتے تھے ان سے تم کو روک دے اور یہ (بھی) کہتے
ہیں کہ یہ (قرآن) جھوٹ ہے جو (اپنی طرف سے) بنایا گیا ہے اور کافروں
کے پاس جب حق آیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے اور ہم نے نہ تو ان کو کتابیں
دیں ﴿۴۳﴾ جن کو یہ پڑھتے ہیں اور نہ ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی
ڈرانے والا بھیجا تھا ﴿۴۴﴾ اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے جھٹلایا اور
یہ (مشرکین) تو (اس کے) دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے جو کچھ ہم نے ان کو دے
رکھا تھا سو انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا عذاب کیسا ہوگا ﴿۴۵﴾

تفسیر ومعارف

قربِ الٰہی کی دلیل کیا ہے؟

فرمایا: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى ۔۔۔ دنیا کی دولت، اولاد یا بڑا گھرانہ ہونا، حکومت واقتدار ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ اس پر راضی ہیں۔ دولت تو کفار کے پاس بھی ہے۔ حکومت اور دولت تو فرعون کے پاس بھی تھی۔ نمرود وشداد کے پاس بھی دولت تھی اور اسی نے ان کو بگاڑا اور انہوں نے خدائی دعوے کیے۔ مفلس ہوتے تو کہاں خدائی دعوے کرتے؟ اُن کے پاس اقتدار تھا لیکن انجام کیا ہوا؟

دولتِ دنیا، اولاد یا اقتدار کا ہونا اللہ کی رضا کی دلیل نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جسے یہ سب حاصل ہے وہ اللہ کا مقرب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے کہ انہیں حاصل کر کے انسان اطاعتِ الٰہی کرتا ہے یا بغاوت کرتا ہے۔ قربِ الٰہی کی دلیل یہ ہے: اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔۔۔ مگر جو ایمان لائے اور نیک کام کرے۔ قربِ الٰہی کی دلیل دو باتیں ہیں، پہلی بات کہ عقیدہ درست ہو، ایمان صحیح ہو۔ ایمان وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ دوسری بات ہے کہ اعمال صالح ہوں، کردار نیک ہو۔ یہ دونوں باتیں قربِ الٰہی کی دلیل ہیں۔ اب ایسا شخص خواہ محل میں رہتا ہو یا جھونپڑی میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کے ایمان اور کردار سے فرق پڑتا ہے۔ ایک بادشاہ اللہ سے دور ہو سکتا ہے، ایک فقیر اللہ کے قریب ہو سکتا ہے، بات تو ایمان اور کردار کی ہے۔ اگر بادشاہ کا کردار درست ہے، تو وہ بھی اللہ کا مقرب ہے۔ ایمان اور عمل کی بات ہے جسے بھی اور جس حال میں نصیب ہے۔

قربِ الٰہی کو پانے کے لیے اللہ پر کامل ایمان اور ضروریاتِ دین کو ماننا ضروری ہے اور عقیدہ بھی وہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بچے کو جب آپ اللہ کا تصور دیں تو اُسے یہ سمجھائیں کہ میں اُس اللہ کو اللہ مانتا ہوں اور ویسا مانتا ہوں جیسا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی جو اللہ کے رسول ہیں، جیسے وہ منواتے ہیں میں اللہ کو ویسا مانتا ہوں۔ گویا اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی اپنی مرضی سے جیسا چاہے ویسا اُسے مانے۔ اللہ کو نِرا ماننا کوئی ماننا نہیں ہے۔ اللہ کو ویسا مانو جیسا وہ ہے اور یہ کون بتائے گا کہ وہ کیسا ہے؟ یہ اللہ کا نبیؑ اور رسول علیہ السلام بتائے گا ورنہ تو

کافر بھی اپنے طور پر اللہ کو مانتے ہیں۔ قرآن کریم میں کتنے کفار کا ذکر ہے جو اللہ کو مانتے تھے۔ ایسا ماننا قابلِ قبول نہیں ایمان کی صحت یہ ہے کہ اس طرح مانیں جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں اور عمل کی صالحیت یہ ہے کہ وہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا جائے۔ جو عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے باہر ہے وہ غیر صالح ہے۔ گویا ایمان بھی وہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا اور کردار بھی وہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا تو یہ دلیل ہے قربِ الٰہی کی۔ مال و دولت، اولاد یا خاندان کا بڑا ہونا یا اولاد کا کامیاب ہونا، صاحبِ اقتدار ہونا، قربِ الٰہی کی دلیل نہیں ہے۔

قربِ الٰہی کی دلیل صرف یہ ہے کہ عقیدہ اور کردار وہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا۔ فرمایا،

فَأُولَٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اُن کے اعمال کا کئی گنا زیادہ اجر دیا جائے گا۔ اللہ کریم اپنی عظمت، اپنی شان کے مطابق اجر بڑھا کر دیں گے، اُن کے اعمال سے بہت زیادہ دیں گے۔ یہ لوگ جنت کے محلات میں بالا خانوں میں مزے سے بیٹھے ہوں گے۔ جب انکار کرنے والوں کو طوق پہنا کر جہنم کی طرف گھسیٹا جا رہا ہوگا یہ ایمان والے لوگ جنت کے بالا خانوں میں بیٹھے مزے کر رہے ہوں گے۔

اللہ کی آیات کو عاجز کرنے سے مراد:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اور جو ہماری آیتوں کو ہرانے (ناکام بنانے) کی کوشش کر رہے ہیں ایسے لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔

یہ بڑی سخت آیت ہے کہ اس میں بڑی ہی سخت بات کی گئی ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے وہ گویا احکامِ الٰہی کے نفاذ کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے انبیاءؑ بھیجے کتابیں نازل فرمائیں تا کہ ان کو مانا جائے، اطاعت کی جائے اور احکام پر عمل کیا جائے یعنی صدقِ دل سے قبول کیا جائے اور اُن پر عمل بھی کیا جائے۔ جو عمل نہیں کرتے وہ چاہتے ہیں کہ میری آیات کو عاجز کر دیں، روک دیں، اُن کا نفاذ نہ ہو سکے!

جیسے حکومت کوئی قانون نافذ کرتی ہے اور رعیت کا کوئی بندہ کہے کہ میں اس پر عمل نہیں کروں گا تو باغی شمار ہوتا ہے۔ اس نے یہی کیا کہ اس قانون پر عمل نہیں کیا، کوئی نیا جرم تو نہیں کیا لیکن وہ پکڑا جائے گا کہ وہ خلافِ قانون ہے۔ اُس نے کیوں قانون پر عمل نہیں کیا۔ بڑی سادہ سی بات ہے ہم کہہ دیتے ہیں کہ جو نماز پڑھتا ہے اپنے لیے

پڑھتا ہے، میں نے نہیں پڑھی تو میرا اپنا نقصان ہے۔ اگر یہ بات یہاں تک رہے تو بھی اچھی تو نہیں ہے۔ بہت خراب ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم جو اطاعت نہیں کرتے تو تمہارا جرم اتنا بڑا ہے کہ تم میرے احکام کے نفاذ کو روکنا چاہتے ہو۔

اگر ہم خود شریعت پر عمل نہیں کرتے تو کیا کسی دوسرے کو عمل کرنے کا کہہ سکتے ہیں؟ اسے بھی ہم وہی برائی سکھائیں گے جو ہم خود کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کوشش میں ہوں کہ نماز بھی نہ پڑھیں، حلال بھی نہ کھائیں رشوت بھی لے لیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں گویا تم میرے احکام کے نفاذ کو روکنے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ بہت سخت آیت ہے۔

فرمایا، جو لوگ عاجز بندے ہوتے ہوئے میرے احکام کو عاجز کرنا چاہتے ہیں، اُن کے نفاذ کو روکنا چاہتے ہیں یقیناً وہ سب لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔ اس کا بڑا سخت محاسبہ ہوگا کہ جتنا سخت جرم ہے اتنا ہی شدید محاسبہ ہوگا۔

ہمارا مزاج ایسا ہے کہ ہم خود کو تسلی دے لیتے ہیں کہ اگر میں نے نماز نہیں پڑھی تو اپنے لیے نہیں پڑھی کسی کی چوری تو نہیں کی، کسی کا مال تو نہیں چھینا۔ اگر دولت ناجائز طریقے سے کما رہا ہوں تو کسی کی تو نہیں چھین رہا اپنے پیسے پر ہی سود لے رہا ہوں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں تم کسی کا تو کچھ نہیں بگاڑ رہے لیکن میرے احکام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہو۔ اپنے خالق، مالک اور ربّ کے حکم کو نافذ ہونے سے روک رہے ہو۔ دیکھ لو کس سے دشمنی مول لے رہے ہو!

ایک برخوردار ملاقات کے لیے آیا، کہنے لگا گھر میں سکون نہیں ہے، بے اطمینانی ہے۔ گھر کا ہر فرد بیمار بھی ہے۔ جب پوچھا کہ آپ کا ذریعہءِ معاش کیا ہے تو کہنے لگا کہ گھر تھا جو سوا کروڑ میں بک گیا۔ وہ رقم بینک میں جمع کرادی جس سے ماہانہ سوا لاکھ مل جاتا ہے، اسی پر گزارا ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ مول لے رکھی ہے اور گھر میں سکون بھی چاہتے ہو۔ جنگ میں تو ویسے بھی سکون نہیں ہوتا پھر اگر اپنے سے طاقتور سے لڑنا پڑ جائے تو بالکل ہی کام خراب ہو جاتا ہے۔ تم نے تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بھی چھیڑ رکھی ہے اور چاہتے ہو کہ گھر میں سکون بھی ہو، صحت و اطمینان بھی ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے! اب اس شخص کا بھی یہی خیال ہے کہ میں کسی کا تو کچھ نہیں لے رہا اپنی رقم پر ہی سود لے رہا ہوں۔

رزق، اللہ کریم کی اپنی تقسیم ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے:

اللہ کریم کا نظام نہایت مربوط اور مضبوط ہے جس میں کوئی خامی نہیں کوئی Loophole نہیں۔ وہ ہر متنفس تک، ایک ایک ذرّہ تک رزق پہنچاتا ہے۔ ایک چڑیا اور اس کے بچے سے لے کر شیر و ہاتھی تک، ایک چیونٹی سے لے کر بڑے سے بڑے جانور تک، پرندوں کو، سمندر کی مخلوق کو، ان گنت مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔

فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ۔۔۔ فرما دیجیے، یقیناً میرا پروردگار جس کا میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، جس کی طرف سے میں دعوت دے رہا ہوں، میرا وہی ربّ ہے۔ اُسی نے مجھے پیدا کیا، مجھے نبوت عطا فرمائی، اُسی نے مجھے برکات عطا فرمائیں اور اُسی کی بات میں تم تک پہنچا رہا ہوں۔ تمہارا پروردگار بھی وہی ہے اور یہ اس کے اپنے فیصلے ہیں کہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے، بے پناہ دولت و امارت دے دیتا ہے۔ جس کو چاہے حکومت و اختیار دے دیتا ہے اور جس کی چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ یہ سب اُسی کے قبضہء قدرت میں ہے۔ وہ بادشاہوں کو فقیر کر دے، وہ قادر ہے وہ فقیر کو بادشاہت دے دے، وہ قادر ہے۔ وہ بیمار کو صحت دے دے، وہ قادر ہے اور صحتمند کو موت دے دے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ کتنے بیمار صحتمند ہو جاتے ہیں اور کتنے صحتمند چلتے چلتے گر کے مر جاتے ہیں۔ کتنے امراء اجڑ جاتے ہیں اور کتنے فقیر اور مانگنے والے اُن کی جگہ امیر بن جاتے ہیں۔ ہم اپنے معاشرے میں، اپنے اردگرد ماحول میں دیکھیں تو ایسی بے شمار مثالیں نظر آتی ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جن کے والد ہمارے گھروں میں مزدوری کرتے تھے لیکن آج وہ ہم سے زیادہ خوشحال ہیں۔ اُن کے بیٹے پڑھ لکھ گئے، افسر بن گئے، اقتدار میں آ گئے دولت بھی آ گئی، ترقی کر گئے۔ ہر گاؤں ہر بستی میں یہ مثالیں موجود ہیں۔ کتنے ایسے لوگ تھے جن کا بستی پر سکہ چلتا تھا لیکن جب گزر گئے تو اولاد نالائق اور آوارہ ہو گئی۔ وہ بڑے بڑے مکان جو انہوں نے بنائے تھے وہ کھنڈر کھڑے رہ گئے۔ اُن کا کوئی نام لیوا ہی نہ رہا۔ یہ ملکی تاریخ نہیں بلکہ ہر آبادی کا قصہ ہے۔ جہاں کوئی گاؤں یا قریہ ہے، کوئی آبادی ہے خواہ دس گھروں پر مشتمل ہے، یہ ہر گھر کا قصہ ہے۔ فرمایا، یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ کس کو کیا دیتا ہے، کب اور کتنا دیتا ہے، کس سے کتنا واپس لے لیتا ہے، یہ سب اُس کے اپنے فیصلے ہیں۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ۔۔۔ اللہ جسے چاہے بے پناہ رزق دے دے مِنْ عِبَادِہٖ۔۔۔ اپنے بندوں میں سے۔ یہ مِنْ عِبَادِہٖ۔۔۔ بتا رہا ہے کہ اللہ کے نیک بندے بھی خوشحال ہو سکتے ہیں اور مفلس بھی ہو جاتے ہیں۔ اللہ بدکاروں کو بھی خوشحالی دے دیتا ہے اور مفلسی بھی۔

ہمارے ہاں ایک تصور بن گیا ہے کہ جو نیک بندہ ہے اُسے تو مفلس ہی ہونا چاہیے۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں، اس کے پاس جوتے نہ ہوں اور وہ سوکھی روٹیاں پانی میں بھگو کر کھائے تو وہ نیک ہے۔ قرآن کہتا ہے وہ اپنے بندوں میں سے بھی کتنوں کو امیر کر دیتا ہے، رزق دیتا ہے۔

تمام امتوں میں اور قیامت تک آنے والے انسانوں میں سب سے اعلیٰ بندے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ اُن ؓ میں فقیر بھی تھے جو واقعی ایسے تھے کہ سوکھی روٹی بھگو کر کھاتے تھے اور اُن ؓ میں امیر بھی ایسے تھے جو اس زمانے میں ارب پتی تھے۔ مکّی زندگی میں اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں صحابہ کرام ؓ میں سے گنے چنے امرا تھے لیکن جب فتوحات ہوئیں اور یمن کے خزانے اور قیصر و کسریٰ کی دولت مدینہ منورہ آئی تو ہر صحابی ؓ انتہائی امیر ہو گیا۔ اُن کو مالِ غنیمت میں سے کروڑوں کے حساب سے حصّہ ملا، جو اُن کا حق بنتا تھا۔

ہمارے ہاں سب سے زیادہ حضرت علی ؓ کے فقر کے قصّے مشہور ہیں۔ حضرت علی ؓ کو غنیمت میں سے بے شمار حصّہ ملا تھا اور وہ بہت دولتمند تھے۔ اللہ جب چاہتا ہے اپنے نیک بندوں پر بھی فراخی کر دیتا ہے، دولت بھی دے دیتا ہے اقتدار بھی دے دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو حکومت دے دی۔ حضرت فاروق اعظم ؓ کو حکومت دے دی، حضرت عثمانِ غنی ؓ کو، حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو حکومت دے دی، کیا یہ اُمّت کے بہترین اور سب سے نیک لوگ نہیں تھے؟ یہ تصور صحیح نہیں کہ اللہ کے نیک بندے ہمیشہ مفلس ہی ہوتے ہیں۔ اللہ دولتمندوں کو بھی نیکی کی توفیق دے دیتا ہے، دولتِ دنیا اور دولتِ آخرت بھی دے دیتا ہے۔ بعد میں آنے والوں میں بھی بہت سے ایسے خوش نصیب ہوئے ہیں۔ برصغیر میں سلطان التمش کی حکومت تھی جبکہ شمالی علاقوں کی مسلمان ریاستوں کو تاتاری تاراج کر رہے تھے۔ ایک ریاست کا شہزادہ آخری دم تک اُن سے لڑتا رہا، بھاگتا رہا، مقابلہ کرتا رہا اور تاتاری اس کا تعاقب کرتے رہے حتیٰ کہ پشاور اور نوشہرہ تک آ گئے۔ جب تاتاری نوشہرہ پہنچے تو اس شہزادے نے بھاگ کر اپنا گھوڑا دریائے سندھ میں ڈال دیا جس کے دوسرے کنارے پر ہندوستان کی حکومت تھی۔ وہ علاقہ تختِ دہلی کے ماتحت تھا۔ تاتاریوں نے کمانیں تان لیں کہ تیر برساتے ہیں اور شہزادے کو گرا لیتے ہیں تو ہلاکو خان جو اُن کا کمانڈر بھی تھا اُس نے روک دیا۔ اُس نے کہا اس پر اب تیر مت چلانا کہ یہ دریا حدِ فاصل ہے۔ اس کے پار التمش کی حکومت ہے۔ اگر تم نے تیر مارا اور سلطان التمش میدان میں آ گیا کہ تم نے میرے علاقے میں بندے کو مارا ہے تو پھر تم کہاں جاؤ گے؟ گویا تاتاریوں سے جہان لرزتا تھا خود تاتاری التمش کے نام سے لرزتے تھے۔

سلطان التمش عادل حکمران تھا اور خواجہ بختیار کاکیؒ کا مرید تھا اور باقاعدہ ذکر اللہ کرتا تھا۔ جب خواجہ بختیار کاکیؒ کا وصال ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ اُن کی نمازِ جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی بلا عذرِ شرعی تہجد نہ چھوڑی ہو،

بلاعذرِ شرعی عصر کی سنتیں نہ چھوڑی ہوں اور بلاعذرِ شرعی بے وضو آسمان نہ دیکھا ہو۔

برصغیر میں اُس وقت بڑے بڑے مشائخ، علما اور مدارس کے مالکان بھی تھے لیکن تینوں شرائط اتنی کڑی تھیں کہ کسی کو جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ کوئی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے قدم بڑھائے۔ جنازہ رکھا تھا اور چونکہ وہ بادشاہ کے شیخ تھے تو جن کی عقیدت تھی وہ بھی آ گئے اور جن کی نہیں تھی وہ بھی جمع ہو گئے۔ خلقِ خدا جمع تھی بڑے بڑے علما اور پیرانِ کرام تھے مگر کوئی باہر نہیں نکل رہا تھا۔ بالآخر سلطان التمش نے جنازہ پڑھا یعنی اتنا مضبوط حکمران بھی تھا اور اس کا کردار یہ تھا کہ اس نے کبھی تہجد نہیں چھوڑی، عصر کی سنتیں نہیں چھوڑیں اور کبھی بلاوضو آسمان نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک تصور ہمارے قصہ خوانوں نے بنالیا ہے کہ جس بندے کو اللہ دولت دے دیتا ہے وہ تو دیندار ہو ہی نہیں سکتا اور جھگی میں یا جنگلوں میں رہنے والا دیندار ہوتا ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔

دولتِ دنیا آزمائش ہے۔ اللہ جسے چاہے خوشحالی دے جسے چاہے مفلس کر دے۔ وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ يُخۡلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۳۹﴾ اور اللہ کی راہ میں جو ذرّہ بھی تم خرچ کرتے ہو تمہیں اس کا بدلہ ملتا ہے۔ کوئی نیکی کا لفظ کہتے ہو، کوئی نیک ارادہ کرتے ہو اس کا بدلہ پاؤ گے، انعام پاؤ گے۔ کوئی پیسہ خرچ کرتے ہو، اس کا انعام پاؤ گے کہ وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اُسی پر اعتماد کرو۔ حلال اور جائز وسائل اختیار کرو اس کے بعد جتنا اس کی بارگاہ سے عطا ہو اس پر قناعت کرو۔ زندگی کا اصول یہ ہے کہ محنت کرو لیکن حلال اور جائز طریقے سے کرو اور جو وہ عطا کرے، اُس پر قناعت کرو۔ اگر زیادہ دے دے تو اُس کا شکر ادا کرو اور تھوڑا دے تو بھی اس کا شکر ادا کرو کہ شاید بہت ملتا تو کسی گمراہی میں پڑ جاتے۔

یوم حشر:

فرمایا: وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ۔۔۔ ایک وقت آ رہا ہے کہ سارے انسانوں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے سب لوگوں کو ایک وقت میں ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ سب کو اکٹھا کر لیں گے پھر دیکھیں گے: ثُمَّ يَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۴۰﴾ پھر فرشتوں سے بھی پوچھ لیں گے کہ کیا یہی لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ ایسے بھی لوگ ہیں جو فرشتوں کی پوجا کرتے تھے، ایسے بھی تھے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ کچھ اُن کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور سجدے کرتے تھے۔ فرمایا، فرشتوں سے بھی پوچھ لیں گے کہ ان میں کتنے ہیں جو تمہاری عبادت کرتے تھے؟

فرشتے عرض کریں گے: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ۔۔۔اے اللہ! آپ پاک ہیں۔آپ کی ذات بلند ہے ہر چیز سے پاک ہے۔ ہمارے ساتھی تو آپ تھے، ان کا تو ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے آپ کا در چھوڑ دیا ان کے ساتھ ہمارا کیا تعلق! ہماری نسبت تو آپ کی طرف ہے۔آپ ہمارے ساتھی ہیں، ہمارے معاون و مددگار ہیں۔ان لوگوں سے ہم نے کیا لینا!

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ۔۔۔''بلکہ یہ جنوں (شیاطین) کی پوجا کرتے تھے'' ان میں سے تو اکثر جنات وشیاطین کی پوجا کرتے تھے ہماری نہیں۔عملیات پڑھا کرتے تھے کہ اس سے جن وشیاطین ان کے لیے لوگوں کو لائیں گے جو انہیں شیرینیاں دیں گے یا مصلے کے نیچے سے پیسے نکالیں گے۔ان کے کردار ایسے تھے اور اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ۝۴۱ ان میں اکثر ان ہی کو مانتے تھے۔ان کی اکثریت کا اعتماد جنات پر، جادو ٹونے سے دولت سمیٹنے پر اور اس طرح کے مکروفریب پر تھا۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا۔۔۔آج کے دن شیاطین وجنات بھی یہاں حاضر ہیں اور انسان بھی موجود ہیں تو ذرا بتاؤ کہ تم ایک دوسرے کا کیا نفع نقصان کر سکتے ہو؟ کیا کوئی کسی کی مدد کر سکتا ہے یا کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے؟ دنیا میں بھی یہی عالم تھا کہ کوئی تمہارا نہ کچھ بگاڑ سکتا تھا نہ مدد کر سکتا تھا اگر تم ایمان ویقین کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے رہتے۔ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝۴۲ ہم ظالموں سے کہیں گے جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔ جو لوگ زندگی میں ظلم کرتے تھے یعنی زندگی میں اللہ کی نافرمانی کرتے تھے، اُن سے کہیں گے کہ دنیا میں تو تم اس کا انکار کرتے تھے کہ دوزخ اور جنت ہے ہی نہیں۔اب ذرا دوزخ کے اندر گھس کے دیکھ لو، مزہ چکھ کے دیکھ لو۔

انکار کرنے والوں کا موقف:

فرمایا: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ۔۔۔دنیا میں تو جب اللہ کی آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام تمہیں احکامِ الٰہی، واضح اور روشن دلیلیں پہنچاتے تھے تو تم کہتے تھے کہ اس میں نبیؑ کا کوئی ذاتی فائدہ ہے۔ یہ ہمیں باپ دادا کی رسومات سے روک کر اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔ اگر ہم باپ دادا کے بتائے ہوئے کام چھوڑ دیں اور اس کی پیروی کرلیں تو پھر تو یہ بڑا ہو جائے گا۔

کفار کا تو یہ رویہ ہے لیکن اللہ معاف فرمائے ہمارے ایمان بھی اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہیں الحمدللہ، اللہ قبول فرمائے لیکن ہمارا کردار کچھ ایسا ہی ہو گیا ہے۔ شادی میں ایسی رسومات کرتے ہیں جو بالکل غیر شرعی ہیں۔ کیوں کرتے ہیں؟ کہتے ہیں جی باپ دادا کا ایک نام ہے اگر ایسے نہ کیا تو برادری والے کیا کہیں گے! گویا اس بات کا احساس نہیں کہ اللہ کریم نے کیا فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا البتہ اس کا احساس ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔

شادی تو شادی، کوئی مر جائے تو لواحقین سے اگر کہا جائے کہ اس کا جنازہ اور بعد کے سارے انتظامات شریعت کے مطابق کرو تو کہتے ہیں کہ ناک کٹ جائے گی، ہمیں یہ بھی کرنا ہے، وہ بھی کرنا ہے۔ جو ساری ہی رسومات ہوتی ہیں۔ کیوں کرنا ہے؟ جی لوگ کیا کہیں گے! سب سے بڑی بیماری جو انسانی معاشرے میں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے! یہ بات ہر بندہ کہتا ہے۔ پتا نہیں وہ لوگ کون ہیں جو کیا کہیں گے؟ جس سے پوچھو وہ یہی کہتا ہے 'لوگ کیا کہیں گے'۔ لوگوں کو اپنی مصیبت پڑی ہے بھلا تمہیں کیا کہیں گے۔ تم یہ سوچو کہ اللہ کی بارگاہ میں کیا جواب دو گے۔ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہو اُن تک جب تمہارا کردار جائے گا تو وہ کیا فرمائیں گے کہ یہ بندہ کیسا ہے۔

فرمایا، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں روشن آیات پہنچائیں تو تم کہنے لگے کہ یہ ہمیں باپ دادا کے راستے سے روکنا چاہتے ہیں اور جو کچھ یہ کہتے ہیں: وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى --- یہ انہوں نے جھوٹ موٹ جوڑ لیا ہے۔ ان پر کوئی وحی نہیں آئی، قرآن نازل نہیں ہوا بلکہ خوانخواہ انہوں نے باتیں جوڑ لی ہیں۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ اور حق کے مقابلے میں کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کوئی جادو سا ہے۔ ان باتوں میں جو یہ کرتے ہیں، اثر تو ہے۔ بندہ جب سنتا ہے تو ایک اثر تو ہوتا ہے، دل کرتا ہے لیکن کوئی جادو سا لگتا ہے۔

فرمایا: وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ اور یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں انہیں تو ایک عرصے سے کوئی کتاب پڑھنے کو نہیں ملی نہ ان میں عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی مبعوث ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی فلسطین کی سرزمین پر تھے، سرزمینِ عرب پر نہیں تھے۔ یہاں تو بڑی مدت سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا نہ ہی انہیں کوئی اللہ کی کتاب پڑھنے کو ملی۔ ان تک جو رسم و رواج پہنچے وہ دین نہیں تھا اور یہ ان کے عادی ہو گئے ہیں لہٰذا اُسی ڈھب پر چلے جا

رہے ہیں۔ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۵ اوران سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے بھی انکار کیا، دین کو جھٹلایا اور شرک میں مبتلا رہے۔ انہوں نے ایسا انکار کیا کہ دین کی کسی بات کو تسلیم ہی نہیں کیا، سیدھا سیدھا انکار کر دیا۔ ہم نے جو آیات، جو عقائد اور اعمال کے ضابطے اور قوانین انہیں عطا کیے تھے انہوں نے تو اس کے دسویں حصّے کو بھی نہیں مانا، اس پر بھی عمل نہیں کیا اور میرے انبیاؑ کی نبوت کا ہی انکار کر دیا۔ پھر دیکھ لو، اس کا بدلہ اس کا انجام کیا ہوا؟ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا نتیجہ تو نکلے گا تو پھر اندازہ کر لیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اس پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوں گے۔ یہ لوگ پہلی اُمتوں کے حالات دیکھ لیں کہ انہوں نے انبیاؑ کا انکار کیا تو کس انجامِ بد سے دوچار ہوئے جبکہ یہ لوگ تو قوت واقتدار میں اُن کے ہزارویں حصّے کو بھی نہیں پہنچے یعنی اُن سے طاقت واقتدار میں بہت کم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی اُن پہلوں کے انبیاؑ سے کس قدر بلند ہے تو یہ سوچ لیں کہ اس انکار کا انجام کیا ہوگا!

سورۃ سبا رکوع 6 آیات 46 تا 54

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ
مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ
شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾
قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ
اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾
وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ
وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ
كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾

فرمایئے کہ مَیں تم کو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے
کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو کہ تمہارے ساتھی کو جنون نہیں! وہ تم کو ایک سخت عذاب
کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں ﴿۴۶﴾ فرما دیجیے جو مَیں نے اس پر تم سے
کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا میرا صِلہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز
پر گواہ ہیں ﴿۴۷﴾ فرما دیجیے کہ بے شک میرا پروردگار (اللہ) حق کو غالب فرما
رہا ہے (اور وہ) غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے ﴿۴۸﴾ فرما دیجیے کہ حق آچکا اور
(معبود) باطل نہ پہلی بار پیدا کرسکتا ہے اور نہ دوبارہ کرے گا ﴿۴۹﴾ فرما دیجیے کہ

اگر (بقول تمہارے) میں گمراہ ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی کو ہے اور اگر میں راہِ راست پر ہوں تو یہ اس وحی (قرآن) کی وجہ سے ہے جس کو میرا پروردگار میرے پاس بھیج رہا ہے بے شک وہ سب کچھ سنتا (اور) بہت نزدیک ہے ﴿۵۰﴾ اور اگر آپ دیکھیں جب یہ گھبرائیں گے تو بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور جلد ہی پکڑے جائیں گے ﴿۵۱﴾ اور کہیں گے ہم اس (دینِ حق) پر ایمان لائے اور اتنی دور جگہ سے (ایمان کا) ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے ﴿۵۲﴾ حالانکہ پہلے یہ لوگ اس سے انکار کرتے تھے اور دور دور سے بن دیکھے ہی ہانکا کرتے تھے ﴿۵۳﴾ اور ان کے اور ان کی آرزو کے درمیان ایک آڑ کر دی جائے گی جیسا کہ پہلے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا کیونکہ یہ سب الجھن والے شک میں پڑے ہوئے تھے ﴿۵۴﴾

تفسیر و معارف

ایک بہترین اصول:

فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ۔۔۔انہیں فرمایئے کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، ایک مشورہ دیتا ہوں۔

کوئی بھی بات جب سنی جائے تو مناسب یہ ہوتا ہے کہ اس پر سوچ بچار کی جائے اس لیے کہ جذبات میں آ کر اس کا جواب دینا اکثر درست نہیں ہوتا۔ معاشرے کا ایک بہترین اصول یہ ہے کہ جب کوئی بات سنیں تو اس پر غور کر لیں، سوچ لیں اور اس کی اچھائی یا برائی کا اندازہ کرنے میں جلدی نہ کریں تو شاید آپ بہتر اور مناسب جواب دے پائیں گے۔ اگر بات سنتے ہی آپ غصہ کر جاتے ہیں اور فوراً کوئی جواب دیتے ہیں تو پھر اس کا جواب مزید سخت آتا ہے اور یوں لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

ارشادِ باری ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے کہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں، ایک بہترین طریقہ تجویز کرتا ہوں: اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا۔۔۔تم مل جل کر یا اکیلے اکیلے، دو دو یا ایک ایک، خالی الذہن ہو کر محض اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ تم میں کوئی جذبہء انتقام نہ ہو، کوئی دشمنی نہ ہو اور

نہ ہی کوئی جذبہء دوستی ہو۔ تمہارے دلوں میں اپنی شہرت کا خیال ہو نہ دوسرے کی لڑائی کا بلکہ محض رضائے الٰہی کے لیے کھڑے ہو جاؤ، مل کر بھی، الگ الگ بھی، ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا۔۔۔ پھر اس بات پر غور کرو، سوچ بچار کرو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت پر ہی تم میں تشریف نہیں لائے بلکہ انہوں نے تمہارے درمیان چالیس برس گزارے ہیں۔ ان چالیس برسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشرے کے ساتھ ایک برتاؤ ہے، ایک کردار ہے، عزیز و اقارب کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ۔ تم غور کرو کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں ہی پیدا ہوا اور چالیس برس تمہارے ساتھ، تمہارے باپ دادا کے ساتھ تمہاری نسلوں کے ساتھ بسر کیے کیا (معاذ اللہ) وہ پاگل ہے؟ اُن کی چالیس سالہ زندگی کیا بتاتی ہے، وہ کیسا بندہ ہے؟ اُن کی شرافت کے، اُن کی صداقت و امانت کے تم خود گواہ ہو۔ اُن کے بے مثال اور بہترین انسان ہونے کے تم خود گواہ ہو۔ چالیس سال ایک بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے، کہولت کی ابتدا ہو جاتی ہے اور جوانی ڈھل چکی ہوتی ہے۔ چالیس برس کے بعد تو وہ جوش و جنوں نہیں رہتا جو پچیس سے چالیس سال کے درمیان ہوتا ہے۔ بچپن جو غفلت کی عمر ہوتی ہے، لڑکپن جو کھلنڈرے پن کی عمر ہوتی ہے اور جوانی جو بڑی منہ زور عمر ہوتی ہے، یہ سارے عرصے تو تمہارے سامنے بیتے ہیں۔ تم اللہ کے لیے، خالی الذہن ہو کر دوستی دشمنی سے بالاتر ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور آپس میں مشورہ بھی کرو اور سوچو بھی مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔۔۔ تمہارے اس ساتھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی جنون نہیں ہے اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۝ یہ تو تمہارا بہترین بھلا چاہنے والا ہے۔ تمہارے نظریات و عقائد اور جو تمہارا کردار ہے وہ تمہیں ایک بہت بڑے عذاب کی طرف لے کر جا رہا ہے۔ اس کے بارے تمہیں خبر نہیں ہے۔ تم اس بات پر خوش ہو کہ تم جو کر رہے ہو ٹھیک کر رہے ہو لیکن تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ تم اپنے لیے خرابی کر رہے ہو یعنی کمال کی بات یہ ہے کہ تم کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔ تمہارے عقائد اور کردار تمہیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف لے کر جا رہا ہے اور اللہ کا یہ بندہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عذاب کی بروقت اطلاع دے رہا ہے تا کہ تم اپنا عقیدہ اور نظریہ درست کر لو۔ تم اپنا کردار درست کر لو تا کہ تم عذاب سے بچ کر اللہ کی رحمت کو پا لو اور اللہ کے انعامات کو پانے کے قابل ہو سکو۔ تم سوچو کہ کیا یہ پاگل پن ہے؟ تم اس بات سے بے خبر ہو کہ آگے کیا آ رہا ہے اور یہ ایک ایسی ہستی ہے جو تمہیں آئندہ کی بات بتا رہی ہے کہ اس عقیدے اور کردار کا انجام بہت شدید اور دردناک عذاب کی صورت میں ہو گا۔ تم اپنے عقیدے کی اصلاح کرو، اللہ کو واحد مانو، ویسا مانو جیسا وہ ہے۔ اللہ کے رسول ؐ پر ایمان لاؤ، آخرت پر اور حساب کتاب پر ایمان لاؤ۔ ضروریاتِ دین کو قبول کرو اور اپنے کردار کی اصلاح کر لو۔

دینی کام پر اجر کی امید صرف اللہ سے رکھو:

اس ضمن میں ایک بات اور بھی ہو جاتی ہے کہ کوئی بندہ جب قوم کی یا عوام کی کسی خاص سمت راہنمائی کرنے لگتا ہے تو آج کی زبان میں اسے سیاست کہا جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ کسی نئی بات کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ مثبت بھی ہو تو جو لوگ اُسے قبول کرتے ہیں وہ اُس بندے کے پیرو بن جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ اُن کا لیڈر، قائد یا امیر یا حکمران بن جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کا جو نظام باپ دادا سے چلا آ رہا ہے اُسے چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگ جائیں گے تو پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ بن جائیں گے اور انہیں رعایا بننا پڑے گا۔ فرمایا، میری تبلیغ میں ایسی کوئی بات نہیں، مجھے اپنی تبلیغ کا بدلہ تم سے نہیں چاہیے۔ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۔۔۔ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، انہیں فرما دیجیے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میں تم سے نذر و نیاز نہیں چاہتا ہوں نہ تم سے دولت لینا چاہتا ہوں اور نہ ہی تم پر مسلط ہونا چاہتا ہوں۔ میری کوئی غرض نہیں ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔۔۔ اس ساری محنت کا اجر اس سارے کام کا اجر اور بدلہ مجھے وہی عطا فرمائے گا جس اللہ کے لیے میں یہ کر رہا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہیے۔ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ میں نے تم سے کوئی معاوضہ یا اجر مانگا ہے تو فَهُوَ لَكُمْ ۔۔۔ تم اپنے پاس رکھو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر تم میرے پیچھے چلے تو میں حکمران بن جاؤں گا تو سن لو کہ میں حاکم نہیں بننا چاہتا۔ اگر حکومت بھی بنے گی تو اس میں تم سب بھی شریک ہو گے۔

آج جمہوریت کا بڑا چرچا ہے۔ جمہوریت کیا ہے، یہ کب اور کہاں سے آئی؟ اس کا نام تو لوگوں نے رکھ لیا لیکن تاریخِ انسانی کو اٹھا کر دیکھیں تو یہ وہ آزادیٔ رائے ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو بخشی۔ تاریخِ عالم کو دیکھیے تو کیا حال تھا؟ ہر طرف مطلق العنان حکمران تھے۔ جو اُن کے منہ سے نکلتا وہی قانون ہوتا یعنی ان کی پسند و ناپسند ہی قانون تھا۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ستودہ صفات تھی جنہوں نے عام انسان کو حقوق بخشے۔ مردوں کو، خواتین اور بچے بچیوں کو حقوق عطا کیے ورنہ خواتین تو بازاروں میں سودا سلف کی طرح بکا کرتی تھیں۔ شراب خانوں میں عیاشی کے لیے استعمال ہوتی تھیں اور جواء خانوں میں ہاری جاتی تھیں۔ برصغیر میں بندہ مرتا تو اس کی بیوی کو اس کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا۔ کیا یہ تاریخ نہیں ہے؟ انسانوں کے پاس کیا حقوق تھے؟ کہاں تھے؟ مغرب تو وحشی تھا اور THE WILD WILD WEST کہلاتا تھا وہاں کیا تھا؟ انسان پر یہ احسان تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ایک ایسی حکومت قائم کر کے دکھائی کہ ایک عام آدمی بھی حکمران کا دامن تھام لیتا تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

بارگاہ میں بندے تو بندے خواتین بھی پیش ہو جاتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ مسئلہ ہے، یہ ایسا نہیں، ایسا ہونا چاہیے تو یہ آزادی رائے کس نے دی؟

شہنشاہ اور حکمران تو آزادی رائے نہیں دیا کرتے۔ اُن کی مرضی کے خلاف تو کوئی نظر نہیں اٹھا سکتا۔ فرمایا، میں تم سے کچھ لینے نہیں بلکہ تمہیں دینے آیا ہوں۔ اگر میں نے کچھ مانگا ہو تو تم رکھ لو مجھے نہ دو۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے کیونکہ میں جس کا کام کر رہا ہوں وہی ذاتِ اقدس مجھے میرا معاوضہ عطا فرمائے گا۔ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ﴿۴۷﴾ اور پھر وہ ذات ایسی ہے کہ جو دل کے ارادوں سے لے کر، زبان، ہاتھ، پاؤں کردار تک ہر چیز سے واقف ہے۔ وہ نیتوں سے بھی آگاہ ہے اور محنت وجد وجہد سے بھی آگاہ ہے۔ جو ہم کرتے ہیں وہ سب اُس کے سامنے ہے وہ خود دیکھ رہا ہے۔ ہر چیز پر خود گواہ ہے۔ اُسے کسی سے پوچھ کر معاوضہ نہیں دینا کہ وہ خود جانتا ہے کون کتنے خلوص سے کون سا کام کر رہا ہے، صحیح کر رہا ہے یا نہیں اُس کے علم میں ہے۔

حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا:

رہی یہ بات کہ تم سمجھتے ہو تمہارا معاشرہ چلتا رہے گا تو یہ غلط فہمی بھی دور کر لو۔ یہ تمہارے رواجات، تمہاری رسومات اور بتوں کی پوجا، تمہارے خود ساختہ ظالمانہ آئین و دساتیر یہ نہیں چلیں گے۔

اس لیے کہ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔۔۔ میرا پروردگار حق کو غالب فرما رہا ہے۔ تمہاری رسومات مٹ جائیں گی۔ یہ بت خانہ نہیں رہے گا۔ یہ بیت اللہ ہے، یہ بیت اللہ ہی بنے گا۔ یہ معبودانِ باطلہ مٹ جائیں گے۔ یہ نہیں کہ انہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ یہ پتھر ہیں یہ ٹھوکریں کھائیں گے۔ جب حق آ گیا تو پھر حق ہی غالب ہوگا اور باطل مقابلہ نہیں کر سکے گا تم یہ نہ سمجھو کہ تم ایمان نہیں لاؤ گے تو شاید اسلام غالب نہیں ہو سکے گا، اللہ اسلام کو، حق کو غلبہ دیں گے اور وہ، عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴿۴۸﴾ پوشیدہ سے پوشیدہ رازوں کو بھی سب سے زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔ وہ باتیں جو کائنات کی یا مخلوق کی نگاہ سے اوجھل ہیں وہ اُس کے سامنے ہیں۔ اُس کے لیے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ اُس کا علم حضوری ہے اور ہر چیز اس کے علم میں ہمہ وقت حاضر ہے۔ انہیں یہ بھی فرما دیجیے، قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ﴿۴۹﴾ جب حق آ جاتا ہے تو مٹنا باطل کا مقدر ہو جاتا ہے کیونکہ باطل از خود اپنے آپ کو قائم رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ باطل نہ پہلی بار کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے نہ دوبارہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے۔ وقتی طور پر شیطنت اُبھرتی ہے لیکن جب حق آتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے کیونکہ حق اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ تائید باری ہوتی ہے۔ اللہ کی قوت ہوتی ہے جبکہ باطل تو پہلے ہی ناچیز ہے، پہلے ہی باطل ہے، غلط

ہے لہٰذا مٹ جاتا ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ایمان نہیں لاؤ گے تو شاید تمہارا آبائی دین ہی چلتا رہے گا تو ایسا نہیں ہوگا، یہ مٹ جائے گا۔ تم ایمان نہ لا کر اپنا نقصان کرو گے خود کو جہنم میں پھینکو گے۔ جب حق آ گیا تو باطل کو مٹنا ہی پڑے گا۔ یہ مٹ ہی جائے گا۔

ہدایت کا سرچشمہ، وحیِ الٰہی:

فرمایا: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ۔۔۔ انہیں یہ بھی فرما دیجیے کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں غلط کر رہا ہوں؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے بتوں کی خدائی کو رد کر کے تمہارے ظالمانہ اور جاہلانہ نظام اور رسومات کو مٹا کر میں غلط کر رہا ہوں؟ اگر خدانخواستہ میں غلط ہوں تو پھر میری گمراہی مجھے ہی نقصان دے گی تمہارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ اگر میں غلط کر رہا ہوں یا میں بھول گیا ہوں تو اپنی غلطی کی سزا میں پاؤں گا، اس کا نقصان مجھے ہوگا۔ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ۔۔۔ اور اگر تمہیں یہ سمجھ آئے کہ جو میں کہہ رہا ہوں یہ واقعی حق ہے، سچ ہے، میں درست بات کر رہا ہوں، میں ہدایت پر ہوں، نیکی پر ہوں اور میری رائے اور مشورہ، میری دعوت درست ہے تو اس کی وجہ یہ ہے فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ۔۔۔ کہ میرا پروردگار مجھ پر وحی نازل فرماتا ہے۔ یہ سب اس لیے صحیح ہے کہ یہ میری ذاتی رائے نہیں ہے، یہ وحی الٰہی ہے جو میں تم تک پہنچا رہا ہوں۔ میں جو کھری اور سچی باتیں کرتا ہوں اور ہدایت پر ہوں تو یہ اُس کی عطا ہے اور اس لیے ہدایت پر ہوں کہ میرا پروردگار مجھ پر وحی فرماتا ہے۔ مجھ سے بات کرتا ہے اور یہ باتیں مجھے وہی بتاتا ہے۔ وہ مالک کائنات ہے، وہ خالقِ کائنات ہے، وہ پروردگار کائنات ہے۔ اس کائنات کی چیزوں کو پیدا کرنے والا وہ واحد لاشریک ہے۔ یہ اس کا مہمان خانہ ہے۔ وہ تمہارا بھی پیدا کرنے والا ہے، تمہیں اس نے پیدا کر کے اپنا مہمان یہاں بنا لیا ہے۔ اب مہمان کو میزبان کے محل میں تصرف کا حق نہیں ہوتا بلکہ جو ضابطہ میزبان بتائے اسی کے مطابق مہمان کو کرنا پڑتا ہے۔ اس نے تمہیں زندگی دی، قوتِ گویائی اور حواس خمسہ دیے۔ یہ ساری نعمتیں دینے والا وہی پروردگار ہے۔ تمہارا تو یہاں کچھ نہیں ہے۔ تم بھی اس کی مخلوق ہو اور وہ تمہاری بھی بہتری چاہتا ہے۔ یہ سب باتیں تمہاری بھی بہتری کے لیے ہیں۔ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ﴿۵۰﴾ اور وہ ربّ العالمین ایسا ہے کہ وہ ہر بات سن رہا ہے اور سب سے قریب ہے۔ ہماری جان سے بھی زیادہ ہمارے قریب وہ ہے۔

آخرت میں منکرین کی حالتِ زار:

فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّکَانٍ قَرِیْبٍ﴿۵۱﴾ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھیں تو ایک وقت تو آ رہا ہے جب یہ آخرت میں پہنچیں گے تو بہت گھبرائیں گے۔ جب قیامت قائم ہوگی میدانِ حشر میں کھڑے ہوں گے تو بہت پریشان ہوں گے لیکن وہاں سے بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّکَانٍ

قَرِیۡبٍ﴿۵۱﴾ اور جلدی پکڑ لیے جائیں گے۔ قیامت قائم ہو جائے یا موت آ جائے جو قیامتِ صغریٰ ہے تو بندہ برزخ میں پہنچ جاتا ہے اور سب حقائق اس کے سامنے آ جاتے ہیں۔ فرمایا، جب یہ لوگ حقائق دیکھیں گے، اپنے عقائد کا بطلان دیکھیں گے، اس کی سزا دیکھیں گے اور جہنم کو سامنے دیکھیں گے، جنت بھی سامنے ہوگی اور فرشتے نظر آئیں گے تو گھبرائیں گے۔ یہ سب دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے کہ ہم کیا کرتے رہے، کیا سوچتے رہے اور یہاں کیا بن گیا۔ یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا لیکن وہاں کوئی بھاگنے کی جگہ ہی نہیں ہوگی چنانچہ فوراً پکڑ لیے جائیں گے۔

وَّقَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖ ۔۔۔ اُس وقت کہیں گے یا اللہ ہم سب مانتے ہیں، جو آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ہم سب مانتے ہیں۔ آپ کی توحید کا بھی اقرار کرتے ہیں، آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانتے ہیں۔ آپ کی کتاب کو بھی مانتے ہیں۔ سب باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ فرمایا: وَاَنّٰی لَہُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ﴿۵۲﴾ اب دنیا سے اتنی دور آ کر واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ تم جا کر مان لو۔ تمہارے پاس ماننے کی فرصت تھی، تمہارے پاس عقل تھی، حواس تھے صحت اور زندگی تھی اور تمہارے پاس میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دعوت لے کر گیا۔ تمہارے پاس ان کی دعوت پہنچتی رہی۔ روئے زمین پر گھر گھر یہ دعوت پہنچی تو تب ماننے کا وقت تھا لیکن تم نے مان کر نہ دیا۔ اب تم اس سے بہت دور آ گئے ہو عالمِ دنیا تو پیچھے رہ گیا۔ تم دوسرے جہاں میں آ گئے ہو اور یہاں کہتے ہو کہ مانتے ہو۔ اب یہاں کی بات تو وہاں نہیں پہنچ سکتی۔ اتنی دور سے وہ نعمت اب تمہارے ہاتھ نہیں آ سکتی کہ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر تم ایمان حاصل کر لو۔ وہ وقت گزر گیا۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ چند روزہ زندگی ہے، بسر ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہے اور اس چھوٹی سی زندگی پر اُس ابدی زندگی کا مدار ہے۔ بلوغت سے پہلے کے پندرہ سولہ سال بھی نکال دیں تو پچیس سے پچپن سال تک تیس سال کا عرصہ رہ جاتا ہے۔ ان تیس سالوں میں بھی دن اور رات شامل ہوتے ہیں۔ اگر راتیں بھی نکال دیں تو بارہ، پندرہ سال کا عرصہ رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے اور اعضا مضمحل اور قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں۔ بندے کے پاس گویا یہ بارہ، پندرہ سال بچتے ہیں جو پلک جھپکنے میں گزر جاتے ہیں۔ ان سالوں میں اُس نے اُس ابدی زندگی کے لیے سامان مہیا کرنا ہے۔ یہ تو اللہ کریم کا احسان ہے کہ تم تھوڑا سا وقت اس کی اطاعت خلوصِ دل سے کرتے ہو اور وہ کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں تمہارے لیے سارے راحت کے سامان مہیا کر دیتا ہے۔ یہ زندگی ختم ہو گئی تو ماننے کا وقت ختم ہو گیا۔

فرمایا: وَّقَدۡ کَفَرُوۡا بِہٖ مِنۡ قَبۡلُ ۔۔۔ جب ماننے کا وقت تھا اُس وقت تو تم انکار کرتے رہے۔ وَیَقۡذِفُوۡنَ

بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ۝ اور بڑے دور بیٹھ کر بغیر کچھ سوچے سمجھے کفر کرتے رہے۔تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر غور تو کرتے۔تم تو اُنہیں صادق اور امین کہتے تھے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سچا کیوں نہیں مانتے تھے؟ اُس وقت تو تم نے مان کر نہ دیا اور بغیر کچھ دیکھے سُنے ، بغیر تجزیہ کیے، اُس کے نفع ونقصان سے واقف ہوئے تم دور کی ہانکتے رہے۔تم نے کہا ہم سننا ہی نہیں چاہتے ہم سنیں گے ہی نہیں اور مانیں گے بھی نہیں ورنہ ہماری حکومت جاتی رہے گی۔ ہماری امارت جاتی رہے گی، دولت جاتی رہے گی۔ہم نہیں مانتے۔اُس وقت تو تم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے تھے، دین کو نہیں مانتے تھے اور بن دیکھے دور کی ہانکتے رہے کہ اگر مان لیا تو اقتدار چلا جائے گا یا سود چھوڑ دیا تو آمدن کم ہو جائے گی۔

یہ بھی بہت عجیب بات ہے کہ دولت ،حکومت ، اقتدار اور شان وشوکت سب اللہ کریم ہی عطا فرماتے ہیں۔ کسی کو اقتدار دے کر آزماتے ہیں، کسی کو دولت دے کر آزماتے ہیں کسی کو غربت و افلاس میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔کسی کو صحت، جوانی اور طاقت دے کر آزماتے ہیں، کسی کو بیماری میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔یہ اللہ کریم کا اپنا نظام ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جس کے پاس دولت اور طاقت آ جائے وہ سمجھتا ہے کہ یہ سارا اُسی کی عقلمندی اور دانشمندی سے ہے۔اگر وہ سچی بات یا دین کی بات کرے گا تو لوگ ناراض ہو جائیں گے۔اگر عوام ناراض ہو گئے تو حکومت چلی جائے گی۔اسی طرح وہ سوچتا ہے کہ اگر سود چھوڑ دیا تو پیسوں میں کمی ہو جائے گی۔فرمایا، اُس وقت تو تم ایسی باتیں ہانکا کرتے تھے: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ ۔۔۔آج تمہارے اور تمہاری آرزوؤں کے درمیان تمہارا وہی کردار دیوار بن چکا ہے۔آج تو تمہاری آرزو ہے کہ تم ایمان بھی لے آؤ اور تم بخشے بھی جاؤ۔آج تمہاری خواہش ہے اللہ تمہیں جنت بھی دے دے لیکن تمہارے اس کردار کے نتیجے میں تمہارے اور تمہاری ان آرزوؤں کے درمیان بے شمار پردے آ گئے ہیں، ایک آڑ بن گئی ہے اب تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔آج تمہیں جنت نظر آ رہی ہے لیکن تم وہاں نہیں جا سکتے۔عذابِ جہنم نظر آ رہے ہیں لیکن تم اُن سے بچ نہیں سکتے۔تمہاری خواہش عذاب سے بچنے کی بھی ہے، بخشش پانے کی بھی ہے لیکن تمہاری آرزوؤں اور تمہارے درمیان تمہارا کردار اب دیوار بن چکا ہے۔تم وہاں نہیں پہنچ سکتے اور كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ۔۔۔تم سے پہلے جن جماعتوں کا یہ کردار تھا اُن کا بھی یہی انجام ہوا۔تم سے پہلے جو طبقے تھے، جو قومیں یا جماعتیں تھیں اُن کا کردار بھی تمہارے جیسا تھا، 'شیعہ' کا ترجمہ گروہ یا جماعت یا کسی خاص طبقے کے پیروکار ہونا ہے۔فرمایا، تم سے پہلے کی جو جماعتیں تھیں اُن کا کردار بھی یہی تھا کہ دنیوی دولت اور اقتدار کے لالچ میں حق کو نہیں مانتے تھے۔وہ بھی یہی کہتے تھے کہ اگر مانیں گے تو ہماری حکومت ختم ہو جائے گی،

دولت چلی جائے گی۔ سزا از جنسِ اعمال ہوتی ہے۔ جیسا کردار ہوتا ہے اُسی کے مقابلے میں اُسی طرح کی سزا ہوتی ہے۔ فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ کیونکہ دنیا میں وہ بھی تمہاری طرح انبیاؑ کی تعلیمات کے بارے شک میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی یہی سوچتے تھے کہ شاید اللہ کا نبیؐ اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے، لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر بادشاہ بننا چاہتا ہے یا شاید دولت جمع کرنا چاہتا ہے۔ تمہاری طرح وہ بھی حق اور سچائی میں شک کرتے رہے، اُن کا بھی یہی انجام ہوا۔ جیسا کردار ہو ویسے نتائج بھگتنا پڑتے ہیں لہٰذا اب بھگتو۔

لمحۂ فکریہ:

آج ہمارا یہ حال ہے کہ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں لیکن کبھی یہ سوچنے کی کوشش بھی نہیں کرتے کہ ہمارا کردار ہمارے دعوے کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔

ہر روز خبریں آتی ہیں کہ سیاسی جلسوں میں لوگ مارے جاتے ہیں، جان دے دیتے ہیں۔ کس بات پر جان دیتے ہیں؟ اس بات پر کہ اس سیاسی جماعت کے ساتھ ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے ساتھ ہیں، مسلمان ہیں تو اسلام کے لیے ہم کیا دیتے ہیں؟ کیا ہمارا کردار بدل جاتا ہے؟ کیا ہم اللہ کے نیک بندے بنتے ہیں؟ اسلام کہتا ہے جھوٹ نہ بولو تو کیا ہم جھوٹ بولنا چھوڑ دیتے ہیں؟ اسلام کہتا ہے کسی کا حق نہ چھینو، کیا ہم ایسا کرتے ہیں؟ عقیدے سے لے کر عمل تک جو اسلامی تعلیمات ہیں ہم اُن میں کتنے مخلص ہیں؟ ہماری مصیبت یہ ہے کہ عقیدے سے لے کر حلیے تک ہمارا جو کردار ہے اس کا ہمیں خود اعتبار نہیں ہے۔ ہم کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن ہمارا کردار اس کے بالکل مخالف ہے۔ ہم اس کے بالکل الٹ کرتے ہیں حتیٰ کہ ہم سے مسلمانوں جیسا حلیہ بھی نہیں بنایا جاتا حالانکہ حلیہ بنانا تو آسان ہے۔ ہم حلیہ بھی غیر اقوام جیسا بنانا پسند کرتے ہیں۔ انجام کیا ہوگا؟

اللہ کریم ہم پر رحم فرمائیں اور ہماری خطائیں معاف فرمائیں۔ ہمیں توبہ کی توفیق دیں اور ہمیں سچا مسلمان بننے کی توفیق دیں۔ یہاں سورۂ سبا مکمل ہوتی ہے۔ الحمد للہ!

سورۃ فاطر رکوع 1 آیات 1 تا 7

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَةٍ
مَّثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ
قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ مَا یَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمۡسِكۡ ۙ
فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذۡكُرُوۡا
نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ ؕ هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰهِ یَرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳﴾ وَاِنۡ یُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَتۡ
رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ
حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا ٝ وَلَا یَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۵﴾ اِنَّ
الشَّیۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِیَكُوۡنُوۡا مِنۡ
اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۶﴾ؕ اَلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۬ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِیۡرٌ ﴿۷﴾ؒ

سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والے ہیں جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے بازو ہیں وہ پیدائش میں جو چاہیں زیادہ کرتے ہیں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۱﴾ اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دیں تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جس کو روک دیں سو اس کے بعد کوئی اس کو جاری کرنے والا نہیں اور وہی

غالب (اور) حکمت والے ہیں ﴿۲﴾ اے لوگو! اللہ کے احسانات کو یاد کرو جو تم پر ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو آسمان اور زمین سے تم کو رزق پہنچاتا ہو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کہاں بہکے پھرتے ہو ﴿۳﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو بلاشبہ آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے گئے ہیں اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۴﴾ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھے اور نہ دھوکا باز (شیطان) تمہیں اللہ سے (متعلق) دھوکے میں ڈالے ﴿۵﴾ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن ہی سمجھو بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوں ﴿۶﴾ جو لوگ کافر ہو گئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اصلہ ہے ﴿۷﴾

تفسیر و معارف

سورۂ فاطر شروع ہوتی ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ اس میں تخلیقِ کائنات کے بارے حقائق ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اُن میں زیادہ بحث عقائد پر کی گئی ہے کہ وہ بنیاد ہیں۔ ان میں گو احکام بھی ہیں۔ جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ بحث اعمال و کردار کی ہے گو عقائد کی بات بھی ہے۔

اللہ کریم سب کے پیدا کرنے والے ہیں۔ چونکہ اسی صفت سے سورت شروع ہوئی، اس کا نام سورۂ فاطر ہے۔

سب تعریف خالقِ کائنات کو سزاوار ہے:

فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے ہیں تمام خوبیاں، تمام بھلائیاں، تمام اچھائیاں، چھوٹی سے لے کر بڑی سے بڑی خوبی تک اور چھوٹے کمال سے لے کر بڑے سے بڑے کمال تک سب اللہ کے ہیں۔ کہیں کسی صنعت میں کوئی کمال نظر آتا ہے تو اس صانعِ حقیقی کا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے اس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اُن میں بے پناہ خوبیاں رکھ دیں۔ آسمانوں میں، سورج، چاند، ستاروں، سیاروں میں، زمین پر جانداروں میں، چرند پرند میں نباتات میں کہیں کوئی کمال ہے تو وہ اس کی عطا ہے۔ سارے کمالات اس کے ذاتی ہیں اُسی کو سزاوار ہیں۔ جو چیز بھی بنائی جاتی ہے۔

اس کی خوبی بنانے والے کے کمال کا مظہر ہوتی ہے، مخلوق کی ذاتی خوبی نہیں ہوتی بلکہ خالق نے اس میں وہ خوبی رکھ دی ہوتی ہے۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ۔۔۔اس نے فرشتوں کو قاصد بنایا۔ اس نے فرشتوں کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اللہ کا پیغام لے کر بندوں تک آتے ہیں۔ یہ صرف وحی لانے والے نہیں ہیں بلکہ علما فرماتے ہیں کہ جب بارش برستی ہے تو ہر قطرے کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اُس قطرے کو وہاں پہنچا دیتا ہے جہاں اُسے پہنچنا ہوتا ہے۔ انسانی بدن کے ساتھ بے شمار فرشتے مقرر ہیں جو اس مشین کو چلائے رکھتے ہیں۔ سماعت و بصارت کے ساتھ، گویائی کے ساتھ، معدے جگر اور خون کے ساتھ، اس پورے نظام کو چلانے کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ فرمایا، میں نے فرشتے ایسی مخلوق بنا دی جو میرے اور میرے بندوں کے درمیان رابطہ ہیں۔ رُسُلًا ۔۔۔اپنے قاصد بنا دیے۔

اللہ کیسا کریم ہے کہ جو اُسے نہیں مانتے اُن کے رزق کا ذرّہ ذرّہ بھی اُن تک پہنچا رہا ہے۔ جب تک اس نے مہلت دی ہے تب تک ہر نعمت صحت، سلامتی، مال و دولت، عزیز و اقارب، سب اُن تک پہنچا رہا ہے۔ فرشتے ایسے ہیں کہ، أُولِيٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى ۔۔۔جن کے بڑے خوبصورت دو پر ہیں اور بہت تیز پرواز ہیں۔ یہ فرشتے آسمانوں اور زمین کے فاصلے کو لمحوں میں طے کر لیتے ہیں۔ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔۔۔ایسے فرشتے بھی ہیں جن کے تین تین پَر ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کے چار چار پَر ہیں۔ وہ مالک ہے جنہیں دو پَر دیے ہیں وہ دو پَروں سے وہی کام کر لیتے ہیں جو تین پَروں والے تین سے کرتے ہیں اور چار پَروں والے چار سے کرتے ہیں۔

اس کی شان يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۔۔۔وہ جسے چاہتا ہے اس کی پیدائش میں اسے دوسروں سے زیادہ نعمتیں عطا کر دیتا ہے، مختلف کر دیتا ہے۔ اس کی قدرت کا کمال ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ اپنے اندر دوسرے سے مختلف نعمتیں رکھتا ہے۔ پتا پتا، ڈالی ڈالی ہر شئے اپنے اندر دوسرے سے مختلف نعمتیں رکھتی ہیں۔ وہ قادر ہے جسے جو چاہے دے دیتا ہے۔ اس کی صنعت کا کمال یہ ہے کہ اس نے ایک چیز پیدا کی، پھر ساتھ اس کے مخالف بھی پیدا کر دی اور جوڑا جوڑا بنا دیا۔ دن کے ساتھ رات بنا دی۔ گرمی کے ساتھ سردی، جوانی کے ساتھ بڑھاپا ہے۔ اسی طرح زندگی کے ساتھ موت ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ ہے کہ ہر ذرّے میں الگ تجلیات، الگ قسم کی کرامات، الگ قسم کے فوائد و خصوصیات اور خزانے رکھ دیے۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① یقیناً اللہ جل شانہٗ ہر چیز پر قادر ہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

اللہ جل شانہ کے بڑے وسیع انتظامات ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے اور ہر لحہ جن کی نگرانی فرما رہا ہے۔ ایک ایک ذرّہ اپنی جگہ پیدا ہوتا ہے، اپنے وقت پر اپنا کام کرتا ہے اور غیر محسوس طریقے سے اپنی ذمہ داری تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک انسانی وجود کی مثال ہی لے لیں۔ کہاں کہاں سے ذرّات آ کر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ کوئی خوراک

کی صورت میں تو کوئی دوا کی صورت میں، اور بھی بے شمار ذرائع سے آتے ہیں۔ ذرّات سے گھاس اُگتی ہے، ذرّات سے جانور بھی پیدا ہوتے ہیں پھر وہ گھاس جانور کھاتے ہیں۔ وہی ذرّات کسی کا گوشت بن کر کسی کا دودھ بن کر انسانی پیٹ تک پہنچتے ہیں۔ سب مٹی کے اجزا ہیں، وہی ذرّات ہیں کہیں غلہ بن گئے، گندم، باجرہ، جوار بن گئے کہیں چاول گرم مصالحے بن گئے۔ کہیں جڑی بوٹیاں بن گئیں، دوائیں بن گئیں، انسان بیمار ہوا تو اس نے وہ دوائیں لے لیں۔ اُس نے کیا لیا؟ وہی ذرّات جو اس کے وجود کا حصّہ بننے والے تھے۔ اُن میں سے بھی جو اس کے وجود کا حصّہ نہیں ہوتے پھر وہ خارج ہو جاتے ہیں۔ وجود میں صرف وہی رہتے ہیں جو ازل سے اس وجود کا حصّہ مقرر تھے۔

اسی طرح سمندروں میں صحراؤں میں، جنگلوں میں کتنی مخلوق بستی ہے جسے کوئی گن نہیں سکتا، ہر ایک کا حصّہ مقرر ہے جو اس تک پہنچ رہا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔۔

اللہ کے نظام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا:

فرمایا: مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا۔۔ اللہ وہ ہے کہ اپنے بندوں پر جو رحمت کے در کھول دے، جو انعام انہیں دینا چاہتا ہے، جو نعمت انہیں پہنچانا چاہتا ہے، اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی کسی کی اولاد یا روزی جو اللہ نے اُسے عطا کرنی ہے، روک دے بلکہ یہ ایسا باریک نظام ہے کہ والد کی روزی میں جو اولاد کا حصّہ ہے، وہ صلب میں محفوظ ہو جاتا ہے، والد کے وجود کا حصّہ نہیں بنتا پھر اپنے مقررہ وقت پر شکمِ مادر میں جاتا ہے۔ غذا ماں کھاتی ہے جس میں سے جو اس کے اپنے وجود کا حصّہ ہے وہ اُس کے وجود کا حصّہ بن جاتا ہے اور بچے کا حصّہ الگ ہو کر اُس کے وجود کا حصّہ بن جاتا ہے۔ اب اگر باپ غذا میں جو بچے کا حصّہ کھاتا ہے اُسے اپنے استعمال کے لیے نہیں روک سکتا، وہ صلب میں چلا جاتا ہے تو باہر کون روک سکتا ہے؟

ماں جو غذا، پھل، دودھ وغیرہ کھاتی پیتی ہے اس میں سے بچے کا حصّہ الگ ہو کر بچے کے وجود میں چلا جاتا ہے۔ ماں اس کو نہیں روک سکتی تو باہر کون ہے جو روک لے؟ لوگوں کو بڑا شکوہ ہوتا ہے کہ فلاں نے میری اولاد روک دی ہے، بندش کر دی ہے۔ کیا تم اللہ کو نہیں مانتے کہ جو چیز اللہ پیدا کرنا چاہتا ہے، کوئی جادوگر کیسے روک سکتا ہے؟

فرمایا، اللہ کی عظمت پہچانو، اللہ وہ ہے کہ اپنے بندوں کے لیے جو رحمت کے در کھول دے تو اُسے کوئی بند نہیں کر سکتا۔ دنیا میں کافر جو نعمتیں پا رہا ہے کیا وہ اس کی رحمت کا مظہر نہیں ہے، کیا کافر کھانا نہیں کھا رہا، کیا اس کے پاس اولاد، گھر بار، لباس نہیں ہے؟ اس کے پاس تو ہم سے زیادہ دنیوی سہولتیں ہیں۔ اُسے کون دے رہا ہے؟ وہی ربّ العالمین دے رہا ہے تو اگر کافر کی قسمت کوئی نہیں روک سکا تو مسلمان کی کس نے روک دی؟

یہاں ایک دنیا دھکے کھاتی پھرتی ہے کہ میری شادی کسی نے بند کردی۔ کمال ہے، اس کا مطلب ہے کہ کائنات تو پھر جادوگروں کے ہاتھ آ گئی۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ہمیں تو اللہ کریم نے کلمۂ توحید اور کلمۂ رسالت عطا فرمایا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ چونکہ سب کے سارے کام وہی کرتا ہے تو کوئی کسی کا کام کرنے والا، کارساز نہیں۔ یہ کس نے بتایا؟ سب سے سچے انسان اصدق الصادقین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تو بات ختم ہوگئی۔ اب اور کسی کی کیا سنتے ہو؟ اللہ کی عظمت کے بارے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تو پھر اس پر شک کرنے کی گنجائش کہاں ہے۔ جائز وسائل استعمال کرو۔ تم بیمار ہوتے ہو تو دوا بھی اس نے بنائی ہے، جائز دوا لو لیکن بیماری اس کی طرف سے سمجھو اور صحت بھی اُسی سے مانگو۔ افلاس آ جائے تو سمجھو اللہ کی طرف سے تنگی آ گئی تو فراخی بھی اُسی سے مانگو۔ جو رحمت کے دروازے اللہ کھول دیتا ہے اُسے کوئی بند نہیں کر سکتا۔ جو نعمت وہ کسی انسان کے لیے عطا کر دیتا ہے کوئی ایسی طاقت نہیں کہ اسے روک سکے: وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔۔۔ اور جو چیز وہ روک دیتا ہے پھر اس کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہیں وہ دِلا سکے لہٰذا تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہو اور اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ یہ تمہارا نہ کچھ سنوار سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② وہ غالب ہے، سب سے طاقتور ہے اور کامل قدرت والا ہے اور اَلْحَكِيْمُ ہے۔ اس کی حکمت ہے اور وہ جہاں جو کچھ کرتا ہے اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذرّہ کوئی پتّا نہیں ہل سکتا، کوئی قطرہ نہیں ٹپک سکتا۔ وہ جو بھی کرتا ہے وہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے تمہیں پسند آئے یا نہ آئے۔ تم مخلوق ہو کر خالق کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ تمہاری پسند کے پیچھے چلے۔ تم مخلوق ہو تمہیں اُس کی پسند کے پیچھے چلنا ہوگا۔ جب تم خود کو مخلوق سمجھ لو گے، اپنی اَنا کو ختم کر لو گے تو کوئی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ جو آتا ہے اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ اللہ کریم اگر پریشانی بھیجتے ہیں تو ساتھ اسے حوصلے بھی دیتے ہیں، قوتِ برداشت بھی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ خوبصورت وعدے بھی کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے کہ مومن کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو بہت سے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔

اسی طرح بیماریاں بھی گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتی ہے اور بھوک افلاس بھی ترقیٔ درجات کا سبب بن جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے جو آتا ہے وہ نعمت ہے ہم اسے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔ ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں وہ ہمارا پیٹ چاک کر دیتا ہے، آپریشن کر دیتا ہے اور پھر ٹانکے لگا کر پیٹ جوڑ دیتا ہے۔ ہماری صحت ٹھیک ہو جاتی ہے تو کیا ہم کبھی ڈاکٹر سے ناراض ہوتے ہیں؟ اس نے تو بظاہر بڑی زیادتی کی پیٹ کھول دیا، سینہ چیر دیا، اندر سے کٹ (Cut) لگایا پھر ٹانکے لگائے اور پھر کتنے دن مرہم پٹی کرانا پڑی۔ اس کے کتنے ماہ بعد چلنے پھرنے کے قابل

ہوئے تو پھر ہم ڈاکٹر سے ناراض کیوں نہیں ہوتے؟ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ ڈاکٹر نے جو کیا ہماری بہتری کے لیے کیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم مرجاتے۔ اللہ کریم بھی جو کرتے ہیں ہماری بہتری کے لیے کرتے ہیں۔ اگر بیماری یا پریشانی آتی ہے تو سمجھ لو کہ اسی میں بہتری ہے کہ اللہ نے ہم پر بھیج دی ہے۔ کوئی ایسا پھوڑا ہے، کوئی ایسی خرابی ہے اندر جس کا آپریشن قدرت کر رہی ہے لہٰذا اس پر بھی اس کا شکر کرو۔ وہ قادر ہے جو چاہے کرتا ہے، وہ غالب ہے اور حکیم ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ جو کرتا ہے درست کرتا ہے۔

انسان پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں:

فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ اے انسانو! کبھی سوچو تو سہی کہ اللہ کے تم پر کتنے احسانات ہیں۔ اس نے کتنا خوبصورت انداز تمہاری پیدائش کا بنایا کہ تمہیں والدین دے دیے۔ وہ چاہتا تو تمہیں بھی درختوں کی طرح زمین سے پیدا کر دیتا تو کوئی کسی کا کچھ نہ لگتا ہوتا۔ کسی کو کسی کا درد نہ ہوتا کوئی کسی کا پوچھنے والا نہ ہوتا۔ اس نے کتنا باریک نظام بنا کر کہاں کہاں سے ذرّات جمع کر کے کیسے تم تک پہنچائے۔ کھربوں سیل والد کے صلب اور ماں کے سینے میں پہنچائے۔ انسانی وجود میں مٹی کے اجزا لے کر ان کا خلاصہ تیار کیا پھر اس میں سے اس کا خلاصہ نکال کر ایک نطفہ بنایا اور اُسے صلب میں محفوظ کر دیا۔ اُسے پھر شکمِ مادر میں پہنچایا اور ایک قطرے سے نہیں بلکہ ایک سیل (CELL) سے بنایا کہ قطرے میں تو لاکھوں سیل ہوتے ہیں، ایک سیل سے تمہیں انسان بنایا۔ وہاں تمہیں غذا پہنچائی اور چھ سات فٹ کا کڑیل جوان بنایا۔ اس سیل کی تعمیر سے لے کر اس چھ، سات فٹ کے جسم تک کی تعمیر کس نے کی؟ تمہیں تو خبر بھی نہ تھی۔ اس نے کتنی نعمتیں، لذیذ پھل، کیسے عمدہ کھانے، لباس اور کیسے کیسے گھر عطا کیے اور کتنے عزیز رشتے بنا دیے۔

طبقۂ امراء میں بچہ پیدا ہوا تو کچھ عرصہ ہسپتال میں رہتا ہے پھر گھر آیا تو الگ کمرہ بن گیا، دیکھ بھال کے لیے آیا مل گئی۔ غریبوں کا طرزِ حیات مختلف ہے۔ غریب کا بچہ تو ماں کی گود میں پیدا ہوتا ہے اور سالوں تک ماں کی گود میں ہی پلتا رہتا ہے۔ ایک کھردری سی چارپائی پر ایک بستر ہوتا ہے۔ ایک چادر یا دری سی پڑی ہوتی ہے۔ رات کو بچہ پیشاب کر دیتا ہے اپنے نیچے کا بستر گیلا کر دیتا ہے تو اس کی ماں بچے کو خشک جگہ پر رکھ کر خود گیلے حصّے پر لیٹ جاتی ہے۔ اللہ نے ماں کا ایسا رشتہ بنایا ہے۔ انسان دیکھے تو سہی کہ اللہ نے اس کے لیے کیسے کیسے رشتے بنائے، اس کے لیے کیسے کیسے طریقے اور سلیقے ایجاد کیے اور کیسی کیسی نعمتیں عطا کیں!

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ اے انسانو! کبھی اللہ کی نعمتوں پر

غور کرو، سوچو تو سہی کیا اللہ کے سوا کوئی ایسا خالق ہے جو تمہیں یہ نعمتیں عطا کر سکتا ہے؟ تمہیں بچپن میں والدین دیے جوانی میں ساتھی بنا دیے، بڑھاپے میں اولاد عطا کی۔ تمہاری ہر حالت کا اس نے خیال رکھا۔ تم کھانے کے ایک لقمے میں، ایک گھونٹ پانی میں موجود سیل (Cell) شمار نہیں کر سکتے اور کس سیل کی کیا اہمیت ہے، تم جان ہی نہیں سکتے۔

حال ہی میں سائنسدانوں نے پانی کے ایک ذرّے (Cell) کی تصویر بنائی ہے۔ اس سیل میں ایسے نقش و نگار تھے کہ کسی سنار نے بھی شاید اتنا خوبصورت زیور نہ بنایا ہو۔ اسی طرح باقی رزق کے سیل بھی بے حد خوبصورت ہوں گے۔ فرمایا، ذرا سوچو اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو آسمان سے لے کر زمین پر پھیلی ہوئی نعمتوں کو ضرورت کے مطابق تمہیں پہنچا دیتا ہو؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہی صرف معبودِ برحق ہے اس لیے کہ ہر وجود کو ہر نعمت وہی دے رہا ہے۔ ہر وجود کا خالق وہی ہے، رازق اور مالک بھی وہی ہے۔ چنانچہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے جھکنے کا حق کسی کو نہیں اور نہ ہی کسی کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ مخلوق سے اپنی پوجا کرائے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی بات چھوڑ اس کی مانی جائے۔ اللہ کے سوا کوئی اطاعت کے لائق نہیں ہے۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾ سوچ لو، کہاں بہکے پھرتے ہو؟ کہاں عمریں ضائع کر رہے ہو؟ زندگی کے یہ لمحات بڑے قیمتی ہیں یہ دوبارہ نہیں ملیں گے۔ کیوں انہیں ضائع کر رہے ہو؟ انگریزی کی ایک اصطلاح ہے GOLDEN CHANCE یعنی ایسا موقع جو صرف ایک دفعہ دیا جاتا ہے، دوبارہ نہیں ملتا۔ یہ زندگی بھی گولڈن چانس ہے، یہ ایک بار دی گئی ہے۔ اسے کیوں ضائع کرتے ہو؟ سب سے نالائق تو وہ ہوتا ہے جو گولڈن چانس بھی ضائع کر دے تو یہ زندگی تو ایک گولڈن چانس ہے جو ایک دفعہ عطا ہوا اور اس میں بھی اللہ کریم نے تمہارے لیے کتنا اہتمام کیا۔ تمہیں والدین عطا فرمائے، جنہوں نے بچپن میں محبت سے پالا، تمہیں پڑھایا لکھایا۔ جوان ہوئے تو تمہیں روزگار دیا، صحت دی، اولادیں دیں غذا اور دوا دی اور تم بدلے میں اس پر ایمان بھی نہیں لا سکتے؟ تم اس کی عظمت کو مان ہی نہیں رہے تو تم کیا کرو گے؟ تمہیں واپس اس کی بارگاہ میں آنا ہے پھر تم چلاؤ گے کہ اے اللہ! ہمیں ایک بار دنیا میں بھیج دے، وہ فرمائے گا وہ ایک ہی بار تھی جو گزر گئی۔ یہ ایک بار تھی جو بار بار نہیں آتی جو تم گزار آئے ہو۔

حق کا انکار کرنے والے اپنا نقصان کرتے ہیں:

فرمایا: وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں تو آپ سے پہلے رسولوں کا بھی لوگوں نے انکار کیا۔

یہ بحث پہلے گزری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پہنچاتے ہیں وہ اللہ کا پیغام ہے اس میں اُن کا ذاتی کچھ نہیں ہے۔ وہ اس محنت کا نہ تو کسی سے معاوضہ چاہتے ہیں نہ ہی حکومت و اقتدار کے طالب ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق جیسی دولت تقسیم فرما رہے ہیں اور بدلے میں کچھ چاہتے بھی نہیں تو انسان کیوں انکار کرتے ہیں؟ ہم اگر کسی کو ایک کلو سونے کی اینٹ انعام دیں اور وہ ہمارا شکریہ بھی ادا نہ کرے ممنون بھی نہ ہو تو ہمیں کتنا دکھ ہو بلکہ ہمیں اُس سے نفرت ہو جائے اور دل یہ چاہے گا کہ کاش! پکڑا جائے تو اس سے وہ سونا بھی چھین لیں اور اُسے دو تھپڑ بھی ماریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے عجیب عطا کرنے والے ہیں کہ جب لوگ بات نہیں مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا دکھ نہیں ہوتا تھا کہ میری بات نہیں مانتے بلکہ اس چیز کا دکھ ہوتا ہے کہ یہ بیچارے انکار کر کے جہنم جائیں گے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے! ہم تو امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا مشکور ہو اور اگر مشکور نہ ہو تو ہم اپنے پیسے واپس لینا چاہتے ہیں یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں، ابدی راحتوں اور نعمتوں کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں لیکن اگر کوئی نہیں مانتا تو اس سے ناراض نہیں ہوتے۔

آج کے دور میں تو یہ ایک تصور بن گیا ہے کہ جو کافر ہیں، اس کی گردن کاٹو اُسے گولی مار دو، اس کا گھر لوٹ لو۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافر پر بھی اتنے مہربان ہیں کہ انہیں دکھ ہوتا ہے کہ بے چارہ جہنم جائے گا حالانکہ وہ ظلم کر رہا ہے کہ حق کو قبول نہیں کر رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حق پہنچا رہے ہیں اُسے وہ مان نہیں رہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اس سے ہمدردی فرما رہے ہیں۔

اللہ کریم تسلی دے رہے ہیں کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ آپ کا انکار کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے رسولوںؑ کا بھی انکار کیا گیا لیکن انکار کرنے والوں نے اُن انبیاءؑ و رسولؑ کا کیا بگاڑ لیا؟ یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر رہے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا بگاڑ لیں گے، یہ اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ہر چیز نے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ کر آنا ہے۔ اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ رہے بلکہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اور ہر چیز نے بھی واپس بارگاہِ الٰہی میں جانا ہے۔

حق کے مقابلے میں کسی دھوکے میں نہ آجانا:

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔۔۔ لوگو! اللہ کا وعدہ سچا

ہے اس پر اعتبار کرو۔ ہر کوئی اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے اور وقتِ معین پر موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ تم عدم سے کائنات میں وجود میں آئے۔ اسی طرح موت تمہیں برزخ میں لے جائے گی اور قیامت تمہیں پھر زندہ کر کے کھڑا کر دے گی۔ دنیا کی زندگی تمہیں کہیں دھوکے میں مبتلا نہ کر دے کہ تم بڑے امیر ہو گئے ہو یا بڑے حکمران بن گئے ہو۔ یہ زندگی گزر جائے گی۔ جس زمین میں فقیر دفن ہیں بڑے بڑے شہنشاہ بھی اسی خاک کے سینے میں پڑے ہیں۔ جنہوں نے بڑے قلعے تعمیر کیے تھے آج وہ سیر گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اُن کے مزارات تک لوگوں کی سیر گاہیں ہیں۔ لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے اور دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم ہر چیز کو اپنا کمال سمجھ بیٹھو گویا تم نے اپنی عقل اور قابلیت سے حاصل کی ہے۔ یہ سب اللہ کی عطا ہے اور تمہارے لیے آزمائش ہے کہ ان نعمتوں کو پا کر اس کا شکر ادا کرتے ہو یا ناشکری کرتے ہو۔ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۞ اور تمہیں تمہاری اَنا اللہ کے مقابلے میں دھوکا نہ دے دے کہ عظمتِ الٰہی کے مقابلے میں تم اپنی رائے کو اہمیت دینے لگ جاؤ۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ یہ محض اتنی سی بات نہیں ہے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی بلکہ یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ تم اللہ کی بات کو ناکام کر کے اپنی مرضی نافذ کرنا چاہتے ہو۔ دیکھ لینا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اللہ کے مقابلے میں تمہاری اَنا، تمہاری بڑائی، تمہارا اپنی دانشمندی پر بھروسہ اور رائے دھوکے میں ڈال دے اور آخرت کی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ تم کچھ بھی نہیں تھے یہ اللہ کی عظمت ہے کہ اس نے تمہیں ذرّے ذرّے سے انسان بنایا۔ تمہیں رشتے عطا کیے، والدین اور اولاد دی، دوست دیے، گھر دیے، صحت اور جوانی دی۔ تمہارے لیے زندگی کی راہیں آسان کیں اور پھر ہر لحہ بے پناہ نعمتیں عطا فرما رہا ہے۔ تم یہ مت بھولو کہ واپس اسی کی بارگاہ میں جانا ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، تمہیں وہاں حاضر ہونا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی بڑائی کے زعم میں اللہ کی عظمت فراموش کر بیٹھو، زندگی اپنی رائے سے گزارتے رہو اور اللہ کا حکم نظر انداز کر دو۔ یاد رہے کہ ہر گناہ بندے کی اپنی رائے ہوتی ہے اور ہر نیکی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا ہے۔ تم اگر نیکی کی طرف بڑھتے ہو تو تم نے اللہ کی اطاعت کی اور اگر نیکی چھوڑتے ہو تو تم نے اپنی مرضی نافذ کی۔ تم نے کہا کہ میں اس طرح نہیں کروں گا جیسے اللہ نے فرمایا ہے بلکہ اپنی مرضی کروں گا۔ فرمایا، دیکھ لو پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمہاری حیثیت کیا ہے اور اس کی عظمت کیا ہے؟

شیطان نسلِ انسانی کا دشمن ہے:

فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ ۔۔۔ یقیناً شیطان تم سب کا دشمن ہے۔ شیطان کی دشمنی اولادِ آدمؑ سے

ہے اور وہ ہر انسان کا دشمن ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ جو اس کا کہنا مانتے ہیں، اس کے پیچھے چلتے ہیں، اس کے دوست بنتے ہیں شیطان اُن سے بھی دوستی نہیں کرتا بلکہ دشمنی ہی کرتا ہے۔ وہ جتنے گناہ کرتے ہیں اُن سے مزید گناہوں کی توقع رکھتا ہے اور انہیں اس میں آگے گھسیٹ کے لے جاتا ہے۔ شیطان کو اس بات سے غرض نہیں کہ کوئی اس کی مخالفت کر رہا ہے، اُس سے تو وہ دشمنی کرے گا ہی لیکن جو اس کی بات مانتے ہیں اُن سے بھی دشمنی کرتا ہے اور انہیں جہنم میں آگے سے آگے لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تم جان لو کہ بنیادی طور پر اس کی تمہارے ساتھ دشمنی ہے: فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۔۔۔ تو تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو۔ تم کیوں اُسے اپنا دشمن نہیں سمجھتے جبکہ وہ تمہارے ساتھ صرف دشمنی ہی کرتا ہے؟ تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔

اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ وہ نسلِ انسانی کا ایسا دشمن ہے کہ جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں، اس کی بات مانتے ہیں حِزْبَهٗ جو اس کی جماعت بن گئے ہیں وہ اُن سے بھی دوستی نہیں کرتا۔ اُن سے بھی دشمنی کرتا ہے، اُن سے مزید گناہ کرواتا ہے کفر و شرک کرواتا ہے تاکہ مزید گہرے جہنم میں گریں۔ جو اس کی جماعت بن جاتے ہیں اُن سے بھی دشمنی کرتا ہے تو جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اُن سے کیسے دوستی کر سکتا ہے؟ اے نسلِ انسانی! تمہارے پاس صرف ایک راستہ ہے کہ تم اسے دشمن ہی سمجھو یعنی اس کی بات مت مانو۔ اس پر پھر اللہ کریم کی ضمانت بھی ہے: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرآءیل:65) میرے بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا۔ فرمایا، تم اللہ جل شانہ کی معیت اختیار کرو، اللہ جل شانہ پر ایمان لاؤ۔ اللہ کی اطاعت اختیار کرو، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرو۔ یہاں تو اللہ کریم کی ضمانت بھی ہے کہ تُو میرے بندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا تو یہ نہ سمجھو کہ یہ معمولی بات ہے کہ تم کہو کہ میں نے اللہ کی نہیں مانی، شیطان کی مان لی، خیر ہے گزر بسر ہو رہی ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۔۔۔ جو لوگ اللہ کی نافرمانی کریں گے، کفر کریں گے عظمتِ الٰہی کا انکار کریں گے وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ انہیں کتنے سخت عذاب میں ڈالا جائے گا۔ دنیا میں رہتے ہوئے تم جنت کی راحتوں کا اندازہ لگا سکتے ہو نہ ہی دوزخ کے عذابوں کی شدت کا اندازہ کر سکتے ہو۔ جو لوگ کفر کریں گے: لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۔۔۔ اُن کے لیے بہت سخت عذاب ہوں گے۔ عذاب تو ویسے ہی عذاب ہے، اس کے ساتھ شدت بھی آ گئی تو اللہ پناہ دے نجانے وہ کتنا شدید کتنا سخت ہوگا۔

ایمان کا تقاضا اور انعام:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ جو لوگ ایمان لائیں گے

وہ نیک اعمال کریں گے کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ جیسے کفر کا نتیجہ ہے کہ جو بھی کفر اختیار کرتا ہے وہ برائی کرتا ہے، گناہ کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو ایمان لاتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے۔ عمل صالح کیا ہے؟ ہر وہ عمل صالح ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہو۔ جو عمل بھی دائرۂ اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ہے وہ صالح ہے۔ اس کے باہر صالحیت نہیں ہے، اچھائی نہیں ہے۔ ساری کی ساری اچھائی ارشاداتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان ایسا ہونا چاہیے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا وہ حق ہے۔ شریعت کے احکام اگر ہماری سمجھ میں نہیں آتے تو ہماری عقل غلط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درست ہے۔ سارا زمانہ بھی ان چیزوں کا انکار کردے تو سارا زمانہ غلط ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درست ہے۔ عملِ صالح یہ ہے کہ ہر سوچ وفکر اور انداز سے لے کر کردار اور عمل تک اس طرح کام کیا جائے جس طرح کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، یہ کوئی معمولی تربیت گاہ نہیں تھی۔ تیئس برسوں میں قرآنِ کریم نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر فرمائی۔ ساری حدیث شریف قرآنِ کریم کی تفسیر ہی تو ہے اور ایک انتہائی معتبر، معزز ومقدس لوگوں کی، صحابہ کرامؓ کی جماعت تیار ہوئی جن میں مرد، خواتین، بچے، بوڑھے لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ ان سب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا قرآن کی تشریح وتفسیر سنی پھر اس کے مطابق عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ تم نے صحیح سمجھا ہے اور تم صحیح عمل کر رہے ہو، یہی دین ہے۔ اب اس کے بعد دین میں کوئی کمی بیشی ممکن نہیں ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المآئدہ:3) آج کے دن تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔ اَكْمَلْتُ لَكُمْ ۔۔۔ بالکل مکمل ہو گیا۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۔۔۔ دین کیا ہے؟ اللہ کے انعامات پانے کا ذریعہ اور طریقہ ہے۔ اللہ کی رضا کو پانے کا طریقہ اور سلیقہ ہے۔ کس طرح سوچا جائے، کس طرح مانا جائے، کس طرح عمل کیا جائے جس سے اللہ کریم راضی ہوں اور اللہ کی عنایات ہوں۔ فرمایا، جتنی نعمتیں بندہ اپنے اللہ سے حاصل کر سکتا تھا وہ ساری اس دین میں سمو دی ہیں۔ اس دین سے باہر نکل کر تم کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی دینِ اسلام، اللہ کریم نے تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے پسند کر لیا ہے، اس پر راضی ہو گیا ہے۔

اسلام کے اندر ہی رضائے الٰہی ہے۔ اس کے خلاف عمل کر کے رضائے الٰہی نصیب نہیں ہوگی۔ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اُن کے لیے بخشش ہوگی۔ بعض اوقات ہم نیکی کرتے ہیں لیکن ہمیں اس کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا، ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور بعض اوقات ہمیں دین کا حکم بھی پتا ہوتا ہے اور طریقہ بھی ہم اس کے مطابق کرتے ہیں لیکن ہمارا دل ساتھ نہیں دے رہا ہوتا۔ دل کہیں اور ہوتا ہے اور اعضاو جوارح کہیں اور کام کر رہے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ دل میں کوئی فتور آ جاتا ہے کہ ہم پڑھ تو نماز ہی رہے ہوتے ہیں لیکن خیال یہ آ جاتا ہے کہ لوگ ہمیں پارسا اور نیک سمجھیں۔ لوگوں کو خیرات وصدقات دے رہے ہوتے ہیں، غریبوں کی مدد کر رہے ہوتے ہیں لیکن گمان یہ ہوتا ہے کہ لوگ ہماری تعریف کریں۔ یہ بہت سی خامیاں کمزوریاں اور کوتاہیاں رہ جاتی ہیں تو اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیے، کوشش کی تو اس کی بھوک چوک معاف کردوں گا۔ اس کے لیے مغفرت ہے کہ بتقضائے بشریت اس سے کوئی غلطی ہوگئی تو اس کے لیے اللہ کریم کی بخشش موجود ہے۔ اس کے ساتھ انہیں وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ بہت بڑا صلہ، بہت بڑا معاوضہ، بہت بڑا انعام ملے گا۔

سورۃ فاطر رکوع 2 آیات 8 تا 14

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ
مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا
يَصْنَعُوْنَ ۝٨ وَاللّٰهُ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ
فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝٩ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ
يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ
هُوَ يَبُوْرُ ۝١٠ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا
يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝١١ وَمَا يَسْتَوِى
الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ
تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ
مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ
قِطْمِيْرٍ ۝١٣ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا
لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝١٤

تو کیا وہ شخص جس کو اس کا بُرا کام اچھا کر کے دکھایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (تو کیا وہ نیک آدمی جیسا ہو سکتا ہے)، پس بے شک اللہ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں سو ان لوگوں پر (اتنا) افسوس نہ کریں کہ آپ کی جان ہی جاتی رہے بے شک اللہ ان کے سب کاموں سے باخبر ہیں ﴿۸﴾ اور اللہ تو ایسے (کریم) ہیں جو (بارش سے پہلے) ہواؤں کو بھیجتے ہیں تو وہ بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں پھر اس کو ہم مردہ زمین کی طرف چلاتے ہیں پھر ہم اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ فرما دیتے ہیں اسی طرح (مُردوں کو) جی اٹھنا ہو گا ﴿۹﴾ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لیے ہے اچھی باتیں اسی تک پہنچتی ہیں اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے اور جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کا یہ مکر نیست و نابود ہو جائے گا ﴿۱۰﴾ اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر نطفے سے پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر سب کچھ کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے ﴿۱۱﴾ اور دونوں سمندر (مل کر) ایک جیسے نہیں ہو جاتے ایک تو میٹھا پیاس بجھانے والا جس کا پینا آسان ہے اور ایک نمکین (اور) کڑوا ہے۔ اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت (مچھلیاں) کھاتے ہو اور زیور (موتی) نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو اس میں دیکھتے ہو کہ اس کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم (ان کے ذریعے) اس کی (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو ﴿۱۲﴾ وہ (اللہ) رات کو دن میں داخل فرما دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرما دیتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقررہ تک چلتے رہیں گے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ (کھجور کی گٹھلی کے) چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے ﴿۱۳﴾ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار سنیں گے نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہاری بات قبول نہ کر

سکیں اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کردیں گے اور جاننے والے (اللہ) کی طرح تمہیں کوئی خبر نہ دے گا ﴿۱۴﴾

دارِ دنیا کی سب سے بڑی مصیبت:

اس دارِ دنیا میں جس کو جس مصیبت سے سابقہ پڑتا ہے وہ اسے ہی سب سے بڑی مصیبت سمجھتا ہے۔ بعض لوگ غریبی کو بہت بڑی مصیبت سمجھتے ہیں۔ بعض کے لیے بیماری بہت بڑی مصیبت ہے بعض کے لیے مقروض ہو جانا بڑی مصیبت ہے کسی کے لیے قید ہو جانا بڑی مصیبت ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اس دنیا میں سب سے بڑی مصیبت جانتے ہو کیا ہے؟ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا۔۔۔ دنیا میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کسی بندے کو گناہ میں لذّت ملے اور وہ سمجھے کہ میں بڑا اچھا کام کر رہا ہوں۔ جو بندہ غلط کر رہا ہو اور وہ اس پر خوش ہو رہا ہو کہ بہت اچھا کر رہا ہوں یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا کفر نہیں ہے، فسق ہے، گناہ ہے لیکن گناہ کو گناہ سمجھا جائے اور نیکی کو نیکی سمجھا جائے۔ اگر کوئی گناہ کو اپنا کمال سمجھتا ہے اپنی بڑائی سمجھتا ہے تو یہ بہت بڑی بدبختی ہے جو اللہ کی طرف سے بطورِ سزا مسلط کی جاتی ہے۔

جب بندہ اللہ کی نافرمانی میں ایک حد سے آگے بڑھتا ہے تو اللہ اس کی نظروں میں گناہ کو حسین کر دیتے ہیں اور پھر وہ مزید اس میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ بطورِ سزا مسلط ہوتا ہے اور یہ دنیا میں سب سے بڑی مصیبت ہے کہ بندہ برائی پر فخر کرنے لگے۔

ہمارے معاشرے میں لوگوں نے ایسے پیشے اپنا رکھے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں، مثلاً گانا بجانا، مزامیر، طبلے سارنگیوں کے ساتھ، سب حرام ہے۔ گانے بجانے والوں سے پوچھو تو کہتے ہیں ہم پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔ کمال ہے! اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو، اسے پیشہ بنالیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کر رہے ہو، یہ کون سا کرم ہے؟ یہ سب کیا ہے؟ وہ برائی انہیں حسین نظر آتی ہے اور یہ اللہ کی طرف سے سزا ہوتی ہے۔

ایسے لوگ بھی ہیں جو چوپالوں میں بیٹھے فخر سے بتاتے ہیں کہ ہم نے اتنے قتل کیے تھے، اتنے ڈاکے ڈالے تھے۔ یہ سب حرام اور ظلم ہے لیکن وہ ظلماً قتل کرنے پر بھی فخر کرتے ہیں۔ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے لیکن لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں ہم نے دھما کا کیا اور اتنے بندوں کو اڑا دیا یعنی برائی انہیں بھلائی لگنے لگی اور اپنا کمال نظر آنے لگتا ہے۔ فرمایا یہی سب سے بڑی مصیبت ہے کہ کوئی برا کام کرے اور اُسے اچھا سمجھے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ۔۔۔ یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے جسے چاہے گمراہ کردے۔ جب لوگ ہدایت کو پسند نہیں کرتے، ایمان نہیں لانا چاہتے بلکہ اپنی خواہشات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو اللہ کریم انہیں روکتے نہیں۔ پھر وہ گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔

اللہ کریم جسے چاہتے ہیں ہدایت دے دیتے ہیں۔ اللہ کریم نے کسی پر بھی ہدایت کا دروازہ بند نہیں کیا جب تک اس کی سانس میں سانس ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اللہ کریم نے دو گنجائش باقی رکھی ہیں، ایک تو اسے نصیحت کی جاتی رہے، اسے دعوت دی جاتی رہے اور دوسرا اس کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے۔ البتہ اگر اس کا کفر پر خاتمہ ہوجائے تو پھر اس کے لیے دعا کرنا جائز نہیں کیونکہ دارِ عمل ختم ہوگیا۔ جب دارِ عمل میں اس نے قبول نہیں کیا تو دارِ جزا میں تو کر سکتا ہی نہیں۔ چنانچہ بڑے سے بڑے گناہگار ہی کیا کافر اور مشرک کے ساتھ بھی زندگی میں محنت کرنا، تبلیغ کرنا، پیغام پہنچانا اور دعا کرنا کہ وہ اللہ کے دین کی طرف آجائے، پسندیدہ ہے۔

نبیٔ رحمت کی شانِ کریمی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا عجیب ہستی تھے کہ لوگ کفر کرتے اور اللہ کی نافرمانی کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دکھ ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تو یہ ہے کہ ساری کائنات کے لیے آپ اللہ کی رحمت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں 'عالمین' کا لفظ اللہ جل شانہ کے علاوہ باقی سب کو محیط ہے۔ ساری مخلوق اس میں آجاتی ہے۔ وہ آسمانوں میں ہے یا عرشوں پر ہے یا زمینوں میں ہے، کہیں کسی عالم میں ہے سب اسی میں آجاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے اللہ کی رحمتِ مجسم ہیں تو جب کافر ظلم کرتا ہے، گناہ کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر دکھ ہوتا کہ میرے رحمتِ تمام ہونے کے باوجود یہ رحمت سے محروم ہوکر عذابِ الٰہی کی طرف جارہا ہے۔ یہ دکھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر کا ہوتا ہے۔ فرمایا: فَلَا تَذۡہَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡہِمۡ حَسَرٰتٍ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اتنا افسوس نہ کریں کہ آپ کی جان ہی جاتی رہے یعنی کافر کفر میں آگے جارہا ہے، گناہگار گناہ پر گناہ کررہا ہے اور اس کا دکھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہورہا ہے کہ میرے رحمتِ کائنات ہوتے ہوئے یہ جہنم میں کیوں جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: فَلَا تَذۡہَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡہِمۡ حَسَرٰتٍ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دکھ فرماتے ہیں کہ اپنی جان ہی نہ دے دیں یعنی اس دکھ میں کہیں جان ہی نہ چلی جائے۔

یہ بات انتہائی غور طلب ہے کہ کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا، اللہ پر ایمان نہیں لایا، آخرت پر ایمان نہیں لایا، ضروریاتِ دین کو نہیں مانتا۔ اس نے اپنا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑا ہی نہیں لیکن جب وہ

گناہ کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دکھ ہوتا ہے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانِ مبارک ہی چلی جائے گی۔ جب کوئی کلمہ گو، جو یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے، اللہ کو واحد و لاشریک مانتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسولؐ اور آخری نبیؐ مانتا ہے، اللہ کی کتاب اور تمام ضروریاتِ دین کو مانتا ہے پھر جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا دکھ ہوتا ہوگا!

ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم جب برائی کرتے ہیں، ناجائز طریقے سے رزق کماتے ہیں، ہم جب ناجائز طریقے سے رزق خرچ کرتے ہیں، ایک دوسرے پر جب ظلم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خیر ہے اللہ تو بڑا معاف کرنے والا ہے۔ یاد رہے اللہ تب معاف کرے گا جب ہم معافی مانگیں گے ورنہ زبردستی تو کسی پر معافی نہیں ٹھونسے گا۔ اگر کافر گناہ کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا ہے کہ یہ میری برکات سے محروم ہو کر جہنم کیوں جا رہا ہے تو جب کوئی کلمہ گو گناہ کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہوگی؟

اسلام میں ایسا کوئی تصور ہی نہیں کہ بندہ مسلمان بھی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتا ہو تو پھر مسلمان کس بات کا ہے؟ کیا کبھی گناہ کرتے ہوئے، جرم کرتے ہوئے ہم نے یہ سوچا کہ یہ بات کہاں تک جائے گی؟ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ ۝۸ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دکھ نہ کیا کریں، اللہ کریم نے ہر بندے کو اختیار دیا ہے۔ بھلائی اور برائی دونوں راستوں کو واضح کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دامانِ رحمت پھیلا دیا ہے اور سب کو دعوتِ عام ہے۔ اب ہر بندے کے پاس اختیار ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے زیرِ سایہ آنا چاہتا ہے یا نہیں آنا چاہتا۔ اللہ کریم سب جانتے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ اللہ کریم ہر بات سے باخبر ہیں، دیکھ رہے ہیں اور سب کا انصاف وہ خود فرمائیں گے۔ وہ اتنے باریک بین ہیں کہ کوئی چیز ان کی نگاہِ عالی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

اللہ کی قدرت کاملہ:

اگر یہ خیال گزرے کہ جو بندہ نیکی کرتا رہا، مجاہدے کیے، حلال کمایا، حلال کاموں پر خرچ کرتا رہا، مخلوقِ الٰہی کی خدمت کی وہ بھی مر گیا اور جس نے ظلم کیے، قتل کیے لوگوں کے حقوق چھینے رشوتیں لیں وہ بھی مر گیا تو نہ نیکی کرنے والے کو کچھ حاصل ہوا اور نہ ظلم کا کچھ بگڑا۔ فرمایا، ایسی بات نہیں ہے۔ کافروں کو اس بات کا یقین کیوں نہیں آتا کہ ان سب باتوں کا ایک نتیجہ یہ ہوگا۔ ایک دن ایسا آئے گا جب نیک بھی بدکار بھی، مومن بھی اور کفار بھی ایک جگہ جمع کیے جائیں گے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے آخری شخص تک ساری مخلوق ایک جگہ جمع ہوگی اور

اُن کے ساتھ انصاف ہوگا۔ جو نیکی لے کر جائے گا اُسے انعام سے نوازا جائے گا جبکہ کفر اور برائی پر سزا دی جائے گی۔ یہ سب ان کے سامنے ہوگا۔ یہ کہتے ہیں بھلائی یہ کیسے ہوگا؟ اتنی مخلوق جو صدیوں پہلے مر چکی، مٹ گئی جن کی ہڈیاں پتھر (FOSSIL) بن گئیں۔ یاد رہے کہ انسانی ہڈی کا FOSSIL بننے میں کروڑوں سال لگتے ہیں اور دنیا میں انسانی FOSSIL ملے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عالمِ آب و گل کروڑوں سال سے آباد ہے۔ یہاں کی آبادی کروڑوں سال پرانی ہے تو یہ اتنے سالوں میں جو مر مٹ گئے اور آج تک آتے چلے جا رہے ہیں یہ کہاں زندہ ہوں گے، کہاں کھڑے ہوں گے، یہ کیسے ہوگا، کیا ہوگا، یہ بات سمجھ نہیں آ رہی۔

فرمایا، یہ بات تو تمہارے سامنے ہے کہ اللہ ایسا قادر ہے: وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا۔۔۔ وہ ایسا قادر ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیج دیتا ہے، ہواؤں کو حکم دیتا ہے وہ بادلوں کو لے آتی ہیں۔ اب بظاہر یہ سادہ سا جملہ ہے لیکن اس کے پیچھے کتنی بڑی کارگہہ حیات ہے کہ بادل کے بننے کا عمل کتنا لمبا ہے۔ سورج کی تپش سے سمندروں اور دریاؤں سے بخارات اُٹھتے ہیں۔ پھر ایک خاص خطے میں پہنچ کر اس کی سردی سے وہ جم کر بادل بن جاتے ہیں۔ پھر یہ بادل تہہ در تہہ بن جاتے ہیں اور کروڑوں ٹنوں پانی اٹھائے ہوا پر تیر رہے ہوتے ہیں۔ پھر جہاں اللہ ہوا کو حکم دیتے ہیں وہ انہیں وہاں لے جاتی ہے۔ زمین خشک اور مردہ ہو چکی ہوتی ہے کہیں سبزہ نہیں رہتا۔ ہر چیز سوکھ کر، سڑ کر خاک میں مل چکی ہوتی ہے۔ فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ ۔۔۔ ہم اس مردہ زمین کو بادلوں سے سیراب کرتے ہیں۔ یہ رب العالمین کا بڑا باریک نظام ہے جس میں کچھ بھی اتفاقاً نہیں ہوتا۔ ہر کام اللہ کے حکم سے باقاعدہ کیا جاتا ہے۔ ہر قطرہ جو بادل سے نکلتا ہے اس کے لیے وہ ذرّات مقرر ہیں جنہیں اس نے سیراب کرنا ہے۔ کون سا قطرہ کس ذرّے میں جذب ہوگا، اس سے کتنی روئیدگی ہوگی، یہ سب قدرتِ باری کا طے شدہ پروگرام ہے۔

یہ اتفاقاً نہیں ہوتا کہ بارش برسی اور سبزہ اُگ گیا بلکہ خاک کے ایک ایک ذرّے تک بارش کے کس قطرے سے سیرابی ہوگی، کس ذرّے سے کیا نمو ہوگی، کس سے گھاس پھوٹے گا، کس سے پھول اُگے گا، کس سے دوا اور کس سے غذا اُگے گی، یہ سارا اللہ کریم کا طے شدہ پروگرام ہے جو چلتا ہے۔ چنانچہ مردہ زمین پر جب ہم اس بارش کو برساتے ہیں، فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔۔۔ ہم اس زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ فرما دیتے ہیں۔ اس کے ہر ذرّے سے پھر حیات پھوٹنے لگ جاتی ہے۔

ہمارے گرد و پیش میں خشک اور چٹیل زمین ہوتی ہے پھر صبح سے شام تک بارش برستی رہتی ہے۔ صبح جب ہم اٹھتے ہیں تو ہر پہاڑ بھی سبزے کی چادر تانے ہوئے ہوتا ہے۔ ہر طرف سبزہ ہو جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝٩ اسی

طرح حشر بھی قائم ہوگا اور مُردوں کو جی اٹھنا ہوگا۔ جہاں جہاں انسانی وجود کا کوئی ذرّہ بھی ہوگا سب جمع ہو جائیں گے، پھر سے وجود بن جائیں گے۔

ایک درخت پر کروڑوں پتے ہوتے ہیں لیکن خزاں میں سارے جھڑ جاتے ہیں۔ جب بہار آتی ہے تو پہلے سے بھی زیادہ پتے اس درخت پر آ جاتے ہیں، اسی مٹی سے نکل کر آتے ہیں۔ گھاس کے تنکے، جڑی بوٹیاں، بھلا کوئی گن سکتا ہے؟ یہ انسانی اعداد و شمار سے باہر ہیں، بے حساب ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ یہ گھاس اور جڑی بوٹیاں جل بھن کر مٹی کا حصّہ بن جاتی ہیں ذرّات بن کر بکھر جاتے ہیں۔ زمین سرخ چٹیل میدان ہو جاتی ہے اور گرد اُڑنے لگتی ہے۔ جب اللہ کریم بارش برساتے ہیں انہیں زندگی دیتے ہیں تو پل بھر میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔ ہر طرف پھول کھلنے لگتے ہیں، پھل لگنے لگتے ہیں، کھیتیاں اُگنے لگتی ہیں۔ فرمایا: كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ اسی طرح قیامت کو بھی ہوگا۔ اسی طرح لوگوں کو جی اُٹھنا ہوگا۔ جس طرح زمین کے ذرّے ذرّے سے حیات پھوٹ نکلتی ہے اسی طرح میدانِ حشر میں بھی ہر متنفس زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ یہ تو سال میں دو مرتبہ تمہارے سامنے دہرائی جاتی ہے۔ روز تمہارے سامنے چیزیں سوکھ بھی رہی ہیں اور نئی چیزیں پیدا بھی ہو رہی ہیں۔ اسی طرح جب اللہ چاہیں گے تو تمام مرنے والے لوگ زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے۔

عزت کے طالب سُن لیں:

لوگوں کی بہت خواہش ہوتی ہے کہ اُن کی بہت عزت ہو۔ لوگ انہیں بڑا سمجھیں، خوبصورت سمجھیں یا بڑا امیر سمجھیں تو اپنی بہت عزت چاہتے ہیں۔ جیسے پنجابی میں 'ٹور' کہا جاتا ہے تو ہر بندہ اپنی بڑی ٹور چاہتا ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا لوگوں کے سمجھنے سے تم بڑے ہو جاؤ گے؟ یا امیر ہو جاؤ گے؟

شادی بیاہ میں جس کی حیثیت ہے وہ تو خرچ کر لیتا ہے لیکن جس کے پاس نہیں وہ بھی زمین رہن رکھے گا یا سود پر قرضہ لے گا اور بڑی دعوت کرے گا۔ اگر تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تو اتنی بڑی دعوت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو ہے اس میں کرو، تو جواب ہوتا ہے کہ پھر وہ بات نہیں رہتی لوگ مجھے بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ لوگ کیا خاک بڑا سمجھتے ہیں اور کیا لوگوں کے سمجھنے سے تم امیر ہو جاؤ گے؟

فرمایا، یہ جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کی عزت بنے گی ان کی بڑی شہرت ہوگی اور لوگ انہیں بڑا سمجھیں گے عزت کریں گے انہیں فرما دیجیے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا۔۔۔ انہیں بتا دیجیے کہ ساری کی ساری عزت اللہ کو سزاوار ہے۔ اللہ کریم کی نافرمانی کر

کے عزت نہیں ملتی۔ ساری کی ساری عزت صرف اللہ کو زیبا ہے۔ جو اللہ کی عظمت کا اقرار کرے گا، جو اللہ کی اطاعت کرے گا، اس کا بندہ بنے گا وہ بھی معزز ہو جائے گا۔ فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنفقون:8) ساری عزت اللہ کے لیے ہے، عزت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور اُن لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں۔ اللہ کی نافرمانی کر کے تم عزت نہیں کما سکتے۔

اگر تمہیں عزت چاہیے تو اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور خلوصِ دل سے فرمانبرداری کرلو تو عزت اللہ کے پاس ہے: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔۔۔ اُسی کی طرف نیک کلمات بھی بلند کیے جاتے ہیں۔ اُسی کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور نیک اعمال بھی اسی کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں۔ اللہ کریم ہر جگہ موجود ہے۔ اللہ کریم اپنے علم کے ساتھ بھی، اپنی ذات اور ساری صفات کے ساتھ بھی اور اپنی قدرت کے ساتھ بھی ہر آن ہر جگہ موجود ہے۔ البتہ اس نے عرش کو کائنات کا مرکزی دفتر یا سیکریٹریٹ کہہ لیں بنا دیا ہے۔

ساری کائنات کو بنانے سنوارنے کے بعد اس کا مرکز عرشِ عظیم کو بنا دیا اور کائنات کا سارا کچا چٹھا لوحِ محفوظ میں درج کر دیا ہے چنانچہ نیک بات نیک کام اسی کی بارگاہ کی طرف جاتے ہیں: وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩ جو لوگ برائی کرتے ہیں، بری تدبیریں کرتے ہیں اور بُرا سوچتے ہیں۔ اُن کا خیال ہوتا ہے کہ اُن کا اِس میں فائدہ ہے کہ دوسروں کا نقصان ہو جائے۔ اس سے وہ اِن کے سامنے مجبور و بے بس ہو جائیں تو اس میں اِن کی بڑی عزت ہے۔ جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری تدبیروں سے کوئی ہلاک یا ذلیل نہیں ہوگا۔ وہ اللہ کی اپنی مخلوق ہے وہ جو چاہتا ہے اس سے کرتا ہے۔ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩ اور تمہاری یہ اُلٹی اور غلط تدبیریں بھی نیست و نابود ہو جائیں گی تم کائنات کے کسی ذرّے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم نے تو صرف اپنے ارادے ظاہر کرنے ہیں، ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہے۔

تخلیقِ باری میں غور کرو:

تم یہ کیوں نہیں سوچتے: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ۔۔۔ کہ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا لیکن کیا اس نے تمہارا وجود مٹی کا ڈھیلا بنایا ہے یا نہیں! اس کا نظام اتنا باریک اور نازک ہے کہ اس نے خاکی ذرّات کو نجانے کس کس قالب میں ڈھالا۔ کہیں یہ ذرّات غذا میں ڈھل گئے، کہیں دوا میں، کہیں گوشت اور دودھ میں

ڈھل گئے۔انہی ذرّات کے مختلف رنگ ہیں کہ کہیں دالیں ہیں، کہیں چاول اور غلّہ ہیں۔ یہ سب غذائیں اور دوائیں مختلف صورتوں میں ایک بندے تک پہنچیں اور پھر اس بندے کے اندر بھی اسے دو حصّے میں کر دیا گیا۔ جو اس کے اپنے وجود کے لیے تھا وہ اس کا جزو بدن بن گیا اور جو آنے والی نسلوں کے لیے تھا وہ اس کے صُلب میں محفوظ ہو گیا۔ اُن مٹی کے ذرّات سے ایک ایسا لعاب، ایسا Liquid تیار کیا جو بہت تھوڑی سی مقدار میں اس کے صُلب میں محفوظ کر دیا۔ پھر وہ نطفہ شکمِ مادر میں پہنچا جو ایک قطرہ ہی تھا، اس میں لاکھوں جرثومے تھے لیکن صرف ایک جرثومے سے بندہ بنتا تھا۔ اُن لاکھوں جرثوموں میں سے کوئی ایک اللہ نے منتخب کر لیا پھر اس سے تمہارا وجود بنایا: ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا۔۔۔ پھر اس نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کر دیا۔ اس ایک جرثومے سے کسی کو مرد بنا دیا کسی کو خاتون بنا دیا اور آگے نسلِ انسانی کو اسی طرح جاری رکھا: وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ۔۔۔ اور یاد رکھو! شکمِ مادر میں بھی تم اللہ سے چھپے ہوئے نہیں ہوتے۔ وہ جس نے ذرّات کا ایک خمیر سا بنایا، اُسے صلبِ پدر میں محفوظ رکھا پھر اس خمیر سے ایک نطفہ لے کر اسے شکمِ مادر میں پہنچایا اور وہاں بھی اس نطفے کے لاکھوں جرثوموں میں سے ایک جرثومے سے بندہ بنایا۔ اب جو شکمِ مادر میں بندہ بن رہا ہے اس کا ایک ایک جزو بن رہا ہے کیا وہ اس کاریگر سے چھپا ہوا ہے جو اُسے بنا رہا ہے؟ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے، اللہ کو علم ہوتا ہے۔ جو ایک ایک سیل (CELL) کو جوڑ کر وجود کو بنا رہا ہوتا ہے، اس سے وجود چھپا ہوا تو نہیں ہوتا پھر وہی اُسے پیدا فرماتا ہے: وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ إِلَّا فِي كِتٰبٍ۔۔۔ پھر پیدا ہونے کے بعد کسی کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے کسی کی بہت کم ہوتی ہے۔ یہ سب اتفاقاً نہیں ہوتا کہ انسان کی کسی تدبیر سے اس کی عمر لمبی ہو گئی ہو اور کسی غلطی کی وجہ سے چھوٹی ہو گئی۔ ایسا نہیں ہوتا اس لیے کہ یہ اللہ کا اپنا نظام ہے۔ وہ ایک ایک CELL کا خالق ہے، وہ جانتا ہے۔ جس کی عمر زیادہ ہوتی ہے اس کو بھی وہ خود دیتا ہے اور جس کی کم ہوتی ہے وہ فیصلہ بھی اللہ کا ہوتا ہے۔ یہ سب تو طے شدہ اور لوحِ محفوظ میں بھی لکھا ہوا ہے اور لوحِ محفوظ تو ایک دفتر ہے ایک کتاب ہے جبکہ علمِ الٰہی تو ناپیدا کنار ہے۔ یہ ساری چیزیں تو لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں، یہ تو بھی بہت چھوٹی سی بات ہے، علمِ الٰہی کا تو کوئی کنارا ہی نہیں، (یہی) اُس کی شان کے مطابق ہے: إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ یہ سب اللہ کے لیے کتنا آسان ہے۔ تمہارے سامنے معمورۂ عالم آباد ہے۔ ہر جاندار، ہر ذی روح کی نسل چل رہی ہے۔ کون چلا رہا ہے؟ انہیں خاکی ذرّات سے مادّہ بنا کر اور مادّے کو مختلف مراحل سے گزار کر اُس سے وجود بنا کر پیدا کر رہا ہے یا نہیں؟ جب یہ بندے مر جائیں گے تو انہیں مٹی سے دوبارہ اُٹھانا تمہیں مشکل کیوں لگتا ہے؟ وہ تو ایسا قادر ہے جب چاہے گا اٹھا لے گا: إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ یہ سب اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ تم اپنی جرأت (عقل) کے مطابق سوچتے ہو تو تمہیں مشکل لگتا ہے لیکن وہ قادر ہے۔ تم یہ دیکھ لو جس

زمین پر تم رہتے ہو اسی میں دو سمندر جاری ہیں یعنی زمین کے اندر سمندر ہیں: وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ۔۔۔ دونوں ایک جیسے نہیں ہیں: هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔۔۔ اسی مٹی کے اندر، اسی زمین کے اندر پانی کے سمندر چل رہے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان میں ایک میٹھا ہے اور ایک کڑوا ہے۔ ایک ہی زمین میں ہیں لیکن کبھی آمیزش نہیں ہوتی، Mix نہیں ہوتے۔ زمین کے اوپر دریا میٹھا ہے، سمندر کڑوا ہے۔ دریا کا پانی شیریں ہے پیاس بجھانے والا ہے اور مزیدار ہے۔ وہی پانی جب سمندر میں ملتا ہے تو سارا کڑوا ہو جاتا ہے لیکن سمندر کی کڑواہٹ کبھی واپس دریاؤں میں نہیں آتی۔ اب دیکھا جائے تو دریا بھی تو سمندر میں گر رہے ہیں تو دریا بھی کچھ تو کڑوے ہو جاتے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ دریاؤں کی مٹھاس سمندر کو میٹھا نہیں کرتی۔

ساری زمین میں زیرِ زمین پانی ہے۔ ایک جگہ بور کرتے ہیں میٹھا چشمہ نکل آتا ہے، دوسری جگہ بور کرتے ہیں کڑوا نکل آتا ہے لیکن آپس میں ملتے نہیں ہیں۔ کڑوا پانی نہ میٹھے کا ذائقہ خراب کرتا ہے نہ میٹھا کڑوے کو ٹھیک کر سکتا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ایک ایک ذرّے میں جو تراوت اس نے رکھی ہے اس پر بھی اُس کی قدرتِ کاملہ ہے کہ جسے میٹھا رکھا ہے وہ میٹھا ہے جسے کڑوا کر دیا وہ کڑوا ہے۔ دیکھو اُس نے تمہارے لیے کیا انتظام فرمادیا: وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا۔۔۔ تم دونوں طرح کے پانی سے تازہ گوشت پاتے ہو۔ دریاؤں کے میٹھے پانی سے بھی مچھلیاں پکڑتے ہو، خوراک حاصل کرتے ہو اور تمہارے لیے سمندر کے کھارے پانی میں بھی مچھلیاں رکھ دی ہیں۔ تم وہاں سے بھی پکڑتے ہو اور کھاتے ہو۔ اب کھارے پانی میں تو مچھلی کڑوی ہونی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں ہے۔ تم سمندر کی کھاتے ہو وہ بھی ٹھیک ہیں اور دریا کی بھی ٹھیک ہیں۔ وہ ایسا قادر ہے کہ زمین کے تین حصّوں پر سمندر اور صرف ایک پر خشک ہے لیکن اتنی زیادہ کڑواہٹ ساری زمین کو کڑوا نہیں کرتی۔ ایک چوتھائی حصّہ جو خشکی ہے اس ساری زمین میں پانی تو تین چوتھائی سمندروں کا ہی پھر رہا ہے تو وہ ساری زمین کو کھاری کیوں نہیں کر دیتا؟ کڑوے سمندر میں جو مچھلیاں ہیں وہ کڑوی نہیں ہوتیں؟ فرمایا، یہی اس کی قدرتِ کاملہ ہے کہ اس نے کڑوے میں میٹھا رکھا تم دونوں میں سے مزیدار گوشت کھاتے ہو اور وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا۔۔۔ تم دریاؤں اور سمندروں کی تہہ سے موتی، دھاتیں اور سونا نکالتے ہو، کمال ہے کہ تم پانی کے نیچے سے تیل نکالتے ہو!

کیسی عجیب بات ہے کہ سمندروں میں سے، دریاؤں میں سے تیل نکل رہا ہے جواہرات، سونا، چاندی، موتی نکل رہا ہے۔ اب تیل اور پانی کا کیا جوڑ؟

سمندر کے نیچے تیل ہو لیکن وہ پانی میں خراب نہیں ہوتا۔ کیسی کیسی دولت اس نے کہاں کہاں رکھ دی ہے!

فرمایا: وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ تم کشتیاں اور آبی جہاز

بناتے ہو۔ تم دیکھتے ہو وہ کیسے سمندروں کے سینے چیرتے ہوئے چل رہی ہیں اور دنیا میں تمہارے سفر کو آسان بنا دیا ہے۔ تم ان پر تجارتی سفر کرتے ہو، روزی کماتے ہو اور یہ ساری نعمتیں صرف اس لیے ہیں تا کہ تم ان باتوں پر غور کرو اور اللہ کا شکر کرو۔ اس نے تمہارے لیے کتنی نعمتیں بنا دیں اور کہاں کہاں رکھ دیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے: یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ۔۔۔ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے تو دن لمبا ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ گرمیاں آتی ہیں تو دن بڑے ہو جاتے ہیں اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب سردیاں آتی ہیں تو دن رات میں داخل ہو کر راتیں لمبی کر دیتا ہے اور خود چھوٹا ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی نے اس سارے کو محسوس کیا؟ پتا ہی نہیں چلتا، لمحے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ہر سال کا ہر دن ایک جیسا ہی کیوں ہوتا ہے؟ شمسی اعتبار سے ایک سال میں تین سو پینسٹھ دن ہیں۔ ہر سال کے ہر مہینے کا ہر دن ایک جیسا ہوتا ہے۔ ہر سال یکم جنوری اتنے ہی لمحوں کا ہوگا اور رات بھی اتنے ہی لمحوں پر محیط ہوگی۔ جتنی مقرر ہے۔ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے، دن بڑا کر دیتا ہے، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ پھر رات کو بڑا کر دیتا ہے دن کو اس میں داخل کر دیتا ہے تو دن چھوٹا ہو جاتا ہے: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔۔۔ یہ اتنی پابندی سے سورج، چاند ستارے حرکت کرتے ہیں کہ کوئی لمحہ تقدیم ہوتی ہے نہ تاخیر ہوتی ہے۔ یہ کون چلا رہا ہے؟ یہ کس کے قابو میں ہیں؟ فرمایا، ان سیاروں، ستاروں، سورج، چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے کہ یہ کروڑوں اربوں سالوں سے چل رہے ہیں۔ اللہ کریم ہی جانتے ہیں کہ اس دنیا کی کتنی عمر بیت چکی ہے کیونکہ انسان کی آمد سے پہلے بھی زمین آباد تھی اور اللہ کی مخلوق اس میں موجود تھی۔ اگر اتنے عرصے میں سورج، چاند یا سیاروں کی رفتار میں ذرا ذرا سا فرق بھی پڑتا تو اب تک تو سارا کھیل بگڑ چکا ہوتا۔ ہر طرف یا صرف دن ہوتا یا صرف رات ہوتی۔ کمال ہے کہ اتنے عرصے میں ان کی چال اور رفتار نہیں بدلی اس لیے کہ وہ مسخر ہیں وہ پابند ہیں اپنی چال کو برقرار رکھنے پر کہ کوئی لمحہ آگے جا سکتے ہیں نہ پیچھے جا سکتے ہیں۔ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔۔۔ ہر ایک نے اپنا فاصلہ مقرر وقت پر تیر کر پورا کرنا ہے۔ یہ فضا میں تیر رہے ہیں۔

ایک مغربی خلا باز نے لکھا ہے کہ میں اللہ کو نہیں مانتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا کہ مخلوق پیدا ہو رہی ہے مر بھی جاتی ہے۔ جب اسے چاند یا مریخ کے سفر پر بھیجا گیا تو وہ کہتا ہے کہ جب دور خلا سے میں نے زمین کو دیکھا تو وہ خلا میں تیر رہی تھی۔ اس کے نیچے کوئی بنیاد نہیں، کوئی ستون نہیں کہ جس پر رکھی ہے بالکل خلا میں تیر رہی ہے تو کہتا ہے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسے کوئی تیرا رہا ہے۔ کوئی ہے جس نے اسے تھام رکھا ہے ورنہ یہ کس طرح فضا میں معلق ہے۔ کہتا ہے کہ زمین پر رہتے ہوئے ہمیں اندازہ نہیں ہوتا لیکن جس طرح ہمیں دنیا میں چاند آسمان پر تیرتا نظر آتا ہے، اسی طرح زمین بھی خلا میں تیر رہی تھی تو میں اللہ پر ایمان لے آیا کہ کوئی ہے جس نے اسے تھاما ہوا ہے۔ جو اسے چلا رہا ہے۔

فرمایا: کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔۔۔ سورج، چاند، ستارے سیارے سب تیر رہے ہیں اور اپنے مقررہ

وقت تک اسی طرح پابندی سے تیرتے رہیں گے۔ انہیں کس نے تھام رکھا ہے؟ انہیں کس نے مجبور کر رکھا ہے کہ یہ تیز ہوتے ہیں نہ آہستہ ہوتے ہیں؟ پورے سال کا ہر لمحہ واپس اپنی جگہ لوٹ لوٹ کر آ رہا ہے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ۔۔۔ یہ قادر و قیوم اللہ ہے جس نے اس سارے نظام کو پیدا فرمایا وہی اسے چلا رہا ہے۔ اسی نے اسے تھام رکھا ہے۔ یہ اللہ ہے اور رَبُّكُمْ :۔۔۔ تمہارا پالنہار بھی وہی ہے، تمہیں بھی اُسی نے تخلیق فرمایا ہے۔ ایک ایک سانس جو لے رہے ہو یہ اُسی کی عطا ہے۔ تم ایک ایک ذرّہ جو خوراک لے رہے ہو تمہیں وہ عطا کر رہا ہے۔ تمہارا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، بولنا، چالنا سب اسی کی عطا ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔۔۔ یہ سلطنت اس کی ہے۔ ساری کائنات اس کی سلطنت ہے، بادشاہت ہے۔ وہ سب کا مالک ہے جو چاہے کرے۔ اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾

اللہ کریم فرماتے ہیں جنہیں تم میرے علاوہ پکارتے ہو جن سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہو، میری اطاعت چھوڑ کر جن کی غلامی کرتے ہو انہیں خوش کرنا چاہتے ہو وہ تو کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

کھجور کی گٹھلی کے اوپر ایک ہلکا سا پردہ ہوتا ہے جو کسی شمار قطار میں ہی نہیں آتا اتنی حقیر سی چیز ہے۔ فرمایا، اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے ہو وہ کائنات کی کسی چھوٹی سی شے کے بھی مالک نہیں ہیں، سب کچھ اللہ کا ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا یا ان سے امیدیں رکھنا بے کار ہے۔

غیر اللہ کو پکارنا لاحاصل ہے:

اللہ کے علاوہ جن سے امیدیں وابستہ کر لی جاتی ہیں جنہیں پکارا جاتا ہے کیا یہ غیر اللہ صرف بت ہی ہیں؟ ایک قانون ہے، اصول ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے، لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (سنن البخاری و مسلم) کہ اللہ کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ کوئی ایسی بات جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو اور ہم اللہ کا حکم چھوڑ دیں اور مخلوق کی مانیں تو یہیں سے بت پرستی اور شرک شروع ہوتا ہے۔ انہی امیدوں کے پھر پتھروں کے بت بنتے ہیں۔ انہی امیدوں سے لوگ تباہ ہوتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر چھلکا ہے وہ بھی میری ملکیت ہے۔ اس کا خالق بھی میں ہوں وہ بھی میرے سوا کسی کا نہیں ہے۔ اس سے میں کسی کو شفا دوں یہ میری قدرت ہے کسی کو اس سے بیمار کر دوں یہ بھی میری قدرت ہے۔ اس کا بھی میرے سوا کوئی مالک نہیں تو جنہیں تم پکارتے ہو وہ تو اس چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اور اگر تم انہیں پکارتے رہو اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ۔۔۔ وہ تمہاری بات سن ہی نہیں سکتے۔ تم ان بتوں کے سامنے سر پٹکتے رہو ان بتوں کو کیا فرق پڑے گا۔ ایک پتھر ہے جسے تم دیوار میں

لگا لیتے ہو، جو بنیاد میں لگاتے ہو وہ بھی پتھر ہے۔ اب ایک پتھر کو تراش کر درمیان میں رکھ دیا وہ بت بن گیا، وہ کیا کرے گا؟ اگر تم اسے پکارتے رہو وہ سن ہی نہیں سکتا وہ پتھر ہے، بے جان ہے۔ اگر سن بھی لے کہ ہر بے جان کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اللہ کے لیے تو ہر شئے زندہ ہے تو اگر وہ تمہاری بات سن بھی لے تو وہ تمہیں دے گا کیا؟ اس کے پاس دینے کو ہے کیا، وہ تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ فرمایا، بلکہ: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ۔۔۔ جب قیامت قائم ہوگی تو تمہارے شرک، تمہاری پوجا سے وہ انکار کردیں گے۔

بعض لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے، بعض سورج، چاند ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگ اللہ کے نیک بندوں کی عبادت کر لیتے تھے جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر اب انہی کی پوجا شروع کر دی ہے۔ فرمایا، جب قیامت قائم ہوگی تو وہ سارے جن کی تم پوجا کرتے تھے تمہارے شرک سے انکار کردیں گے۔ اگر تم نیک لوگوں کو پوجتے رہے تو وہ کہیں گے، یا اللہ! ہم نے تو انہیں تیری عبادت کا حکم دیا تھا، یہ خود گمراہ تھے۔ پتھر کے بت بھی کہہ اٹھیں گے یا اللہ! ہمیں تو پتا ہی نہیں یہ کیا کرتے رہے! ہم تو بے جان پتھر تھے ہمیں کیا پتا یہ کیا کرتے رہے۔ یہ جانیں اور تُو جان، ہم نہیں جانتے۔ اگر یہ شرک کرتے رہے تو یہ ان کی جہالت ہے اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ اور اس دن اللہ جل شانہ جو ہر بات سے واقف ہیں جس طرح وہ تمہیں ہر بات گن گن کر بتائیں گے اس طرح کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس کے علم میں تمہاری ہر حرکت، ہر سکون، ہر سانس، ہر آواز ہر سوچ اور ہر عمل موجود ہوگا۔ تم بھول چکے ہوگے کہ دنیا میں کیا کچھ کیا لیکن وہ تمہیں بتائے گا کہ تم نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا۔ اس کا احسان ہے اگر معاف کردے، بخش دے تو اس کی مہربانی ہے مگر پوچھا گیا تو پھر بچ نہیں سکو گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ جس پر سوال ہوا کہ تو نے یہ گناہ کیوں کیا وہ بچ نہیں سکے گا کیونکہ بندے کے پاس کوئی جواز، کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ ہاں! اللہ کریم حساب بغیر دیکھے معاف کر دیں یا دیکھ کر معاف کردیں، جواب طلبی نہ کریں تو وہ بندہ بچ سکتا ہے۔ اللہ کریم ہیں اُن کی رحمت بے پناہ ہے لیکن قرآن کا انداز یہ ہے کہ اللہ کی رحمت طلب تو کرو۔ اس کے لیے اپنی سوچ، فکر، کلمات سے لے کر اعمال و کردار کو درست تو کرو تا کہ اس کریم کی رحمت کو پا سکو۔ اس کے بعد جو کمی، کمزوری رہ جائے، کہیں قصور ہو گیا تو وہ بہت بڑے کریم ہیں معاف کرنے والے ہیں اگر تم اللہ کے احکام کو نظر انداز ہی کر دو ان کی مخالفت کرنے لگو تو پھر سوچ لو حساب تو ہوگا اور ذرا ذرا سی بات بھی سامنے آجائے گی۔

سورۃ فاطر رکوع 3 آیات 15 تا 26

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ ۚ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ
يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللهِ
الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا
النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا
الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي
الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ
الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

اے لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، خوبیوں والے ہیں ﴿۱۵﴾
اگر وہ چاہیں (تو) تم کو فنا کر دیں اور ایک نئی مخلوق پیدا فرما دیں ﴿۱۶﴾ اور یہ اللہ کو
کچھ مشکل نہیں ﴿۱۷﴾ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر کوئی
بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو بلائے گا بھی تو اس کے بوجھ میں سے

کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو آپ ان ہی لوگوں کو نصیحت فرما سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے تو وہ اپنے لیے پاک ہوتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۸﴾ اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوسکتا ﴿۱۹﴾ اور نہ اندھیرا اور نہ روشنی ﴿۲۰﴾ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ ﴿۲۱﴾ اور نہ زندے اور نہ مُردے برابر ہو سکتے ہیں بے شک اللہ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں (مدفون) ہیں ﴿۲۲﴾ آپ تو صرف (انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں ﴿۲۳﴾ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈر سنانے والا گزر چکا ﴿۲۴﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر دلیلیں (معجزات) اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ﴿۲۵﴾ پھر ہم نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھ لیں) میرا عذاب کیسا ہوا ﴿۲۶﴾

تفسیر ومعارف

انسان کا سرمایہ، اللہ کی بارگاہ میں محتاجی ہے:

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾

اے لوگو! تم ہر لحظہ، ہر آن، ہمیشہ اللہ کریم کے محتاج ہو۔ تمہارے حواس اور تمہارے وجود کا ذرّہ ذرّہ ہر آن ہر لحہ محتاج ہے۔ تمہارے وجود کے اندر بے شمار سیل (CELL) ہیں جن کو وہ حیات دے رہا ہے، تعمیر کر رہا ہے تبدیل کر رہا ہے، موت دے رہا ہے۔ اے انسانو! تمہارا سرمایہ ہی محتاجی ہے۔ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں ہر معاملے میں ہر لحہ تم محتاج ہو۔ تمہارا اللہ کے ساتھ رشتہ احتیاج کا ہے۔ اپنی حیثیت پہچانو۔ اللہ کے ساتھ تو تمہارا تعلق ایک فقیر کا ہے جو ہر لحظہ درِ اقدس پر ہاتھ پھیلائے کھڑا مانگ رہا ہے۔ تم سب فقیر ہو، مانگنے والے ہو، بارگاہِ الوہیت میں گداگر ہو۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اللہ کی ذات بے نیاز ہے وہ محتاج نہیں ہے اُسے تمہاری

ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں اس کی عطا کی ہر لحہ ضرورت ہے۔ ساری خوبیاں اور کمال اس کے ہیں۔ تم میں جو کمال نظر آتا ہے یہ بھی تمہارا نہیں ہے۔ تم بہت عالم ہو، فاضل ہو تو تم نے علم کہاں سے لیا؟ وہ قادر ہے آنِ واحد میں تمہارے ذہن سے سب کچھ محو ہو جائے اور تم سب بھول بھال جاؤ۔ تم صحتمند ہو تو صحت کس نے دی؟ اسے کون قائم رکھے ہوئے ہے؟ تمہارے پاس دولت ہے، کس نے دی ہے؟ وہ چاہے تو آنِ واحد میں فقیر کر دے۔ تم حکمران ہو، تمہیں حکومت کس نے دی؟ وہ چاہے تو تمہیں تخت سے اتار کر پھانسی پر لگا دے۔ کیا یہ سب کچھ ہمارے سامنے نہیں ہوتا، کیا ہم یہ نہیں دیکھتے؟

ہمیں بڑا زعم ہوتا ہے کہ ہم نے بہت نمازیں پڑھیں، اتنے حج کیے۔ تمہاری نمازوں اور حج سے کیا اللہ کے ہاں کوئی تعمیر ہو گئی؟ کوئی کمی تھی جو پوری ہو گئی؟ بھئی اگر کوئی غسل کرتا ہے تو اگر ایک شخص صرف پانی سے غسل کرتا ہے تو اُس نے اپنا غسل کیا۔ دوسرا شخص صابن بھی لگاتا ہے تو اس نے اپنا غسل کیا، ایک شخص غسل کے لیے کوئی قیمتی LOTION لگاتا ہے تو وہ اپنے لیے کر رہا ہے کسی پر احسان تو نہیں ہے۔ اگر کوئی اپنی صفائی یا پاکیزگی کا اہتمام کر رہا ہے تو اپنے لیے کر رہا ہے اس کا کسی پر احسان تو نہیں ہے۔

اگر کوئی عبادت کرتا ہے، نیکی کرتا ہے، حج وعمرہ کرتا ہے، صدقات وخیرات کرتا ہے تو وہ اللہ کو کچھ دے نہیں رہا، اس سے تو لے ہی رہا ہے۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے تو پھر فقیر کو اکڑنا کیسا، گداگر کو نازنخرے کیسے؟ تم سارے فقیر ہو مانگنے والے ہو محتاج ہو اور وہ ذات بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سارے کمال اس کے ہیں۔ تم میں اگر کوئی کمال نظر آتا ہے تو وہ بنانے والے نے رکھا ہے۔

ہم دنیوی امور میں بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی بندہ معذور ہو جاتا ہے، نظر نہیں رہتی یا ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں، محتاج ہو جاتا ہے۔ اگر دوسرا شخص اس معذور کو بن مانگے صبح شام اچھا کھانا کھلائے، کپڑے دھو کر دے جائے اور گھر بیٹھے ہر چیز پہنچا دے تو کیا وہ محتاج اُس احسان کرنے والے کی نافرمانی کرے گا یا شکر گزار ہوگا؟ اس پر احسان جتائے گا یا احسان مند ہوگا؟

اسی طرح فرمایا، تم ہر لحظہ محتاج ہو اُس ذاتِ باری کے جو بے پناہ نعمتیں تم پر ہر آن نچھاور کر رہا ہے، تم پر لٹا رہا ہے۔ اُس نے تمہیں شعور دیا، انسانی عقل دماغ دیا تمہیں حواسِ خمسہ دیے اور سب سے بڑی نعمت یہ دی کہ تمہارے سینے میں دل دیا ہے۔ تم جو کچھ کھاتے پیتے ہو سارے کا اہتمام وہی کرتا ہے۔ ہر لقمہ وہی دیتا ہے۔ تم پھر اُس کے ساتھ گستاخیاں کرتے ہو، اُس کی نہیں مانتے؟ جس نے تمہیں انسان بنایا ساری قوتیں دی، اُسے تو مت بھولو۔

اللہ کریم یاد دلا رہے ہیں: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وہ جب چاہے تم سب کو مٹا

دے۔ ایک انسان نہیں بلکہ ساری انسانیت ختم ہو جائے تو اُس کی ذات کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ چاہے تو تم سے بہتر مخلوق پیدا کر دے کہ وہ خالقِ کائنات ہے۔ ساری مخلوق اسی کی ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں دنیا سے مٹا دے اور تمہاری جگہ کوئی نئی مخلوق پیدا کر دے۔ وہ قادر ہے اُسے کوئی احتیاج نہیں: وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ یہ اللہ جل شانہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ انسان کو اپنی حیثیت پہچاننی چاہیے۔ اگر اللہ چاہے تو ساری انسانیت کو مٹا دے اور چاہے تو اس کی جگہ دوسری مخلوق پیدا کر دے۔ یہ کام اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ تم گِننا چاہو تو اس کی مخلوق کو گن نہیں سکتے تو ایک اور پیدا کرنا اُس کے لیے کیا مشکل ہے؟

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا:

فرمایا، یہ بھی یاد رکھو: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔۔۔ جب حساب کتاب کا معاملہ ہوگا، حقائق جانچے جائیں گے تو کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ انسان جتنی کوتاہیاں، جتنی خطائیں کر رہا ہے اتنا اپنا بوجھ بڑھا رہا ہے۔

آج تو ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بس ہماری بیعت کر لو، ہمیں شیرینیاں دیتے رہو، ہم تمہیں جنت پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ تمہارا بوجھ ہم اٹھا لیں گے۔ کفار اور مشرکین کے پیشوا بھی اُن سے یہی کہتے تھے۔ عیسائیوں کے پادری یہی کرتے ہیں کہ عیسائی گرجا گھر میں جا کر پادری کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے یہ گناہ کیا، یہ گناہ کیا پھر پادری کہتا ہے کہ اتنے پیسے یا فیس جمع کروا دو تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ آج بھی گرجا گھروں میں چھوٹے چھوٹے کیبن (CABIN) بنے ہوئے ہیں جن میں پادری بیٹھ جاتا ہے اور اس کیبن کے باہر وہ شخص اپنے سارے گناہوں کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے گناہوں کے حساب سے اس سے پیسے لے کر پادری کہتا ہے کہ تمہارے گناہ معاف ہو گئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، یہ جھوٹ بولتے ہیں۔

ہم یہودیوں اور عیسائیوں پر اعتراض تو کرتے ہیں لیکن آج ہمارے ہاں بھی یہ رواج ہو گیا ہے اور ایسے پیر خانے بن گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ تمہارا کام ہم تک آنا تھا، آگے ہمارا کام ہے۔ تم ہمیں شیرینیاں دیتے رہو، ہم تمہیں جنت میں لے جائیں گے۔ بھئی لے جاؤ گے جب پہلے خود جنت جاؤ گے پہلے اپنی فکر کرو: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔۔۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ جو کرے گا خود بھرے گا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔۔۔ فرمایا، بوجھ تلے دبا انسان کسی کو اگر پکارے گا، کہے گا کہ میرا تھوڑا سا بوجھ اُٹھا لو تو کوئی نہیں اٹھائے گا۔ بوڑھا باپ اگر جوان بیٹے سے کہے گا کہ مجھ پر بہت بوجھ ہے تھوڑا سا تم اٹھا لو تو فرمایا،

کوئی نہیں اٹھائے گا۔ خواہ کتنا قریبی عزیز بھی ہو، باپ بیٹا بھی ہوں تو بھی ہر ایک کو اپنا بوجھ اٹھانا پڑے گا کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ فرمایا، گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا شخص خواہ بوڑھا باپ ہو اور وہ اپنے بیٹے سے کہے کہ اس کے گناہوں کا تھوڑا سا بوجھ اٹھا لو تو بیٹا انکار کر دے گا کہ اپنا اپنا خود بھگتو۔

اللہ کریم ہمیں وہ باتیں یاد دلا رہے ہیں جو ہم دنیا میں کھو کر بھولتے جا رہے ہیں۔ ہمارے سامنے ان حالات کا نقشہ رکھ دیا ہے جو قیامت کو پیش آئیں گے۔

انذار اُسی کے لیے مفید ہے جس کا ایمان بالغیب ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو وہی قبول کرے گا جو اللہ پر غائبانہ ایمان رکھتا ہوگا۔ ایمان بالغیب کے بغیر بات نہیں بنتی۔ یہ باتیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں یہ اللہ کی باتیں ہیں، اللہ کا کلام ہے اور یہ خبریں اللہ کریم دے رہے ہیں۔ ہر کلام میں متکلم کا پرتو ہوتا ہے۔ جب اللہ کلام فرماتے ہیں تو اس میں ذاتِ باری کا کتنا پرتوِ جمال ہوگا۔ اس میں کتنی لذّت اور شیرینی ہونی چاہیے؟ اس میں کتنی حقیقتیں ہونی چاہییں اور کتنے رازوں سے پردہ اٹھنا چاہیے؟

پھر ایسا بھی نہیں کہ اللہ کریم نے ماوشما کو اپنے کلام سے نوازا بلکہ ایک ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کے لیے جو پاکیزگی، طہارت، نورانیت اور جو شفافیت چاہیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہے، ماوشما میں نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اللہ سے کلامِ باری کو سنا بھی اور اس کو برداشت کیا، سمجھا بھی، تجلیات کو برداشت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ ہم تک پہنچایا۔ اس میں مزید کتنی شیرینی شامل ہوگئی کہ کلامِ باری تو پہلے ہی تھا پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک کی شیرینی بھی اس میں شامل ہوگئی۔ یہ قرآنِ حکیم جس کے الفاظ ہم دہراتے ہیں یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے جو قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک اور لب ہائے شیریں سے ادا ہوا تو اس میں کتنی لذّت ہونی چاہیے؟ انسانی زبان میں ایک ایک خاصہ ہے کہ وہ ذائقہ چکھ سکتی ہے۔ میٹھا، کڑوا، ترش، شیریں یہ سب ذائقے صرف زبان محسوس کرتی ہے۔ بعض لوگوں کو ایک بیماری ہو جاتی ہے تو اُن کی زبان ذائقہ محسوس نہیں کرتی۔ اُنہیں پھر کوئی بھوسہ کھلا دے یا بہترین کھانا کھلائے، اُن کے لیے برابر ہے، اُنہیں پتا نہیں چلتا۔ منہ سے کھانا حلق میں جب اتر جاتا ہے تو ویسے بھی کڑوے میٹھے کی تمیز نہیں رہتی۔ پیٹ میں بھی کوئی چیز کڑوی یا میٹھی نہیں لگتی۔ یہ حِس صرف زبان میں ہے کہ مزہ چکھ سکتی ہے۔ جب زبان میں چکھنے کی قوت نہیں رہتی تو ان لوگوں کو

میٹھا دیں یا کڑوا دے دیں وہ کھاتے جائیں گے۔ انہیں میٹھے سے فرق پڑتا ہے نہ کڑوے سے کہ ذائقہ ہی نہیں ہوتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اس قرآن میں بڑا مزہ ہے، بڑا لطف ہے، بڑا نور اور بڑی شیرینی ہے لیکن اس لذت کو وہی محسوس کریں گے: اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ۔۔۔ جو غائبانہ اللہ کریم پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت سے اُن کے دل لرزتے ہیں۔ جن کے دلوں میں وہ کیفیت ہی نہیں اُن کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھیں یا اُن کے سامنے کوئی اور بات کی جائے انہیں فرق نہیں پڑتا۔ ان کے دلوں میں چکھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عالی 'نذیرؑ' ہے اور انذار سے مراد ہوتی ہے کہ کسی کو بروقت خبردار کرنا کہ آج جو کام وہ کر رہا ہے اس کا انجام عند الموت، برزخ میں اور فردائے قیامت بہت خطرناک ہوگا۔ اردو میں ہم اس کا ترجمہ 'ڈر' لکھ دیتے ہیں کیونکہ اُردو کے پاس اور کوئی لفظ نہیں ہے جبکہ انذار کا مطلب ہے خطرے سے بروقت آگاہ کرنا۔ ایک شخص یہاں سے کہیں جارہا ہو اور دوسرا کوئی شخص جانتا ہو کہ اس راستے پر دس میل دور آگے ڈاکو ہیں تو وہ پہلے شخص کو بتادیتا ہے کہ اس راستے پر مت چلو آگے لُوٹے جاؤ گے۔ اب اس شخص کی مرضی ہے کہ اس پر اعتبار کرتا ہے یا نہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو وہ شخص محسوس کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس شخص کو انجام سے باخبر کر سکیں گے جو اللہ پر غائبانہ ایمان رکھتا ہو یعنی ایمان بھی بالغیب ہی مطلوب ہے۔

اس عالم میں ذاتِ باری کو دیکھنا انسان کے بس میں نہیں ہے اور کلامِ باری بھی براہ راست سننا عام انسان کے بس میں نہیں ہے۔ یہ کلام سننا بھی خاصہء خاصانِ خدا ہے، اولوالعزم رسولوںؑ اور انبیاؑ کا منصب ہے۔ چنانچہ اللہ کا تعارف اُس کے انبیاؑ ورسلؑ کراتے ہیں اور انسان پھر نبیؑ کے واسطے سے اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کے نبیؑ جب اللہ کا تعارف کراتے ہیں تو اس کا ایک ایک احسان بتاتے ہیں اُس کی ذات اور صفات کے بارے بتاتے ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ ایمان اُن لوگوں کا ہے جو اللہ کو ویسا مانتے ہیں جیسا اللہ کے رسولؑ منواتے ہیں۔ ورنہ دنیا میں اپنے طور پر ہر کوئی اللہ کو مانتا ہے جنہوں نے اپنے نبیوںؑ کی مخالفت اور تردید کی وہ بھی کہتے تھے کہ یہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ گویا اللہ کو مانتے تھے تو پھر وہ مسلمان کیوں نہیں تھے؟ اس لیے کہ وہ اللہ کو اپنی پسند اور مرضی سے مانتے تھے جبکہ اللہ کو ویسا ماننا ضروری ہے جیسا اللہ کا نبیؑ منوائے۔

چنانچہ اللہ پر ویسا ایمان مطلوب ہے جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی صفات وعظمت بیان کر کے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ جو مان لیتا ہے وہ پھر اللہ کا فرمانبردار ہو جاتا

ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی اللہ کو مانتا ہو اور اس کی نافرمانی بھی کرے۔ جو لوگ نافرمانیاں کرتے ہیں اُن کے ماننے میں فرق ہے۔ فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ بہت مجاہدہ کرتے ہیں اور اس سے بڑا شفا کا کوئی مرکز نہیں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے شیریں سے ہدایت جاری ہوئی ہے لیکن شفا انہی کو ہوگی جو اللہ کو غائبانہ مانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے جو مانتے ہیں اور انہیں ادراک اور شعور نصیب ہو جاتا ہے۔ جب کسی کے شعور میں بات آ جائے، اللہ کے احسانات یاد آ جائیں، اپنی محتاجی اور اس کی قدرت یاد آ جائے تو: وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ۔۔۔ پھر وہ ہمہ وقت عبادت کرتے ہیں۔ اس کے عبادت گزار بن جاتے ہیں۔ جب اللہ کی عظمت کا ادراک ہو جائے تو پھر سر اُٹھانے کو جی نہیں کرتا۔

عبادت سے مراد اطاعت ہے:

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ۔۔۔ سے مراد ہمہ وقت عبادت، ہمہ وقت اطاعت ہے۔ کوئی بھی کام جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق جب کیا جائے تو عبادت شمار ہوگا، نماز، روزہ تو ہے ہی عبادت، دنیا کے کام بھی جب شریعت کے مطابق کیے جائیں گے تو عبادت کا درجہ پائیں گے۔ شریعت کے مطابق سونا بھی عبادت ہے، کھانا پینا، مزدوری کرنا، حلال کمانا عبادت ہے۔ حتیٰ کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق قتل ہو جانا بھی عبادت ہے، شہادت ہے۔

زندگی کا ہر کام یا تو عبادت ہے یا جرم ہے۔ دن بھر جو ہم کہتے ہیں، جو کرتے ہیں یا عبادت ہے یا نافرمانی ہوتی ہے۔ وہ ایسا کریم ہے، فرماتا ہے تم اگر میری عبادت کرتے ہو تو تمہاری کوتاہیوں کو معاف کرتا رہتا ہوں۔ ورنہ اگر اس بات پر فیصلے ہوتے کہ جو اطاعت کرے گا اُسے ہی نعمتیں ملیں گی اور نافرمانی کرنے والے کو نہیں تو لوگ ختم ہو جاتے اور زمین پر کوئی شے نہ رہتی۔

تزکیہ، اپنے لیے ہے:

فرمایا: وَمَنۡ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ۔۔۔ جو کوئی اپنے نفس کو پاک کر لیتا ہے، تزکیہ کر لیتا ہے وہ اللہ پر احسان نہ کرے۔ جو نیکی کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے کر رہا ہے۔ اللہ کا ایک نظام ہے، اس میں جو نیکی کرے گا انعام پائے گا، جو کفر کرے گا اس کا انجام برا ہوگا۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے لہٰذا اللہ پر احسان نہ دھرو کہ تم نے ساری رات عبادت کی۔ اگر تم عبادت نہ کرتے تو کیا آسمان گر جاتا؟ اللہ کا کیا نقصان ہوتا؟ اگر تم عبادت کرتے رہے تو اپنی صفائی کرتے رہے، اپنا تزکیہ کرتے رہے اپنی نیکیاں جمع کرتے رہے۔ اللہ قبول کرے تو تم خود اس کا اجر پاؤ گے کسی

دوسرے پر تو کوئی احسان نہیں ہے۔ تمہیں کسی پر احسان دھرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خواہش کرنے لگو کہ تمہیں لوگ پارسا سمجھیں بزرگ سمجھیں، کوئی تمہارے ہاتھ چومے کوئی گھٹنے چومے۔ اس سب کی کیا ضرورت ہے اور کوئی ایسا کیوں کرے؟ تم نے کسی کے لیے کیا ہے؟ کسی پر تمہارا کوئی احسان نہیں ہے لہٰذا اُن سے ایسی کوئی توقع نہ رکھو کہ تمہیں پارسا کہیں اور نہ ہی اللہ پر احسان دھرو۔ بلکہ یہ اُلٹا اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں عبادت کی توفیق دے دی۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

منت منہ کہ خدمت سلطان مے کنی
منت او بداں کہ بخدمت گزاشتن

جب کوئی بادشاہ کا ملازم بن جاتا ہے، خادم بھرتی ہو جاتا ہے، سپاہی یا باورچی بھرتی ہو جاتا ہے تو وہ بادشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ اس ملازم کا بادشاہ پر احسان نہیں ہے بلکہ بادشاہ کا احسان ہے کہ اس نے انہیں ملازم رکھا ہے۔

محتاج تو تم تھے تم جیسے ہزاروں اور تھے بادشاہ کو کیا فرق پڑتا ہے چنانچہ اس پر احسان نہ کرو۔ اللہ پر احسان نہ کرو کہ تم نے اتنی عبادت کی اتنے عمرے اور حج کیے۔ اگر حج اور عمرے کیے تو کس پر احسان کیا؟ نوافل پڑھے، سجدے کیے تو کس پر احسان کیا؟ تلاوت کی تو کس پر احسان کیا؟ وَمَنۡ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ۔۔۔ جو خود کو پاک کرتا ہے وہ اللہ پر یا لوگوں پر احسان نہیں کرتا بلکہ اس کے اپنے لیے ہے۔ اگر وہ خود کو پاک کرتا ہے، عبادت کرتا ہے تو اس کا انعام وہ خود پائے گا۔

یہ یاد رکھو کہ: وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ⑱ سب کو پلٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ جو اپنے آپ کو صاف ستھرا لے جائے گا انعام پائے گا جو اپنے آپ کو گناہوں سے آلودہ کر کے لے جائے گا، اللہ کریم ہے معاف کر دے اس کی مرضی، نہ کرے تو سزا پائے گا۔ ایک فیصلے کا اعلان البتہ قیامت سے پہلے کر دیا گیا ہے کہ جو شرک پر یا کفر پر مرے گا اس کو بخشا نہیں جائے گا۔ اس کے بعد اب رہ گئے وہ لوگ جنہیں دنیا میں ایمان نصیب ہوتا ہے تو ایمان اتنی قیمتی دولت ہے، اس کی اتنی برکت ہے کہ مومن کے جتنے بھی گناہ ہوں اگر رائی کے دانے کے برابر، ذرّہ بھر ایمان بھی دل میں ہوگا تو سزا پانے کے بعد، کبھی نہ کبھی نکل کر جنت میں پہنچ جائے گا جبکہ کافر کبھی جہنم سے نکل نہ سکے گا۔ اسے نہ موت آئے گی اور نہ ہی اس کے عذاب میں کمی ہوگی۔

ایمان اتنی قیمتی دولت ہے کہ اگر مومن سزا پا کر دوزخ میں بھی ڈالا گیا تو ایمان اُسے وہاں سے نکال کر بالآخر

جنت میں لے جائے گا البتہ یہ ضروری ہے کہ موت ایمان پر آئے۔ یہ نہ ہو کہ ہم دنیا میں ایمان ضائع کر کے مریں۔

ایمان اور کُفر کا موازنہ:

فرمایا، دنیا میں دیکھ لیں: وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ جس کی نگاہ درست ہو جو دیکھ سکتا ہو وہ اور اندھا کبھی برابر ہوتے ہیں؟ ایمان کا ہونا اور ایمان کا نہ ہونا ایسے ہی ہے جیسے کسی کی آنکھیں ہیں اور دوسرے کی نہیں ہیں۔ جو کچھ بینا دیکھ سکتا ہے کیا وہ اندھے کو نظر آتا ہے؟ جس طرح ایک آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے کہ راستہ کون سا ہے، کدھر جاتا ہے۔ کون سا راستہ ہموار ہے، کس میں جھاڑیاں ہیں، چٹانیں ہیں کس میں موذی جانور ہیں اور کون سا صاف اور محفوظ ہے۔ کیا اس طرح اندھا دیکھ سکتا ہے؟ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اسی طرح: وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ کبھی اندھیرا اور روشنی ایک جیسے ہوتے ہیں؟ ایمان نور ہے، روشنی ہے اور کفر اندھیرا ہے ظلمت ہے۔

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ اور سایہ اور تپتی ہوئی دھوپ کبھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایمان سایہ ہے ابرِ رحمت کا اور کفر صحرا کی تپتی ہوئی دھوپ ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ۔۔۔اور زندہ اور مردہ ایک جیسے نہیں ہوتے گویا ایمان حیات ہے اور کفر موت ہے۔ ایمان قلب و روح کی زندگی ہے اور مومن کا وجود ہی نہیں بلکہ اس کی روح بھی زندہ ہوتی ہے۔ کافر بظاہر زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی روح کفر سے مر جاتی ہے۔ فرمایا، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے اُن کا عمل ایک جیسا نہیں ہوتا۔ وہ ایک جیسا کام نہیں کرتے ایک جیسی بات نہیں سنتے ایک جیسی بات نہیں سمجھتے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جس کی موت آئی اس کی روح قبض ہو گئی اور وہ مر گیا لیکن ایمان کی برکت یہ ہے کہ بعض مرنے والے ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں اللہ کریم حکم دیتے ہیں کہ انہیں مردہ نہ کہو: وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (البقرہ: 154) اللہ کی راہ میں جو قتل ہو گئے انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں۔

یا اللہ! اس کی گردن کٹ گئی بدن کے پرخچے اُڑ گئے اس کا جنازہ پڑھا دفن کیا پھر کیسے زندہ ہے؟ فرمایا یہ تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے کہ وہ مر کر بھی کیسے زندہ ہے۔ تمہاری عقل اور تمہارا شعور اتنا نہیں ہے کہ تم اس بات کو سمجھ سکو۔ تم اللہ کے بتانے سے مان لو کہ وہ مردہ نہیں زندہ ہیں۔ یہ ایمان کی برکت ہے کہ اُس میں ایمان تھا تو وہ شہید ہوا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں مردہ وہ ہے جس کے دل میں ایمان نہیں خواہ دنیا میں زندہ بھی رہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہر درخت

زندہ ہے، ہر پودا زندہ ہے، گھاس کا ہر تنکا زندہ ہے۔ فرمایا: حقیقتاً وہ مردہ ہے جس میں ایمان نہیں ہے اور کتنی مثالیں دیں، اندھے اور آنکھوں والے کی، ظلمت اور نور کی، بہترین مزیدار دلبر با سائے اور تپتی دھوپ کی اور زندہ اور مردہ کی کہ یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہوتے۔ گویا مومن کا دل زندہ ہے، اس کی روح زندہ ہے، مومن زندہ ہے جبکہ کافر کے بدن میں حیات ہونے کے باوجود اس کا دل مردہ ہے، روح بھی مری ہوئی ہے لہٰذا وہ مردہ ہی تصور ہوگا۔

سماع اور اسماع:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ اللہ کریم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جسے وہ سنائے، وہ سنا سکتا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ بات 'سماع' کی نہیں بلکہ 'اسماع' کی ہے۔ سماع کا معنی ہے مطلق سُننا کہ کوئی بات کر رہا ہو اور آپ سن رہے ہوں۔ اسماع سے مراد ایسا سننا ہے جس پر عمل کرنا بھی نصیب ہو۔ فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تو قادر ہے جسے چاہے سنا سکتا ہے۔ اللہ کریم نے انسان کو یہ رعایت دے دی ہے کہ جب بھی اس کے دل میں سننے کی تمنا پیدا ہوگی میں سنا دوں گا۔ جب بھی اس کے دل میں میری بارگاہ میں حاضری کی آرزو یعنی انابت پیدا ہوگی میں اسے ہدایت دے دوں گا۔ اس کے دل میں جب بھی یہ تڑپ جنم لے گی میں اسے اپنی راہیں بتا دوں گا۔ اللہ کریم تو سنوا سکتا ہے: وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں کو کیسے سُنا سکتے ہیں جو زندہ قبروں میں پڑے ہیں۔ 'اسماع' سے مراد ایسا سننا ہے جس پر عمل ہو سکے چونکہ کافر کا دل مردہ ہے، اس کی روح مردہ ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی پر سن کر عمل نہیں کر سکتا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے محروم ہیں یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ ایک عرب شاعر نے کہا تھا: اَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرُ هُمْ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے چلتے پھرتے جسم قبر میں جانے سے پہلے ان کی روحوں کی قبریں بن چکی ہیں۔ یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ، وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ کافر ایمان نہیں لاتے۔

یہاں بھی لوگ سماعِ موتیٰ کے مسئلے میں الجھے رہتے ہیں حالانکہ یہاں سماعِ موتیٰ کی بات ہی نہیں ہو رہی۔ یہ اُن مُردوں کی بات ہو رہی ہے جو بظاہر زندہ ہیں لیکن اندر سے مُردہ ہیں سماع کی نہیں بلکہ اسماع کی بات ہو رہی ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کلامِ باری میں کتنا نور، کتنی قوت ہے۔ یہ کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لب ہائے مبارک سے لوگوں تک پہنچا۔ اس میں کتنی شیرینی، کتنی لذّت اور کتنا سکون ہے لیکن یہ ساری نعمتیں تو وہی محسوس کرے گا جو زندہ ہو۔ مُردے کو کیا فرق پڑتا ہے اگر کوئی

اس کے منہ میں شہد ڈالے یا تلخ دوا ڈال دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے بھی صرف وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں جن میں زندگی کی رمق باقی ہو۔

کافر تو مُردہ ہے، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارا دعویٰ اسلام ہے تو ہم کتنے زندہ ہیں؟ اللہ ہمیں معاف کرے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم زندہ تو ہیں لیکن بستر پر بیمار پڑے ہیں، اُٹھ سکتے ہیں نہ بیٹھ سکتے ہیں۔ کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن نماز ہے نہ روزہ ہے، حج ہے نہ زکوٰۃ ہے بس ہر وقت گناہ میں لگے ہوئے ہیں نیکی کی طرف نہیں آتے۔ پھر تو زندگی ایسی ہی ہوئی جیسے کوئی بستر پر پڑا ہے، محتاج ہے۔ اُسے ہمہ وقت بخار ہے یا کوئی اور تکلیف ہے جس سے وہ اُٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے۔ ایسی زندگی سے تو لوگ چھٹکارا پانے کی دعائیں مانگتے ہیں تو ہمیں بھی سب سے پہلے اپنی زندگی کی خبر لینی چاہیے کہ میری زندگی کیسی ہے۔ کیا میری نمازوں میں باقاعدگی اور خلوص ہے؟ کیا ان میں خشوع اور خضوع ہے؟ کیا میں رزقِ حلال کھا رہا ہوں، کہیں حرام تو نہیں کھا رہا؟ کیا میں کھری بات کرتا ہوں، جھوٹ تو نہیں بولتا؟

میں زندگی میں کتنی اطاعت کر رہا ہوں؟ جتنا مومن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے اتنا وہ زندہ ہے، جوان ہے، طاقتور ہے۔ ہمیں دوسروں کی نہیں بلکہ اپنی خبر لینی چاہیے اور یہ محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ:

فرمایا: اِنۡ اَنۡتَ اِلَّا نَذِیۡرٌ ﴿۲۳﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ جس بات کا کچھ حصہ انہیں قبر میں جا کر سمجھ آئے گا اور پوری سمجھ میدانِ حشر میں آئے گی وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آج بتا دیں۔ آج بتا دیں کہ یہ خطرہ کل سر پر کھڑا ہے۔ اگر آج ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ جیسے اللہ نے سورج کو روشن چراغ بنایا ہے جو زمین پر دھوپ اور روشنی بکھیرتا ہے جس سے زمین پر نظامِ حیات چلتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ سورج کو نہیں مانتا تو اس کے نہ ماننے سے سورج کی روشنی یا اس کی دھوپ میں کوئی فرق آئے گا؟ بالکل نہیں آئے گا۔ ایک کہتا ہے کہ سورج تو ہے لیکن مجھے آج تک نظر نہیں آیا۔ اگر تمہیں نظر نہیں آیا تو تم اندھے ہو گے لیکن تمہارے نہ دیکھ سکنے سے سورج کی روشنی میں تو کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نافرمانی کرنے والا اپنا نقصان کرتا ہے، اپنا بگاڑتا ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشخبری سنانے والے ہیں۔ ایمان پر، نیک اعمال پر جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کفر اور گناہ پر بُرے نتائج سے جہنم کے عذابوں سے بروقت مطلع کرنے والے بھی ہیں۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ: وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ۞ کوئی اُمت، کوئی قوم ایسی نہیں گزری جن میں ہم نے نبیؑ مبعوث نہ فرمایا ہو جو انہیں خطرے کی بروقت اطلاع دیتا ہے۔

ہر اُمت میں، ہر قوم میں ہم نے انبیاؑ مبعوث فرمائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کوئی نئی بات نہیں۔ یہ بات ضرور ہے کہ ہر نبیؑ ہر رسولؑ ایک قوم کے لیے، ایک مخصوص مدت کے لیے تشریف لائے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے زمانوں اور ساری انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے۔ وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۔۔۔ اگر یہ لوگ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتے تو ان سے پہلے لوگوں کا بھی یہی وطیرہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے انبیاؑ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ لوگوں نے اُنؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اُنؑ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ ہوتا چلا آیا ہے۔ جو اندھے تھے وہ اُنہیںؑ نہ دیکھ سکے۔ جو بہرے تھے وہ اُنؑ کی نہ سن سکے۔ جن کے دل مردہ تھے وہ اُن پر ایمان نہ لا سکے۔ یہ سب کچھ پہلے انبیاؑ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

فرمایا: جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ۞ ان لوگوں کے پاس بھی اُن کے انبیاؑ واضح دلیلیں، صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے۔ اللہ کریم نے بعض انبیاؑ کو معجزات عطا فرمائے جو انہوںؑ نے پیش کیے جو واضح دلائل تھے۔ بعض انبیاؑ صحیفے لائے اور بعض پر روشن کتابیں نازل ہوئیں۔ اس سب کے باوجود لوگ انکار کرتے رہے اور یہ انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی تقسیم ہے کہ اس نے انسان کو اختیار دیا ہے۔ جس نے اپنی آنکھیں ہی پھوڑ لی ہیں وہ کیا دیکھے گا؟ جس نے اپنی سماعت ختم کر لی ہے وہ کیا سنے گا؟

لوگوں نے انبیاؑ کو قتل بھی کیا، انکار اور تکذیب بھی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے فرما دیجیے کہ ایک بات یاد رکھ لو: ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ۞ ذرا یہ بھی دیکھ لو کہ جب کافر قوموں کو ہم نے

پکڑا تو پھر اُن کا کیا حشر ہوا۔ بڑے بڑے ظالم اور جابر، بڑے بڑے شہنشاہ خدا کہلوانے والے، بڑے بڑے فوجی لاؤلشکر اور خزانے اور بڑی طاقتور حکومتیں چلانے والوں پر جب گرفت آئی تو اُن کا کیا حشر کیا گیا۔ اسی بات پر نہ رہیں کہ فلاں نے بھی نہیں مانا، فلاں نے بھی انکار کیا۔ ذرا یہ بھی دیکھ لو کہ جنہوں نے نہیں مانا، آخر کب تک نہیں مانا۔ بالآخر عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ کر عبرت کا نشان بن گئے: فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾ جب اللہ نے انہیں پکڑا تو پھر اس کی سزا کیسی تھی۔ وہ لوگ پھر عبرت کا سامان بن گئے، تماشا بن گئے اور تاریخ کا حصہ بن گئے، افسانوں میں رہ گئے۔ اُن کے محلات اور باغات اجڑ گئے اور آبادیاں ویران ہو گئیں۔ اے انکار کرنے والو! یہ بھی دیکھ لو۔

دنیا و آخرت کی ساری بھلائی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہے۔ اطاعت کو چھوڑنے والو! نافرمانوں کا انجام دیکھ لو۔

سورۃ فاطر رکوع 4 آیات 27 تا 37

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ
سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا
يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ
كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ
شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ
عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ
فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ
وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى
عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ
كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ

كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ
النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷

(اے مخاطب!) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعے ہم نے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے مختلف حصے کہ (ان میں) سفید ہیں اور سرخ (بھی) کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں اور (بعض) کالے سیاہ (ہیں) ﴿۲۷﴾ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے بھی اس کے عطا کردہ مختلف طرح کے رنگ ہیں بے شک اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں بے شک اللہ زبردست بخشنے والے ہیں ﴿۲۸﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہ ہوگی ﴿۲۹﴾ تاکہ ان کو ان کا پورا پورا صِلہ عطا فرمائیں اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ (بھی) دیں بے شک وہ (تو) بخشنے والے قدردان ہیں ﴿۳۰﴾ اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ حق ہے (اور) اُن (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والے، دیکھنے والے ہیں ﴿۳۱﴾ پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ سو بعضے تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے درمیانے درجے کے ہیں اور بعض اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں یہی اللہ کا بڑا فضل ہے ﴿۳۲﴾ ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی ﴿۳۳﴾ اور وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کیا بے شک ہمارے پروردگار بڑے بخشنے والے بڑے قدردان ہیں ﴿۳۴﴾ جس نے ہم کو اپنی مہربانی سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا یہاں نہ تو ہم کو کوئی رنج ہوگا اور نہ

ہم کو تھکان ہی ہوگی ﴿۳۵﴾ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ اس (دوزخ) کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ﴿۳۶﴾ اور وہ لوگ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لیجیے ہم اچھے کام کریں گے ان کاموں کے برخلاف جو کیا کرتے تھے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو اس میں سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا سو (کفر کا مزہ) چکھو (یہاں) ایسے ظالموں کا کوئی مدد کرنے والا نہیں ﴿۳۷﴾

تفسیر و معارف

قدرتِ باری کے مظاہر:

فرمایا، اس کارگہہ حیات پر غور کرو، کبھی سوچو تو سہی: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا ۔۔۔کیا تم نہیں دیکھتے اللہ بلندیوں سے، آسمانوں سے کس طرح پانی برساتا ہے؟ اُس نے کیسا نظام بنایا کہ سمندروں کو پانی کا ذخیرہ بنا دیا۔ اس نے سورج کو تپش دی اور اس کی تپش سے سمندر کے پانی سے بادل بننے تک کتنا لمبا ایک عمل ہے، جس سے گزرنے کے بعد بادل بنتے ہیں۔ پھر بادل تہہ بہ تہہ ہوجاتے ہیں اور رنگ برنگ ہوجاتے ہیں کوئی سفید، کوئی سرخی مائل اور کوئی سیاہ پھر ان سے بارش برستی ہے جو خالص پانی ہوتا ہے، جس میں رنگ ہوتا ہے نہ بو ہوتی ہے اور نہ ہی ذائقہ ہوتا ہے۔ بارش میں ایک ہی طرح کا خالص پانی برستا ہے۔ خالص پانی اُس پانی کو کہتے ہیں جس میں ذائقہ ہو نہ رنگ اور بُو ہو۔ جس پانی کا رنگ بدل جائے وہ خالص نہیں ہوتا۔ جس میں بُو ہو وہ بھی خالص نہیں اور جس کا ذائقہ بدل جائے وہ بھی خالص نہیں ہے۔

فرمایا، آسمان کی بلندیوں سے ایک ہی طرح کا خالص پانی برستا ہے پھر جب اس سے ہم کھیتیاں پیدا کرتے ہیں تو کتنے رنگ بن جاتے ہیں۔ گھاس کے تنکے بھی گل بکف پیدا ہوتے ہیں۔ ہر پھول کا رنگ مختلف، ذائقہ اور تاثیر مختلف ہے۔ کسی پھول کے کھانے سے شفا ہوتی ہے کوئی ایسا زہریلا ہے کہ اس کے کھانے سے موت بھی ہو سکتی ہے۔ ایک پھول کے کھانے سے طبیعت بشاش ہوتی ہے، ایک کے کھانے سے مردہ بھی ہوجاتی ہے۔

مختلف اقسام کے پھول، گھاس، اور بُوٹیاں مختلف بیماریوں کا علاج ہیں۔ ان بوٹیوں میں سے کوئی کڑوی ہے، کوئی میٹھی ہے کوئی بے ذائقہ ہے اور پھولوں میں بھی کتنے رنگ ہیں۔ فرمایا، بارش میں تو کوئی رنگ نہیں تھا، مٹی میں بھی کوئی رنگ نہیں ہے۔ یہ کس کاریگر کی کاریگری ہے! اگر پھولوں کو ہی غور سے دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ پھولوں کے اندر پھول بنے ہوئے ہیں۔ پتیوں کے اندر پتیاں بنی ہوئی ہیں۔ اگر آٹھ، دس پتیاں اکٹھی رکھ کر دیکھیں تو سب کے اندر ایک جیسا نقش و نگار ہے۔ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے۔ حال ہی میں پانی کے ذرّات کی تصاویر بھی منظرِ عام پر آئی ہیں وہ اتنی خوبصورت ہیں جیسے کسی زیور کی تصویر ہو۔ یہ سب کس کی قدرت کی نشانیاں ہیں!

فرمایا، اب پہاڑوں کو ہی دیکھ لو: وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُوْدٌ۝۲۷ کہیں بالکل سفید پہاڑ ہیں، کہیں ان کے مختلف رنگ ہیں۔ کہیں سیاہ کالے پہاڑ ہیں، کہیں سرخ ہیں۔ ان میں کس نے رنگ بھر دیے؟ مٹی میں، پہاڑوں اور چٹانوں میں کون ہے جو مختلف رنگ بھر دیتا ہے!

انسانوں کو دیکھ لو، جانوروں اور چوپایوں کو دیکھ لو: وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ۔۔۔ انسانوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کتنے انسان روئے زمین پر آئے ہیں۔ ہر ایک کی شکل اپنی ہے، آواز اپنی ہے، قد کاٹھ اپنا ہے، سوچ اپنی ہے، انداز اپنا ہے۔ قیامت تک نہ جانے کتنے انسان اور آئیں گے سب اپنے اپنے حال میں ہوں گے۔ ہر انسان کے پاس دو بازو، دو ٹانگیں، دو کان، دو آنکھیں، پیشانی، سر سب ایک جیسے ہیں لیکن ہر بندہ دوسرے سے الگ ہے۔

جانوروں میں، پرندوں میں دیکھ لو سفید، کالے، بھورے، پیلے، سرخ، سبز کتنے رنگ ہیں۔ یہ سارے ایک ہی طرح کے ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں، نطفے میں بھی کوئی رنگ نہیں، ماں کے پیٹ میں بھی کوئی رنگ نہیں ہے۔ کسی انسان میں نہ جانور میں تو پھر یہ ساری رنگسازیاں کون کرتا ہے: كَذٰلِكَ۔۔۔ یہی قدرت کی عظمت ہے۔ یہ وہ قادرِ مطلق ہے، وہ خالقِ کائنات، وہ عظیم اللہ ہے جو مختلف چیزوں کو مختلف انداز میں پیدا فرماتا ہے۔ یہ اس کی عظمت ہے۔

علم کا حاصل:

فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔۔۔ یقیناً اللہ سے اُس کے وہ بندے ڈرتے ہیں جو اہلِ علم ہیں۔ علم کیا ہے؟ اللہ کی عظمت سے آشنا ہونا، علم ہے۔ قرآنِ کریم کی نگاہ میں حقیقی علم معرفتِ الٰہی ہے۔ علم یہ ہے کہ بندہ اپنی کمزوریوں سے واقف ہو اور اللہ کی عظمت سے آگاہ ہو۔ حقیقی علم یہ ہے کہ اوّل درجے میں انسان کو

عظمتِ الٰہی کا ادراک اور اپنی محتاجی کا ادراک ہو اور دوسرے درجے میں اس کے پاس علمِ دنیا ہو جو حصولِ رزق کا، حصولِ صحت کا، حصولِ وسائل و ذرائع زندگی کا سبب ہو۔

THE KNOWLEDGE یا کامل علم جسے کہتے ہیں، اُس کے دو حصّے ہیں۔ ان میں پہلا حصّہ ہے علمِ دین یعنی NORMATIVE SCIENCES جس میں اللہ کی عظمت کو جاننا، ایمانیات، اخلاقیات، اعمال و کردار کا علم شامل ہے۔

علم کا دوسرا حصّہ ہے علم الابدان یعنی PHYSICAL SCIENCES، اس میں تمام مادّی علوم آجاتے ہیں۔ گویا عالم وہ کہلائے گا جس کے پاس یہ دونوں علوم ہوں گے اگر کسی کے پاس دوسرا حصّہ یعنی علم الابدان نہ ہو صرف علمِ دین ہو تو وہ پھر بھی عالم کہلائے گا۔

آج تو یہ حال ہے کہ بچوں کو علمِ دین تو بتاتے ہی نہیں، دوسرا حصّہ ہی پڑھاتے ہیں کہ اس سے پیسے کمائیں گے۔ جب لوگ دین پڑھتے ہی نہیں، اللہ کے احکام کو سمجھا ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سمجھا ہی نہیں تو پھر وہ خواہ پی ایچ ڈی بھی کر لیں تو پڑھے لکھے کہاں ہوئے۔ دین کے معاملے میں تو ان پڑھ ہی ہوئے۔ اتنا پڑھ لکھ کر بھی شراب پیتے ہیں، گناہ کرتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے دین پڑھا ہی نہیں ہوتا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس کائنات کی رنگا رنگی دیکھو، اس پر غور کرو۔ تمہارا سامنے ہر روز حشر بپا ہوتا ہے، کھربوں چیزیں خاک ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں اور کھربوں نئی چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ بارش ہوتی ہے تو صحراؤں میں جنگلوں اور بیابانوں میں مخملیں فرش بچھ جاتے ہیں۔ یہ کون بچھاتا ہے؟ گھاس کو سبزہ کس نے بنایا؟ پھول کو خوش رنگ کس نے بنایا؟ اس میں خوشبو اور ذائقہ کہاں سے آگیا یہ ساری رنگسازی کون کرتا ہے؟ پانی اور مٹی میں تو خوشبو نہ تھی پھر یہ پھول میں کہاں سے آگئی؟

فرمایا، کبھی ان چیزوں پر غور کرو، تمہیں علم ہو جائے تم بھی عالم ہو جاؤ تو: یَخْشَى ۔۔۔ تمہیں خشیتِ الٰہی نصیب ہو۔ یہاں 'خشیت' کا ترجمہ بھی ڈر ہی لکھ دیا جاتا ہے کہ اُردو میں یہی لفظ ہے لیکن خشیت سے مراد ہے کہ مقابل کی عظمت کو دیکھ کر اپنی کمتری کا احساس ہونا۔ جیسے ایک عام آدمی بادشاہ کے دربار میں پیش ہو تو اُسے یہ پتا ہوتا ہے کہ میں ایک عام آدمی ہوں اور سامنے بادشاہ ہے۔

اسی طرح جب لوگ عدالت میں پیش ہوتے ہیں تو وہاں جو جج صاحبان بیٹھے ہوتے ہیں وہ بھی عام انسانوں جیسے انسان ہی ہوتے ہیں لیکن جو لوگ اُن کے سامنے پیش ہوتے ہیں اُن پر ایک لرزہ طاری ہوتا ہے۔ اُنہیں پتا ہوتا

ہے کہ ہم مجرم ہیں اور یہ جج ہیں۔ جو صرف گواہی دینے کے لیے جاتے وہ بھی لرز رہے ہوتے ہیں حالانکہ انہیں کسی نے سزا تو نہیں دینی ہوتی لیکن اُن سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ عدالت کی حاضری ہے، اور جج کے سامنے پیش ہونا ہے، اس لیے ڈر لگتا ہے۔

فرمایا، جنہیں عظمتِ الٰہی سے آشنائی ہوجائے وہ بارگاہِ الٰہی میں لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ جنہیں عظمتِ الٰہی کا ادراک نہیں ہوتا وہ بے باک ہوتے ہیں لیکن جب وقت آئے گا تو پکڑے جائیں گے۔ تب انہیں پتا چلے گا کہ یہ کیا ہوگیا۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اللہ غالب ہے۔ ہر گناہ پر پکڑ کر تباہ کردے، وہ کرسکتا ہے۔ کسی جرم پر اندھا کردے، کسی جرم پر بہرا کردے، کسی جرم پر لُولا لنگڑا کردے، کسی جرم پر موت دے دے بدن کے پرخچے اُڑا کر تباہ کردے تو وہ کرسکتا ہے۔ اللہ یقیناً سب کرسکتا ہے وہ غالب ہے لیکن وہ بخشنے والا بھی ہے، درگزر کرنے والا بھی ہے۔

انسان نافرمانی کرتا ہے، وہ بہت مہلت دیتا ہے اور اُسے مال، دولت، اولاد، صحت اور اقتدار بھی دیے رکھتا ہے کہ شاید کبھی اسے خیال آجائے۔ جب تک اللہ نے مہلت دے دی ہے اس میں اپنی نعمتیں نچھاور کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ غالب ہے ہر گناہ پر پکڑ سکتا ہے۔ ہر جرم پر سزا دے سکتا ہے، انسان مٹ جاتے لیکن وہ کریم ہے۔ لوگ کفر کرتے ہیں وہ درگزر فرماتا ہے، لوگ گناہ کرتے ہیں، وہ درگزر فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ غفور ہے، وہ بخشنے والا ہے۔ سو انسان کو احساس ہونا چاہیے کہ اگر میری زندگی اطاعت سے محروم ہے اور پھر بھی وہ مجھے زندگی اور زندگی کی نعمتیں عطا کیے جارہا ہے تو یہ اُس کا کرم ہے۔ میں ہی نافرمانی سے باز آجاؤں، بروقت گناہوں سے توبہ کرلوں اور اطاعت اختیار کرلوں۔ زندگی کی توبہ گناہوں سے ہمیشہ کے لیے نجات دے دیتی ہے۔

تلاوتِ قرآن:

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ ۔۔۔ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ تلاوتِ کتاب بذاتِ خود ایک الگ نیکی ہے۔ قرآنِ کریم کا مقصد یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے، اس کا مفہوم سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے لیکن اگر کسی کو معنی یا ترجمہ نہیں آتا اور وہ تلاوتِ قرآن ہی کرتا رہے تو اس کی کیفیات دل پر وارد ہوتی ہیں۔ اُس کا دل روشن ہوتا ہے، اُس میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کریم سے تعلق بڑھتا ہے۔ گناہ سے توبہ کی توفیق اور نیکی پر عمل کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ تلاوتِ کتاب سے علوم بھی نصیب ہوتے ہیں۔ جسے معنی نہیں آتا اُسے بھی علوم نصیب ہوتے ہیں۔ علم کیا ہے؟ حضرت خواجہ حسن بصریؒ

فرماتے تھے کہ 'العلم' سے مراد دینی اور دنیوی علوم ہیں۔ دنیوی علوم دنیا کی زندگی بسر کرنے کے لیے ہیں کہ کمانا کھانا کیسے ہے، رہنا کیسے ہے۔ زندگی کی سہولتیں کیسے حاصل کرنی ہیں۔

دینی علوم بندے اور اللہ کے تعلق سے متعلق ہیں اور یہ دنیوی علوم پر بھی غالب ہیں۔ ہم دنیا کمانے کا طریقہ دنیوی علوم سے سیکھتے ہیں لیکن وہ دینی علوم کے ضابطوں کا پابند ہے۔ ان کی حدود کے اندر استعمال کیا جا سکتا ہے، حلال حرام کی حدود دیکھنی پڑتی ہیں۔ حقیقی علم معرفتِ حق تعالیٰ ہے۔ یہی اصلی علم ہے کہ کسی کو اللہ کی عظمت کا ادراک ہو جائے۔ جتنا زیادہ اُسے ادراک ہوگا اتنا وہ عالم ہے اور جتنا ادراک ہوگا اتنی وہ اطاعت کرے گا۔ عظمتِ باری کے ادراک کا تقاضا ہے کہ اس ذات کی خلوصِ دل سے اطاعت کی جائے، دل کی گہرائیوں سے اور پوری احتیاط سے ویسے اطاعت کی جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے۔

احکام اللہ نے عطا کیے ہیں اور ان پر عمل کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ سو اللہ کے احکام کو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مانا جائے تو فرمایا، یہ علم تو تلاوتِ کتاب سے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کتاب کے معنی نہ آتے ہوں پھر بھی مسلسل تلاوت کرنے سے یہ علوم منجانب اللہ دل میں آجاتے ہیں۔ اللہ کریم انہیں یہ علوم عطا کر دیتے ہیں کہ جو باقاعدگی سے تلاوت کرتے ہیں وہ: وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۔۔۔ اللہ کی اطاعت کرنے لگ جاتے ہیں، اللہ کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں۔ صلوٰۃ، عبادت کو کہتے ہیں، اطاعت کو کہتے ہیں۔ ہر اطاعت صلوٰۃ بن جاتی ہے کہ جب بھی کوئی کام اللہ کے حکم کے مطابق کیا جاتا ہے وہ عبادت شمار ہوتا ہے۔ اس اطاعت کے لیے معرفت شرط ہے۔ جتنی کسی کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوگی، جتنا کوئی عظمتِ الٰہی سے آشنا ہوگا اتنی وہ اطاعت کرے گا چونکہ جاننا شرط ہے۔

اس ضمن میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ کوئی بادشاہ شکار کے لیے نکلا تھا۔ کسی جانور کے پیچھے گھوڑا بھگاتا ہوا دور نکل گیا اور اپنے ہمرائیوں سے بچھڑ گیا۔ اس نے گرمی اور دھوپ کی تمازت سے پیاس محسوس کی تو وہاں ایک باغ نظر آیا۔ بادشاہ اس باغ میں چلا گیا چونکہ شکار کے لباس میں تھا، تیر وتفنگ لیے گھوڑے پر سوار تھا تو باغبان کو یہ پتا نہ چلا کہ وہ بادشاہ ہے۔ اس نے سمجھا کہ کوئی اللہ کا بندہ ہے، مہمان آیا ہے۔ اُس نے بادشاہ کو بٹھایا اور باغ سے ایک انار توڑ کر لایا اس کا رس نچوڑا اور گلاس بھر کر مہمان کو پیش کر دیا۔ بادشاہ انار کے ٹھنڈے میٹھے رس کو پی کر بہت خوش ہوا۔ اس نے پوچھا کہ ایک انار سے گلاس بھر گیا تمہارے باغ میں انار کے کتنے پودے ہیں اور موسم میں ہر پودے پر کتنے انار آتے ہیں۔ ان سے کتنی آمدن ہوتی ہے؟ یہ ساری تفصیل بادشاہ نے باغبان سے پوچھی۔ بادشاہ

کے دل میں خیال آیا کہ ملک میں کتنے باغ ہیں تو ان کی کتنی آمدن ہوگی، ان پر بھی ٹیکس لگنا چاہیے۔ اس کا ہمیں علم ہی نہیں ہے کہ ملک میں ایسے کتنے باغ ہیں۔

تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے باغبان سے اور رس پینے کی فرمائش کی تو وہ ایک انار توڑ لایا لیکن جب رس نچوڑا تو اس سے صرف آدھا گلاس بھر سکا۔ چنانچہ وہ ایک اور انار توڑ کر لایا اور اس کے رس سے گلاس پورا بھرا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ پہلے ایک انار سے گلاس بھر گیا تھا اب لائے ہو تو دو سے بھرا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ باغبان بھی ذہین آدمی تھا کہنے لگا، جی لگتا ہے ہمارے بادشاہ کے دل میں کوئی فتور آیا ہے۔ یہ اس کا اثر ہے۔ چونکہ باغبان نہیں جانتا تھا کہ وہ بادشاہ سے مخاطب ہے اس لیے بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ اگر اُسے معلوم ہوتا کہ یہ بادشاہ ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی؟

ہم بھی زبانی کلمہ پڑھتے رہتے ہیں ہمیں عظمتِ الٰہی کا ادراک نہیں ہوتا۔ تلاوتِ کتاب میں یہ برکت ہے کہ اس سے عظمتِ الٰہی کا ادراک ہوتا ہے۔ جب اپنی حیثیت کے مطابق کچھ سمجھ آتی ہے تو پھر بندہ پورے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے اطاعت کرتا ہے۔ کردار میں بھی اطاعت کرتا ہے اور معاملات اور کاروبار میں بھی، وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ۔۔۔ جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ 'انفاق' سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی دی نعمتوں کو خرچ کرنا۔ کسی کے پاس علم ہے، حکمت ہے، کسی کے پاس طاقت ہے، اقتدار ہے۔ کسی کے پاس اختیار ہے کسی کے پاس دولت ہے۔ جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اور وہ اُسے اللہ کے حکم کے مطابق اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی خرچ کرتا ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ فرائض اعلانیہ ہونے چاہیں، مثلاً زکوٰۃ فرض ہے تو اسے لوگوں کے سامنے دیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو کہ زکوٰۃ دینی چاہیے۔ فرماتے ہیں لیکن صدقہ چونکہ فرض نہیں ہے اُسے پوشیدہ دیا جائے، صدقہ چھپا کر کریں۔ اسی طرح فرائض لوگوں کے سامنے باجماعت ادا کریں اور نوافل اپنی تنہائی میں الگ پڑھیں یعنی جو عبادات فرض ہیں اُن کا اعلانیہ کیا جانا بہتر ہے اور جو نفل ہیں اُن کا پوشیدہ کیا جانا بہتر ہے۔

يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ فرمایا، وہ بندے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے اعلانیہ اور پوشیدہ نیکی کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ اس میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ اللہ کریم نے اسے بھی تجارت قرار دے دیا کہ بندہ جو محنت، مزدوری کرتا ہے اس پر اُسے اجر ملتا ہے۔ اس کی مزدوری انسانی ہمت اور استطاعت کے مطابق ہوتی ہے لیکن اللہ کریم جو اجر دیتے ہیں وہ اُن کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ فرمایا، یہ ایسی

تجارت ہے جس میں خسارہ نہیں، جو کبھی تباہ نہیں ہوگی کہ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ ۔۔۔ اللہ کریم انہیں اُن کی نیکی کا پورا پورا اجراور صلہ دے کر، وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۔۔۔ پھر اپنی طرف سے، اپنی شان کے مطابق مزید عطا فرمائیں گے یعنی اپنی مہربانی اور کرم سے، اپنی شان کے مطابق مزید عطا فرمائیں گے۔

إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۞ یقیناً اللہ کریم بخشنے والے ہیں کہ بندہ جب نیکی کرتا ہے تو اس میں بھی کمی اور خامیاں رہ جاتی ہیں۔ ہم جب عبادات کرتے ہیں تو اُن میں بھی قصور رہ جاتا ہے، جو خطائیں کرتے ہیں وہ اس سے الگ ہیں۔ اپنی طرف سے ہم نیکی کرتے ہیں لیکن کبھی ہماری نیت میں فتور ہوتا ہے کبھی اس کی ادائیگی سنت کے خلاف ہوجاتی ہے۔ ہماری نیکیوں میں بھی کوتاہیاں رہ جاتی ہیں۔ فرمایا، جو محنت کرتے ہیں اُن کی کوتاہیاں، اللہ کریم معاف فرمانے والے ہیں، غفور ہیں، بخشنے والے ہیں۔ اللہ کریم شکور بھی ہیں کہ جو بھی شکر کرتا ہے اطاعت کرتا ہے، اُسے قبول فرماتے ہیں۔

شکر کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو اس کا معنی 'اطاعت' ہوتا ہے۔ اس موضوع پر بڑی لمبی بحثیں ہوئیں اور بہت مضامین لکھے گئے کہ اللہ کا شکر کیا ہے اور کیسے ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس میں بے شمار آرا ہیں جن سب کو سمیٹ کر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شکر اطاعت سے ادا ہوتا ہے۔ جتنی اللہ کی اطاعت کریں گے اتنا ہی اس کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ جب شکر کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو اس کا معنی 'شکر قبول کرنے والا' ہوتا ہے۔ جب کوئی اللہ کی اطاعت کرتا ہے، شکر کرتا ہے تو اللہ اس کو قبول فرماتا ہے اور جو کمی کوتاہی رہ جاتی ہے وہ بھی معاف فرمادیتا ہے۔

قرآن، سراپا حق:

فرمایا: وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ ۔۔۔ وہی عظیم ذات ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے جو هُوَ الْحَقُّ ۔۔۔ سراپا حق ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک نقطہ، ہر بات جو بتاتی ہے، جو وعدے دیتی ہے سب حق ہے۔ اس میں کسی شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ وہ عظیم ذات ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب وحی فرمائی جو حق ہے اور اس کے حق ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۔۔۔ اس کے نزول سے پہلے جو کچھ نازل ہو چکا تھا، جتنی کتابیں، جتنے صحیفے نازل ہو چکے تھے، سب کی تصدیق فرماتی ہے۔ دین کی صداقت کی یہ بھی بہت بڑی دلیل ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاؑ پر وحی آئی، اُن میں کتابیں بھی نازل ہوئیں اور بعض انبیاؑ پر مختصر کتابچے، جنہیں 'صحیفہ' کہتے ہیں نازل ہوئے۔

اس زمانے سے لے کر آج تک اسلام کے عقائد اور نظریات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اللہ کی ذات وصفات کے بارے، آخرت کے بارے، قیامت اور جنت دوزخ کے بارے جو کچھ آدم علیہ السلام نے بتایا وہی تمام کتابوں اور صحیفوں میں آیا۔ وہی ساری بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتارہے ہیں۔ وہ ساری بات قرآن میں ہے۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تک اگر کوئی بات بناوٹی ہوتی تو کہیں کوئی فرق آتا۔ تمام شرائع میں صرف احکام میں فرق ہے اور احکام حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں لیکن خبر نہیں بدلتی۔ اس لیے کہ اگر خبر بدلے گی تو پھر دو خبریں بن جائیں گی اور دونوں سچ نہیں ہوتیں۔ ایک کے بارے خبر آتی ہے کہ وہ سفید ہے پھر خبر آتی ہے کہ وہ سرخ ہے تو حقیقت تو ایک ہی ہوگی یا سفید سچ ہوگا یا سرخ سچ ہوگا، دونوں سچ نہیں ہوسکتیں۔ جب کہ حکم وقت کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ ایک صحتمند کے لیے حکم اور ہے اور وہی حکم بیمار کے لیے اور ہے۔ نماز میں قیام یعنی کھڑے ہونا فرض ہے لیکن اگر کوئی بیمار ہے کھڑا نہیں ہوسکتا اس کے لیے فرض نہیں ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ رکوع سجود فرض ہیں۔ سجدے میں زمین پر سر رکھنا فرض ہے لیکن جو بیمار ہے سجدے میں نہیں جاسکتا وہ اشارے سے کرلیتا ہے۔ احکام تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن خبر تبدیل نہیں ہوتی۔ جو خبر، جو عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک، تمام انبیاؑ ورسلؑ نے تمام پہلی کتابوں اور صحیفوں میں بتایا تھا وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرمارہے ہیں۔ یہ بھی اس کے حق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے کہ صدیوں کے سفر اس میں تبدیلی نہیں کرسکتے کہ یہ حق ہے اور حق بدلتا نہیں ہے۔

دین کی اساس:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ اور یقیناً ہر بندے کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اللہ کریم اپنے تمام بندوں کی پوری پوری خبر رکھنے والے بھی ہیں اور سب کو دیکھنے والے بھی ہیں۔ ہر بندے کے ہر حال سے ہمہ وقت وہ خود مطلع ہیں اور ہر بندہ ہمہ وقت اُن کی نگاہ میں ہے۔ یہی دین کی اساس ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بندے کو اللہ کے روبرو کھڑا کردیا۔ عالم، استاد، شیخ یا پیر کا معاملہ بھی یہ ہے کہ بندے کو اللہ کے روبرو کردے۔ لوگوں کو اپنی اطاعت یا پوجا پر نہ لگایا جائے۔ کوئی بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر لوگوں کو اپنے پیچھے نہ لگالے بلکہ شیخ وہ ہے، عالم وہ ہے، مولوی وہ ہے جو اپنے پاس آنے والوں کو اللہ کے روبرو کھڑا کردے، انہیں عظمتِ الٰہی سے آشنا کردے۔

کتاب کے وارث:

فرمایا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔۔۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے اُن بندوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے لوگوں میں سے چُن لیا۔ ہم نے کتاب کے وارث بنا دیے: الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔۔۔ اپنی مخلوق میں سے جن کو منتخب کر لیا، جن پر نظرِ کرم ہے، جن پر ہمارا احسان ہے، انہیں ہم نے توفیق دی ہے کہ وہ رات دن کتاب پڑھتے بھی ہے، سمجھتے بھی ہیں سمجھاتے بھی ہیں۔ وہ کتاب کے وارث بن گئے۔

وارث کون ہوتا ہے؟ جس کو باپ دادا کی یا پہلوں کی وراثت یا کمائی منتقل ہوتی ہے اور پھر وہ اُسے سنبھالتا ہے۔ کچھ وارث ایسے ہوتے ہیں جو اس وراثت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اُسے عیاشی میں اڑا دیتے ہیں، جوئے اور شراب کی نذر کر دیتے ہیں۔ وہ وارث کہلانے کے حقدار نہیں۔ انہیں وارث کہنا صحیح نہیں۔

وارث تو وہ ہے جو وراثت کو سنبھالتا ہے، اس میں محنت کرتا ہے اسے سنوارتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ فرمایا، ہم نے کتاب کا وارث اُن بندوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنی مخلوق میں سے چُن لیا۔ گویا، اللہ کریم جس سے راضی ہوتے ہیں اُسے تلاوتِ قرآن کی توفیق ارزاں کر دیتے ہیں۔ جو تلاوتِ قرآن کرتا ہے اُسے ایک کیفیت دیتے ہیں کہ اسے سمجھ بھی آجاتی ہے اور توفیقِ عمل بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے اور یہ اللہ کے برگزیدہ بندے کرتے ہیں۔

یہ کتنی عظیم بات ہے لیکن آج ہمارا حال تو یہ ہے، ہماری بدقسمتی کہ ہمارے پاس قرآن پڑھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ ہمیں وقت ہی نہیں ملتا کہ اس کا ترجمہ پڑھتے، تفسیر پڑھتے اسے سمجھتے۔ ہمیں کام ہی اتنے ہیں کہ قرآن کھولنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ پھر میرے بندوں میں بھی تین طرح کے لوگ ہیں: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔۔۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ ہر گناہ اپنے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ بندے قرآن بھی پڑھتے ہیں، عبادت بھی کرتے ہیں لیکن غلطیاں بھی بہت کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں، بڑی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ کبھی نماز چھوڑ دی، کبھی جھوٹ بول لیا، کبھی ناجائز کھا لیا کبھی کسی کا شکوہ اور غیبت کر لی۔ یہ اپنے آپ پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ۔۔۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو میانہ رو ہیں۔ ان سے غلطی بھی ہو جاتی ہے پھر نیکی

بھی کر لیتے ہیں۔ یہ ایک طبقہ 'مقتصد' میانہ رو ہے ان سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور نیکیاں بھی کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ۔۔۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جسے اللہ کریم توفیق دیتے ہیں اور وہ نیکی میں سبقت لے جاتا ہے۔ یہ لوگ جو نیکی میں بہت آگے ترقی کر جاتے ہیں، یہ جو خوش قسمت لوگ ہیں، اس میں کسی کا کمال نہیں بلکہ یہ سب توفیقِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ انہیں اللہ کریم نیکی کی توفیق دیتے ہیں۔ اس لیے کبھی نیکی پر بھی نازاں نہیں ہونا چاہیے۔ کبھی خود کو پارسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ نیکی اللہ کی توفیق سے کی جاتی ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ یہ بہت بڑا احسان ہے اللہ کریم کا اپنے بندوں پر کہ وہ نیکی کی توفیق دے دے اور بندہ نیکی میں سبقت حاصل کر جائے۔ یہ بہت بڑا فضل اور انعام ہے۔

فرمایا، لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ مسلسل گناہ کرتے ہیں لیکن کلمہ بھی پڑھتے ہیں، ایمان پہ بھی جمے رہتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو غلطیاں بھی کرتے ہیں نیکیاں بھی کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو نیکی میں بہت آگے نکل جاتے ہیں اللہ کریم انہیں توفیق دے دیتے ہیں اور یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ بہر حال تینوں طبقوں کو اللہ نے اپنے بندے کہا ہے۔ علما کا ارشاد ہے کہ اگر بندہ اپنا ایمان ساتھ لے کر جائے، دنیا میں مرتد ہو کر نہ مرے تو خواہ کتنی مصیبتوں کے بعد جائے بالآخر جنت ضرور جائے گا۔ عین ممکن ہے اللہ کریم معاف کر دیں اور بغیر سزا کے ہی جنت چلا جائے اور ہو سکتا ہے سزا بھگتنے کے لیے جہنم جانا پڑے، کچھ عرصہ وہاں رہنا پڑے لیکن پھر شفاعت سے نکال لیا جائے گا۔ البتہ ایک فیصلہ اللہ نے سنا دیا ہے کہ جو اُس کے ساتھ شرک کرے گا اُسے نہیں بخشے گا۔ جس کا خاتمہ کفر یا شرک پر ہوا اس کے لیے بخشش نہیں ہے لیکن اگر کوئی رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ساتھ لے گیا تو ایمان اتنی بڑی دولت ہے کہ بالآخر اُسے جنت لے جائے گی۔ اللہ قبول فرمالے اور خطائیں معاف کر دے تو بیشمار لوگ اللہ کے کرم سے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے، اہل اللہ، اساتذہ اور علمائے حق کی، شہدا اور بچوں کی شفاعت سے جنت جائیں گے۔ جن کے شیر خوار بچے فوت ہو جاتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنے والدین سے چمٹ جائیں گے تو اللہ کریم والدین کو بھی بخش دیں گے۔ مومن کی بخشش کے بے شمار ذرائع ہیں لیکن اس سب کے باوجود بھی اگر کسی کو سزا بھگتنی پڑی تو بھی اس کی سزا ختم ہو جائے گی اور وہ بالآخر جنت پہنچ جائے گا۔ ایمان ایسی عظیم دولت ہے اور اس کی بہت حفاظت کرنی چاہیے۔ اگر حرام کا لقمہ کھا لیا تو وہ جسمانی صحت سے پہلے روحانی صحت تباہ کرے گا۔ ایمان کے لیے وہ ایک بیماری بن جاتا ہے۔ جب روح بیمار ہوتی ہے تو ایمان کے رخصت ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایمان کا رخصت ہو جانا روح کی موت ہے۔

فرمایا، لوگ ایمان کے ساتھ گناہ بھی کرتے ہیں کلمہ بھی پڑھتے ہیں، بعض میانہ رو بھی ہیں جو نیکیاں بھی کرتے ہیں، غلطیاں بھی کرتے ہیں اور بعض اللہ کے فضل سے نیکیوں میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ یہ سب جنت میں جائیں گے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا۔۔۔ ہمیشہ رہنے والی جنت، ہمیشہ رہنے والے باغوں میں جائیں گے۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا۔۔۔ وہاں اُن کی عجیب وغریب مدارات ہوں گی انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ وہ موتی وجواہرات پہنے ہوئے ہوں گے: وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ اور اُن کے لیے جنت کے ریشم سے بنائے گئے لباس ہوں گے۔ دنیا کے ریشم سے نہیں بلکہ جنت کا جو ریشم ہوگا اس سے ان کے لیے لباس بنائے جائیں گے۔

اہلِ جنت کا اظہار تشکر:

فرمایا: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔۔۔ وہ کہیں گے اللہ کا بہت شکر ہے جس نے ہمارے سارے دکھ دور کر دیے، سارے غم دور کر دیے۔ دنیا میں دولت ہوتی تھی تو صحت نہیں رہتی تھی۔ صحت ہوتی تھی تو کوئی اور پریشانی آجاتی تھی۔ وہاں کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی تھکاوٹ اور کل کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اللہ نے ہم پر کتنا احسان فرمایا کہ اب کوئی دکھ نہیں رہا۔ اب بڑھاپا آنا ہے نہ کوئی بیماری آنی ہے، سردی کی تکلیف ہے نہ گرمی کی پریشانی ہے۔ اب کمانے کا تکلف ہے نہ کل کی فکر ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے ہر طرح کے غم اور فکر کو ہم سے دور کر دیا ہے۔ دنیا اپنی تمام تر آسانیوں کے ساتھ مشکلات رکھتی ہے جس طرح ایک پھول ہو تو اس کے ساتھ سینکڑوں کانٹے ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں ایک نعمت کے ساتھ بہت سی فکریں، غم اور دکھ ہوتے ہیں۔ یہاں جوانی کے ساتھ بڑھاپا ہے۔ دن کی روشنی ہے تو رات کی تاریکی بھی ہے۔ دن میں کام کاج ہے تو رات میں آرام بھی کرنا ہے۔ اگر پیٹ بھر کے کھالیا تو اگلے وقت پھر بھوک بھی ہے۔ لوگوں کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ دعا کریں میں بھی سلامت رہوں، بچے بھی سلامت رہیں، صحت بھی ٹھیک رہے، روزی کی فکر بھی نہ رہے۔ اکثر ایسے خطوط اور ای میل آتی ہیں۔ اُن کے مطالبے جنت کا منظر پیش کر دیتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ دنیا میں تو جنت نہیں ہے۔ دنیا تو دنیا ہے، یہاں تو دکھ ہیں۔ یہاں جس طرح صبح شام ہیں، اسی طرح دکھ سکھ ملے جلے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو اتنا ہی آرام کرنا ہے تو پھر جنت جائیں، اس کی تیاری کریں۔

آخرت دائمی ہے، ابدی ہے اور بہت طاقتور ہے جبکہ دنیا وقتی ہے، محدود مدت کے لیے ہے، کمزور ہے لہٰذا

کمزور پر طاقتور کا اثر رہتا ہے جو آخرت کی تیاری کے لیے محنت کرتا ہے اس کے لیے جنت میں باغات ومحلات بنتے ہیں تو دنیا میں اس کا اثر اس کے دل پر آتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دکھ اور تکلیف میں بھی خوش باش رہتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ وہ تکلیف سے نجات تو پانا چاہتا ہے لیکن اس کوشش میں بھی اطاعتِ الٰہی کی حدود سے باہر نہیں جاتا۔ وہ اللہ ہی سے اُمیدِ کرم رکھتا ہے، اُس کا دل دکھی نہیں ہوتا اور آخرت کی تیاری کا یہ بہت بڑا فائدہ ہے کہ یہ جنت کا پرتو ہے کیونکہ جنت میں کوئی دکھ نہیں ہے۔ اگر کوئی جرم یا کفر کرتا ہے تو اس کے لیے جہنم بھڑکتی ہے اور دنیا میں اس کی زندگی بھی جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اس کے دل میں بھی جہنم دہکتی ہے، اس کے دماغ میں بھی جہنم دہکتی ہے۔

اہلِ جنت کہیں گے ساری تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے ہر طرح کا دکھ دور کر دیا۔ یہاں کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ یقیناً ہمارا پروردگار بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا قدردان ہے۔

ہم نے ٹوٹی پھوٹی نیکیاں کیں اپنی حیثیت سے بھی کم تر اور گناہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر کیے۔ اس نے گناہ بھی معاف فرما دیے اور ہماری ٹوٹی پھوٹی نیکیوں پر اجر اپنی شان کے مطابق دیا اور ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہاں کوئی فکر ہے ہی نہیں: الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۔۔۔ جس نے ہمیں اپنی مہربانی سے ایسے گھر میں پہنچا دیا جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، دَارَ الْمُقَامَةِ ۔۔۔ جس میں کبھی کوئی تبدیلی، کوئی غم، فکر نہیں ہوگا۔ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے محلات و باغات اور نعمتیں ہیں اور ہمیشہ کی موج ہے۔ یہ ایسی جگہ ہے: لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ جہاں ہمیں کوئی رنج ہوگا نہ فکر اور کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ ہوگی۔ ایسی جگہ پر اللہ نے ہمیں پہنچا دیا ہے جس میں کوئی فکر ہے نہ غم ہے، کوئی مشقت ہے نہ تھکاوٹ ہے۔ وَلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ ہم جنت میں تھکیں گے نہیں۔

جنت میں بھلا کیا تھکنا ہے، وہاں کسی نے کمائی کرنی ہے؟ وہاں کوئی محنت یا مشقت کرنی ہے، کھیتی باڑی کرنی ہے؟ وہاں تو بیٹھے بٹھائے گھر بار، رزق، لباس ہر نعمت ملنی ہے پھر تھکنا کیسا؟ دراصل انسان عجیب ہے یہ یکسانیت سے بھی تھک جاتا ہے۔ کسی کو قیمتی سے قیمتی لباس اور غذا دیتے رہیں لیکن روزانہ ایک جیسا ہی دیں تو وہ ہفتہ بھر بعد کہے گا کہ تم نے کیا مجھے قیدی بنا دیا ہے کہ صبح شام ایک جیسا کھانا اور لباس ہے۔

انسان عجیب ہے یہ نعمت اور آرام سے بھی تھک جاتا ہے۔ فرمایا، جنت میں لباس اور غذا میں بھی، راحتوں اور آرام میں بھی ترقی ہوتی رہے گی لہٰذا انسان تھکے گا نہیں، تنگ نہیں آئے گا کہ یہ کیا یک رنگی ہے۔ ہر لحظہ ہر آن نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

کفر کا انجام:

دوسری طرف اسی دارِ دنیا میں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔جس نے اپنے لیے انکار کا راستہ چُنا کہ انسان کو اختیار دیا گیا تھا۔ جس نے اللہ کی عظمت کا اقرار نہیں کیا، خشیتِ الٰہی کو دل میں جگہ نہیں دی، اللہ کی کتاب پر غور نہیں کیا نہ ہی تعلیماتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر غور کیا، انہیں سوچنے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ساری زندگی جن لوگوں نے انکار اور کفر کو ہی اپنا شعار بنائے رکھا: لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ۔۔۔ایسے لوگوں کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور یہ انہوں نے خود اپنی پسند سے اختیار کی۔ اُن کے عقائد ونظریات اور اعمال وکردار ایسے تھے کہ اس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے۔ اس میں بے پناہ تیز آگ اور عذاب ہیں اور دوزخ کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ: لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا۔۔۔دوزخ میں ان پر قضا آئے گی ہی نہیں کہ قضا آتی اور مر جاتے تو جان چھوٹ جاتی۔ انہیں دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا پڑے گا۔ دوسری مصیبت یہ ہے: وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا۔۔۔کہ دوزخ کے عذاب کم نہیں کیے جائیں گے: كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۞ ہم ہر کفر کرنے والے کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی دوزخ کے عذاب بڑھ تو سکتے ہیں کم نہیں ہوں گے۔ کسی کافر کا عذاب کم نہیں ہوگا اور فرمایا کافروں کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے۔

کفار کا واویلا:

فرمایا: وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا۔۔۔کافر دوزخ میں بہت چیخیں گے چلائیں گے۔ دنیا میں تو انہیں اللہ کی عظمت کا اقرار نصیب نہ ہوا، انبیاؑ پر ایمان نہ لائے اور اللہ کو مان کر نہ دیا لیکن دوزخ میں کہیں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔۔۔وہاں چلائیں گے، اے ہمارے پروردگار، ہمیں دوزخ سے نکال دے، پھر سے دنیا میں بھیج دے، دیکھ پھر ہم کتنی نیکیاں کرتے ہیں۔ اے ہمارے ربّ ہمیں ایک موقع اور دے دے۔ انہیں تب سمجھ آجائے گی کہ اللہ ہی پروردگار ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ وہی خالق ہے، مالک ہے اور وہی رازق ہے، وہی سب کو روزی دینے والا ہے۔ سب کچھ اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ یہ بات کافر جہنم میں جا کر مانیں گے: يَصْطَرِخُوْنَ۔۔۔چیخ چیخ کر کہیں گے: رَبَّنَآ۔۔۔اے ہمارے پروردگار: اَخْرِجْنَا۔۔۔ہمیں یہاں سے نکال دے، پھر دنیا میں بھیج کر عمل کی فرصت دے: نَعْمَلْ صَالِحًا۔۔۔تو دیکھنا ہم کتنی نیکیاں کرتے ہیں، کس اچھی طرح زندگی گزارتے ہیں: غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ۔۔۔ہم جو پہلے کرتے تھے وہ سب کرتوت چھوڑ دیں گے۔ ہم باپ دادا کی پیروی کریں گے نہ کسی رسم ورواج کی، صرف تیری اور تیرے نبیؐ کی اطاعت میں زندگی بسر کر دیں

گے۔ہم مثالی اطاعت کریں گے۔

یہ زندگی بار بار نہیں ملتی:

فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ ۔۔۔کیا ہم نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی جو تم آج مانگ رہے ہو؟ زندگی تو تمہیں بغیر مانگے دے چکا ہوں۔ یہ بار بار نہیں ملا کرتی۔ تمہیں تو زندگی کا شعور بھی نہیں تھا۔تم تو عدم میں تھے تمہارا وجود بھی نہیں تھا۔ہم نے تمہارے لیے عالمِ رنگ و بُو کو سجا دیا: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ:29) روئے زمین پر جتنی مخلوق تھی، تمہاری خدمت کے لیے پیدا کر دی اور تمام سیارے، ستارے اس مخلوق کی خدمت کے لیے بنا دیے۔تمام سیارگان کی توجہ کا مرکز زمین ہے۔ان کے اثرات سے زمین پر تبدیلیاں ہوتی ہیں، روئیدگی ہوتی ہے۔ پھل اور پھول اُگتے ہیں، دھاتیں بنتی ہیں جو انسان استعمال کرتا ہے۔فرمایا، ہم نے تمہیں اتنی عظمت دی کہ ساری کائنات کو تمہاری خدمت پہ لگا دیا۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ ۔۔۔کیا میں نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی؟ عمر نہیں دی تھی جو بسر کر کے آئے ہو؟ تمہیں دوزخ میں آ کر سمجھ آئی کہ میں ہی تمہارا ربّ ہوں۔اب کہتے ہو: رَبَّنَآ ۔۔۔اور کہتے ہو ہمیں عمر دے، زندگی دے، فرصت دے، ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج تو دیکھ ہم کتنی اطاعت کرتے ہیں۔اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۔۔۔کیا میں نے تمہیں زندگی نہیں دی تھی؟ میں نے تمہیں وجود دیا، حیات بھی دی اور تمہارے پاس انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے جو برکات کا خزانہ تھے۔اُنؑ پر کتابیں نازل کیں، اپنے ارشادات تمہاری طرف بھیجے۔کاش تم نے انؑ کو ایمان کی نظر سے دیکھا ہوتا تو تم دنیا کے بلند ترین مقام کو پالیتے۔انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام، ایسے مبارک وجود تمہارے طرف بھیجے کہ جنہیں دیکھنے سے بھی آدمی کا کردار سدھر جائے۔نبیؑ کی شان یہ ہوتی ہے کہ ایمان کی ایک نظر نبیؑ کے وجودِ عالی پر پڑ جائے تو بندہ صحابی ہو جاتا ہے۔عظمتِ انبیاؑ یہ ہے کہ نبیؑ کی ایک نظر مومن پر پڑ جائے تو اُسے صحابیت کے درجے پر فائز کر دیتی ہے لیکن تم نے اُنؑ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔تم نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔اپنی آنکھیں اور کان بند کر لیے۔اب کہتے ہو ہمیں واپس بھیج دے۔کیا تمہیں زندگی دی نہیں تھی؟ جس کو سمجھنا ہوتا وہ اُس میں سمجھ سکتا تھا کہ ہدایت دور تو نہیں تھی اور تمہارے پاس تو ایسے انبیاؑ آئے تھے جنہوں نے تمہارے عقیدے اور کردار کا یہ نتیجہ تمہیں دنیا میں بتا دیا تھا۔انہوں نے بتایا تھا کہ اگر کفر کرو گے تو دوزخ میں جانا ہوگا، گناہ کرو گے تو عذاب ہوگا سزا پاؤ گے۔ تمہارے پاس برائی کے انجام سے بروقت خبردار کرنے والے آئے نہیں تھے؟ تم نے اُن کی بات ہی نہیں سُنی

حالانکہ وہ ایسے تھے کہ جنہیں سننے سے نورِ ایمان نصیب ہوجائے، جن کی اطاعت سے قربِ الٰہی نصیب ہوجائے لیکن تم نے اُنؐ کی بات ہی نہیں مانی۔ اگر تم چاہتے تو تم بھی نصیحت قبول کر سکتے تھے: فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ اب جو کما کر لائے ہو، وہ کھاؤ، چکھو، جو کیا ہے وہ بھگتو، اب موج کرو۔ جو عقیدہ اور عمل تھا اس کے مطابق رہو، اپنا کیا بھگتو۔ ظلم کرنے والوں کی کوئی مدد کرنے والا نہیں، اُن کا کوئی معاون نہیں۔ اُن کی مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ کی نافرمانی گناہ ہے اور ہر گناہ اپنے آپ کے ساتھ ظلم ہے۔ کبیرہ اور صغیرہ ہونا الگ بات ہے لیکن ہر گناہ ظلم ہے، چھوٹا گناہ بھی ظلم ہے اور بڑا گناہ بھی ظلم ہے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ اگر کشتی میں چٹان گرائی جائے تو وہ فوراً ڈوب جائے گی لیکن اگر چھوٹے چھوٹے کنکر بھی رکھتے جائیں تو ایک دن اتنا بوجھ بن جائے گا کہ وہ ڈوب جائے گی۔ ہر گناہ ظلم ہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور چھوٹے مل کر بھی بڑا بن جاتا ہے: فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ اور ظلم کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

سورۃ فاطر رکوع 5 آیات 38 تا 45

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾
هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ
الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ
إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ
أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۖ أَمْ آتَيْنَاهُمْ
كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا
غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ
أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ
جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ
السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ
الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾
أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي
السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ
النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ

اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کے جاننے والے ہیں۔ بے شک وہی دل کی باتوں کے جاننے والے ہیں ﴿۳۸﴾ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آباد فرمایا سو جو کفر کرے گا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضگی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لیے ان کا کفر نقصان بڑھانے کے لیے ہی ہوتا ہے ﴿۳۹﴾ فرما دیجیے تم نے اپنے (ان) شریکوں کو دیکھا جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا جز بنایا ہے یا ان کی آسمانوں (کو بنانے) میں کچھ شرکت ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب عطا کی ہے کہ وہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو جو وعدہ دیتے ہیں محض فریب ہے ﴿۴۰﴾ بے شک اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہیں کہ (موجودہ حالت سے) ٹل نہ جائیں اور اگر (بالفرض) وہ (موجودہ حالت کو) چھوڑ دیں تو اُس (اللہ) کے سوا کوئی ان دونوں کو تھام نہیں سکتا بے شک وہ بردبار (اور) بخشنے والے ہیں ﴿۴۱﴾ اور یہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے ولاا آئے تو وہ ضرور ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں پھر جب ان کے پاس ایک ڈرانے والے (پیغمبر) آپہنچے تو ان کی نفرت ہی بڑھی ﴿۴۲﴾ (انہوں نے) ملک میں تکبر کرنا اور بُری چالیں چلنا (اختیار کیا) اور بُری چال کا وبال صرف اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے پس یہ اگلے لوگوں کی روش کے سوا کسی چیز کے منتظر نہیں سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تبدیلی نہ دیکھیں گے ﴿۴۳﴾ کیا یہ زمین میں پھرتے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیا انجام ہوا حالانکہ وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور اللہ ایسے نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز ان کو عاجز کر سکے بے شک وہ علم والے قدرت والے ہیں ﴿۴۴﴾ اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) گرفت

کرنے لگتے تو روئے زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتے ولیکن وہ ان کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دیے جا رہے ہیں سو جب ان کا وقت مقررہ آ پہنچے گا تو بے شک اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ رہے ہیں ﴿۴۵﴾

تفسیر و معارف

اللہ کا علم حضوری ہے:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ تمہیں یہ شبہ نہ رہے کہ کسی نے تمہاری شکایت کر دی یا کسی کے کہنے پر تمہیں عذاب ہو رہا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ حاضر اور پوشیدہ، زمینوں اور آسمانوں کی ساری حقیقتوں کو خود جانتے ہیں۔ جن کو تم غیب سمجھتے ہو اللہ اُسے بھی جانتے ہیں، جسے تم حاضر سمجھتے ہو اسے بھی جانتے ہیں۔ اللہ کا علم حضوری ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہے، کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس کے علم میں کوئی ماضی، مستقبل نہیں ہے بلکہ ہر شئے ہمہ وقت اس کے روبرو حاضر ہے۔ وہ زمینوں آسمانوں کے چھپے بھیدوں کو بھی جانتے ہیں اور یقیناً دلوں میں آنے والے خیالات سے بھی واقف ہیں جو شبہ دل پر گزر جاتا ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے۔ کسی بات کا جو ہلکا سا شائبہ بھی دل سے گزر جاتا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ چنانچہ یہ جان لو کہ کسی نے تمہاری چغلخوری نہیں کی اللہ نے اپنے علم سے یہ فیصلہ کیا ہے کیونکہ یہی تمہارے کرتوت تھے۔ سو تم کسی پہ شکایت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کے ساتھ شکوہ کرو۔

خلافتِ ارضی:

فرمایا: وَالَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ وہ ذات ایسی کریم ہے جس نے بنی بنائی دنیا تمہیں عطا کی۔ تم نے سورج بنایا نہ چاند بنایا، دن بنایا نہ رات بنائی۔ تم نے ہوائیں چلائیں نہ بارش برسائی، تمہیں تو خلافت ملی، وراثت میں دنیا مل گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بنی بنائی ملی اور بعد میں آنے والوں کو، تم ساروں کو تو وراثت میں، خلافت میں مل گئی۔ اس دنیا میں اللہ نے تمہارے لیے بے پناہ نعمتیں بے پناہ انعامات، اتنی لذتیں، رنگینیاں، موسم اور لطف و مٹھاس رکھ دیے۔

'خلیفہ' کہتے ہیں جسے بنی بنائی چیز نیابت میں مل جائے۔ فرمایا، تمہیں تو خوبصورت، حسین اور پُرلطف دنیا، جوان اور رعنا دنیا نیابت میں مل گئی۔ اس میں بادِ سحر چل رہی ہے، بارشیں برس رہی ہیں، فصلیں اُگ رہی ہیں، پھول

کھل رہے ہیں پرندے چہچہا رہے ہیں۔ یہ ساری نعمتیں تمہیں مل گئیں لیکن تمہیں احسان بھول گئے۔

کفر کا نقصان، کافر کو ہی ہوتا ہے:

فرمایا: فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ۔۔۔ اتنی نعمتیں لے کر بھی تم نے انکار کر دیا، کفر کیا! جس نے انکار کیا، اُس پر اپنے کفر کا وبال تو پڑے گا، اللہ تو ان پر زیادتی نہیں کر رہا ہے۔ جو کفر کرے گا اس کا کفر اسی پر لوٹے گا۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ کفر کوئی کرے اور سزا کوئی اور بھگتے، گناہ کوئی کرے اور سزا کسی اور کو دی جائے، ایسا نہیں ہوگا۔ جو کرے گا وہ بھرے گا۔

فرمایا، جو نیکی کرے گا اُس کو نیکی کا اجر دے کر اپنی طرف سے مزید انعامات عطا کیے جائیں گے لیکن جو ناشکری کرے گا، کفر کرے گا یا گناہ کرے گا، اُسے صرف اس گناہ کی سزا دی جائے گی، زیادتی نہیں کی جائے گی لیکن گناہ اللہ کی نافرمانی ہے اور وہ ذات بہت عظیم ہے۔ اس کی نافرمانی بہت بڑی جسارت ہے: وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا۔۔۔ اور کافروں کا کفر اللہ کے نزدیک اُس کی ناراضگی کو بڑھانے والا ہے۔ جو کفر کرتے ہیں وہ کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ رہے، جو گناہ کرتے ہیں وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے بلکہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ ہر گناہ، ہر برائی، ہر ناشکری، ہر کفر اللہ کی ناراضگی میں اضافے کا سبب ہے۔ کفر اور گناہ کرنے والے سے اللہ کی ناراضگی بڑھتی ہے۔

وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ اور کافروں کا کفر اُن کے لیے مزید نقصان کا باعث ہی بن رہا ہے، کچھ اور نہیں کر رہا۔

یہ دنیا کے نفع نقصان، صحت و بیماری، دکھ اور غم، یہ دنیا کے اکھاڑے سب وقتی کیفیات ہیں، ختم ہو جائیں گی۔ جو مر جاتا ہے اس کے ساتھ دنیا کا کون سا غم جاتا ہے اور کون سی دنیا کی خوشی جاتی ہے؟ کیا اس کی اولاد اور بیٹے اس کے ساتھ جاتے ہیں؟ کیا اس کی محبوب بیویاں اس کے ساتھ جاتی ہیں؟ کیا اس کا مال و دولت اس کے ساتھ جاتا ہے؟ کچھ بھی نہیں کہ یہ وقتی طور پر ہے، ختم ہو جائے گا لیکن جو کردار ہے وہ ساتھ جاتا ہے۔ اگر اس کا عقیدہ درست تھا اور اس نے نیک کام کیے تو وہ کردار اس کے ساتھ جاتا ہے۔ وہاں بھی وہ معزز ہے معتبر ہے۔ اس کی قبر روشن ہے اس پر جنت کے انعامات ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس نے کفر کیا تو اپنے ساتھ کفر لے کر جائے گا، گناہ کیے ہیں تو گناہ لے کر جائے گا اور ہر گناہ اللہ کی ناراضگی کو مزید بڑھاتا ہے جو کافروں کے نقصان اور خسارے میں اضافہ کرتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں کسی کا کفر دوسرے انسان کے لیے باعثِ تکلیف یا نقصان دہ نہیں ہوتا البتہ اس کے

اپنے لیے خسارے اور تباہی کا سبب بنتا ہے۔

خالق صرف اللہ ہے:

ارشادِ باری ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔جن لوگوں کو اللہ کا شریک سمجھ کر مشرکین پکارتے ہیں، جنہیں اللہ کے علاوہ حاجت روا سمجھتے ہیں اور مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ ذرا یہ تو بتائیں، یہ دکھائیں تو سہی: مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ۔۔۔کوئی ایسی چیز دکھاؤ جو زمین میں انہوں نے تخلیق کی ہو۔ دنیا کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ کیا وہ زمین کے اجزا عدم سے وجود میں لائے؟ کیا زمین کے اجزا سے کوئی روئیدگی لائے؟ کوئی پودا، کوئی درخت، کوئی جانور، پرندہ، کوئی انسان، انہوں نے پیدا کیا ہے؟ کائنات میں کوئی تخلیق ان کی بھی ہے کہ جس میں اللہ کا حصہ نہ ہو، خود انہوں نے تخلیق کر لیا ہو؟ کیا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے یا آسمانوں کے نظام میں ان کا حصہ ہے کہ وہ کیسے چل رہا ہے؟ وہاں کی مخلوق کیسی ہے، کتنی قسم کی ہے، اُن کے قد کاٹھ کیا ہیں، رنگ کیا ہیں، وہ کیسے جیتی ہے، کیا کھاتی پیتی ہے، اُن کا سونے جاگنے کا نظام کیا ہے، عمریں کیا ہیں۔ وہاں کے موسم کیسے ہیں، آب و ہوا کیسی ہے۔ کیا اس میں کسی کا کوئی حصہ ہے؟ فرمایا، جنہیں اللہ کے علاوہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے پکارتے ہو ان میں سے کسی نے زمین میں کچھ تخلیق کیا ہے یا ان کی کوئی شراکت آسمان میں ہے؟

اگر وہ زمین میں بھی کچھ پیدا نہیں کر سکے، آسمان میں بھی اُن کی کوئی حصہ داری نہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں: اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ۔۔۔کیا ہم نے اُن کو ایسی کوئی کتاب دی ہے کہ جس میں بتا دیا ہے کہ یہ ہستیاں یہ کام کریں گی یا ان کو بعض امور پر اختیار دیا گیا ہے؟ پھر بھی ان لوگوں کے پاس کوئی سند ہو جاتی غیر اللہ کو پکارنے کی، اُن سے امیدیں وابستہ کرنے کی۔ اگر یہ تینوں باتیں نہیں ہیں تو پھر انسان کو غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا زیبا نہیں ہے۔ اُسے چاہیے کہ اپنے خالق اور واحد ولاشریک مالک سے ہی امیدیں وابستہ کرے۔

ایک بات ضمناً عرض ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ عام ہے کہ اگر کوئی کتاب لکھے یا شعر موضوع کر دے تو اُسے کتاب کا خالق یا شعر کا خالق کہہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کچھ ایجاد کرے تو وہ بھی خالق کہلواتا ہے۔ یاد رہے کہ خالق وہ ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود دے۔ تخلیق یہ ہے کہ وجود نہیں تھا، محض عدم تھا، اُسے وجود دیا جائے۔ جو چیزیں اللہ نے پیدا کر دیں، انہیں جوڑ کر نئی چیزیں بنانے والا موجد ہوتا ہے، خالق نہیں ہے۔ لوگوں کو خالق کہلوانے کا بڑا شوق ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔

فرمایا: اِنۡ یَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا۞ یہ ایسے جاہل ہیں کہ ایک دوسرے سے جھوٹے وعدے کرتے رہتے ہیں۔ان کے پیشوا جو ہیں وہ کہتے ہیں یہ کرو، یہ ہو جائے گا حالانکہ خود انہیں بھی پتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اسلام اور ادیانِ باطلہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام سارے کمالات سارے اختیارات اللہ جل شانہ کی واحد ذات میں مانتا ہے۔اسلام اس عالمِ آب وگل سے زیادہ اُس عالمِ آخرت کو ترجیح دیتا ہے جو دائمی ہے۔اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دنیا کی نعمتیں اس انداز میں حاصل کی جائیں جس سے آخرت میں نقصان نہ ہو۔ادیانِ باطلہ میں عظمتِ الٰہی کا کوئی CONCEPT ہے نہ آخرت کا تصور ہے لہٰذا وہ جو کچھ کرتے ہیں صرف دنیا کے لیے کرتے ہیں۔جو رسومات انہوں نے عبادات کے نام پر بنا رکھی ہیں وہ ایسی ہیں جن کا حاصل دنیا ہی ہے۔یہ رسم ادا کرو تو صحت ٹھیک ہو جائے گی یہ رسم ادا کرو تو اولاد ہو جائے گی۔فلاں بت کی پوجا کرو تو نوکری مل جائے گی۔جو لوگ جنگلوں میں تہذیب سے نا آشنا ہیں حتیٰ کہ انہیں لباس پہننے کا بھی شعور نہیں ہے وہ بھی مذہب کے نام پر کچھ رسومات اپنائے ہوئے ہیں۔جتنے باطل مذاہب ہیں ان میں عبادات کا حاصل دنیا کی چیزوں کا حصول ہے۔کفر اس دنیا میں خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتا ہے جبکہ اسلام زندگی کو اطاعتِ الٰہی میں ڈھالنے، آخرت کی کامیابی اور روح کی تقویت کے لیے مصروف رہتا ہے۔

ہماری آج کی مصیبت بھی یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی، کم وبیش اکثریت نے دنیا کو اپنا مقصد بنالیا ہے۔وہ دنیا کے لیے عبادات اور وظائف کرتے ہیں، چلّے کاٹتے ہیں کہ دنیا مل جائے۔مسلمانوں میں بھی ویسی رسومات در آئی ہیں۔ٹی وی پر ایک مذہبی چینل پر کچھ لوگ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کسی گیارھویں کی بات کر رہے تھے اور اس میں لہک لہک کر پڑھ رہے تھے" یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دور کردے میری پریشانی" یہ پتا نہیں انہوں نے کہاں سے ایجاد کر لی ہیں گیارھویاں!

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتب کا جتنا بھی مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ اس معاملے میں بہت سخت ہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی کو پکارا جائے کسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔وہ ساری زندگی لوگوں کو یہی تعلیم دیتے رہے اور کتنی عجیب بات ہے کہ اب لوگوں نے اُنہیں ہی حاجت روا بنالیا ہے۔لوگوں نے اوٹ پٹانگ قصیدے لکھ لیے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قصیدے غوثیہ پڑھو تو یہ ہو جائے گا۔

گلگت میں ایک فوجی افسر سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا کہ بطورِ وظیفہ قصیدہ غوثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے کہا مجھے یہ بتائیں کیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنا قصیدہ پڑھا کرتے تھے؟ کہنے لگا نہیں جی وہ تو قرآن پڑھتے

تھے۔ میں نے کہا تم قرآن کیوں نہیں پڑھتے؟ جو وہ کرتے تھے وہ ہی تم بھی کرو۔ کہنے لگا جی میرا وظیفہ تو یہ قصیدہ ہے۔ میں نے کہا تمہاری مرضی، ہر ایک کو اللہ نے اختیار دیا ہے اپنے لیے جو کرنا ہے کرلو۔ ان لوگوں کو جس ہستی سے اعتقاد ہے، اس کے ارشادات اور تصنیفات ہی پڑھ لیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

یاد رہے کہ دنیا تقسیم شدہ چیز ہے۔ اللہ کریم نے ہر ایک کے حصے میں طے کر دی ہے۔ جو اللہ کو نہیں مانتے، اُن کو بھی دے رہا ہے، کافروں کو بھی دے رہا ہے۔ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں دن رات عبادت کرتے ہیں اُنہیں دنیا کے لیے چلنے کاٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر مجاہدہ کیا جائے محنت کی جائے تو آخرت کے لیے کی جائے۔ بندے کو اللہ نے دعا مانگنے کا حق دیا ہے لیکن فیصلے اُس کے اپنے ہوتے ہیں۔ ہم تو اپنی ضرورتوں سے ناآشنا ہیں تو ہمیں کائنات کی ضرورتوں کا اور کائنات کا کیا پتا؟ ہمیں تو تکلیف ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس دوڑتے ہیں، ہمیں تو اپنے وجود کی خبر نہیں۔ اُس قادرِ کریم کے سامنے وسیع کائنات ہے جو اُس نے بنائی ہے اور اس کا نظام ہے۔ اس میں وہ جو چاہے کرتا ہے۔ ہاں! اُس نے اجازت دی ہے کہ تم جو چاہتے ہو مجھ سے مانگا کرو۔ وہ مانگنے سے خوش ہوتا ہے۔ ہوگا وہی جو اس کا طے شدہ پروگرام ہے لیکن دعا کے بہانے انسان کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر درخواست پیش کرنے کی سعادت مل جائے گی، برکات نصیب ہوں گی۔ اگر اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگنا شروع کر دیا تو یہ بات بارگاہِ الوہیت میں ناقابلِ برداشت ہے۔

ہم دنیا کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور اس لیے ہوتے ہیں کہ ہم خود تجویز کرتے ہیں کہ ہمیں کیا ملنا چاہیے۔ اگر ہم اللہ کی عطا پر بھروسہ کر لیں کہ جو اس نے میرے حصے میں لکھا ہے وہ مجھے ملے گا۔ جو میرے ذمے لگایا ہے وہ محنت سے کروں، جائز وسائل اختیار کروں، عطا اس نے کرنا ہے تو پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے ہم عظمتِ الٰہی سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔

فرمایا: اِنۡ یَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا﴿۴۰﴾ یہ لوگ ایک دوسرے سے جھوٹ بول کر عجیب دھوکا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ یہاں ملاقات کے لیے ہمارے ایک وزیر صاحب تشریف لائے۔ اُنہیں وزیرِ اعظم بننے کا شوق تھا۔ انہوں نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر بہت خوبصورت انداز میں ایک آیتِ کریمہ لکھی ہوئی تھی۔ کہنے لگے یہ کسی بزرگ نے مجھے دی ہے کہ اس کا وظیفہ کرو تو وزیرِ اعظم بن جاؤ گے۔ میں نے کہا جس بزرگ کے پاس اتنا موثر نسخہ ہے تو وہ خود وزیرِ اعظم کیوں نہیں بن جاتا؟ تمہارے وزیرِ اعظم بننے سے اس بزرگ کو کیا وصول ہوگا۔ اگر اس آیت کے وظیفے سے وزارتِ عظمٰی ملتی تو جس نے تمہیں بتائی ہے وہ تم سے پہلے وزیرِ اعظم بن چکا ہوتا۔ اگر تم نے

قرآن کی بات پڑھنی ہے تو آخرت کے لیے پڑھو، دنیا کی کامیابی کے لیے پڑھو لیکن مشروط نہ کرو کہ یہ کروں گا تو یہ ملے گا۔جس کی آخرت سنورتی ہے، اس کی دنیا بھی سنورتی ہے۔ آخرت ابدی ہے، دنیا عارضی ہے۔ آخرت کا سایہ دنیا پر پڑتا ہے۔ ہر بندہ کہتا ہے میں پریشان ہوں، اسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی آخرت سنور رہی ہے یا نہیں۔ اگر آخرت درست نہ ہو تو دنیا بھلے درست ہو دل سے پریشانی نہیں جاتی۔ دنیا کی ہر نعمت پاس ہوتی ہے، گاڑیاں خوبصورت مکان نوکر چاکر پیسے، پوچھو تو پریشانی ہے۔ پھر کیا پریشانی ہے؟ سارا خاندان پریشان ہے۔ اس کا مطلب ہے تم نے صرف دنیا جمع کی ہے۔ آخرت کے بگڑنے سے دل میں پریشانی اُترے گی۔ اگر ایک فقیر ہے، سرراہ ہے، جھونپڑی بھی نہیں ہے دو وقت کا کھانا بھی میسر نہیں لیکن اس کی آخرت درست ہے تو وہ مطمئن بیٹھا ہے۔ وہ یہاں بھی بادشاہ ہے۔

فرمایا، یہ ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہیں۔ یہ دھوکا ہے یار کہ تم یہ پڑھو گے تو وزیرِ اعظم بن جاؤ گے اُسے پتا ہے کہ اس سے وزیرِ اعظم بنتے ہیں تو وہ خود بن جاتا۔ جتنے ادیانِ باطلہ ہیں ان میں جو ایک دوسرے کو بتاتے ہیں کہ یہ رسومات کر و یہ پڑھو تو یہ ہو جائے گا یہ ایک دوسرے کو دھوکا دیتے، جھوٹ بولتے ہیں۔

نظامِ کائنات کو اللہ کریم قائم رکھے ہوئے ہیں:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۔۔۔ وہی واحد ولاشریک ہے جس نے اس نظام کو قائم کر رکھا ہے۔ اللہ کریم نے اسے پیدا کیا ہے، قائم رکھا ہوا ہے، اسے چلا رہا ہے۔

ارض و سما کا قائم رہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ کس بات پر قائم ہیں زمین کے نیچے کون سے ستون ہیں؟ یہ تو فضا میں معلق ہے۔ سارے سیارے ستارے، چاند سورج سب فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ انہیں کس نے تھام رکھا ہے۔ فضا میں گیند کی طرح تیرتی ہوئی زمین از خود کیسے تیر رہی ہے؟ اس میں اتنی مخلوق ہے، سمندر، دریا، پہاڑ بے شمار مخلوق ہے تو اتنا بوجھ اُٹھا کر فضا میں معلق ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے! اسے کس نے تھام رکھا ہے؟ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ یہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

زمین سال بھر میں کتنا سفر طے کرتی ہے، دن میں ایک پورا چکر لے جاتی ہے تو دن رات بن جاتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب اپنے اپنے راستے پر تیر رہے ہیں۔ انہیں اتنی پابندی سے چلایا جا رہا ہے کہ ایک لحظہ تقدیم یا تاخیر نہیں ہوتی۔ اگر ایک ایک لحظے کا فرق بھی آ جائے تو نظامِ دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر آسمان ہی نیچے آنا شروع کر دے تو بالآخر تباہی ہوگی۔ ہر چیز اپنے مقررہ مقام پر اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے اور یقیناً یہ

صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جس نے اس نظام کو تھام رکھا ہے۔ اس کے نظام میں ان لوگوں نے اور افراد پیدا کر لیے ہیں اور کہتے ہیں اس نظام کو یہاں سے وہاں کر دو تو یہ کیسے ممکن ہے!

وَلَئِنۡ زَالَتَآ ۔۔۔ اگر یہ زمین اور آسمان اپنی مقرر جگہ سے ہٹ جائیں: اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ۔۔۔ تو پھر اللہ کے علاوہ کوئی اور ہستی ایسی نہیں جو اُنہیں تھام سکے۔ اس وحدہٗ لاشریک کے علاوہ باقی سب مخلوق ہے، محتاج ہے کہ اُسے کوئی تھام کے رکھے۔ انسانی وجود کے اندر ہی دس کھرب سیل (CELLS) ہیں جن میں سے کسی کی عمر چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ سیل ساتھ ساتھ بنتے بھی رہتے ہیں مرتے بھی رہتے ہیں۔ گویا چھ ماہ میں دس کھرب اموات اور پیدائش تو ایک وجود میں ہو جاتی ہیں۔ اس وسیع نظام کو کون چلا رہا ہے؟ اب اگر اللہ کے علاوہ کسی کو پکاریں گے تو اُس کے وجود کے نظام کو بھی تو اللہ ہی چلا رہا ہے۔ وہ تو خود اپنا نظام نہیں چلا سکتا۔ اُسے تو اپنے وجود کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کی خبر نہیں، اس کے اپنے بس میں نہیں تو کیا اللہ کی کائنات میں یہ جا کر تبدیلی کر سکتا ہے؟

اگر یہ ارض وسما اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اُنہیں اللہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جو تھام سکے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو! تم برائی کرتے ہو گناہ کرتے ہو شرک کرتے ہو، ظلم کرتے ہو لیکن وہ بردبار ہے: اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۱﴾ وہ بہت برداشت کرتا ہے، بڑا بردبار ہے، تمہیں رزق بھی دیتا ہے، صحت بھی دیتا ہے، مہلت اور فرصت بھی دیتا ہے۔ اگر توبہ کر لو تو وہ بخشنے والا بھی ہے۔ اس کی بخشش بھی ہے۔ اس کی کتنی رحمت ہے کہ اس نے تمہاری طرف نبیؑ اور رسولؑ بھیجے اپنی کتابیں بھیجیں۔

کچھ عرصہ پہلے تین چار نوجوان ملنے آئے اور کہنے لگے ہمارے لیے دعا کریں۔ میں نے کہا دعا کرنا تو اللہ کا حکم بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ارشاد بھی ہے۔ اللہ کریم اس سے راضی ہوتے ہیں۔ آپ میرے لیے دعا کریں، میں آپ کے لیے کرتا ہوں، اچھی بات ہے لیکن دعا اللہ سے کرنی ہے اور وہ اتنا کریم ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ اس کے دروازے کے خادم زور سے آواز لگا کر پکارتے ہیں کہ آجاؤ اللہ کی بارگاہ میں اور اپنے اپنے دکھ کہہ لو۔ جب دن میں پانچ مرتبہ وہ بلاتا ہے اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے لیے دعا کروں تو آپ خود جا کر بات کیوں نہیں کرتے؟ یہ کسی دنیا کے حکمران کا در نہیں کہ وہ گھسنے نہیں دے گا اُس کا دروازہ تو کھلا ہے بلکہ اس کے بندے دن میں پانچ مرتبہ علی الاعلان بلاتے ہیں۔ میں نے کہا برخوردار خود جا کر اپنی بات کیا کرو اور اگر تم اس کی بارگاہ میں حاضری کی فرصت نہیں پاتے تو پھر کسی میں یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ تمہاری سفارش کر سکے۔ پھر کون ہے جو یہ کہے کہ یہ آپ کی بات کو اہمیت نہیں دیتا، آپ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہونا چاہتا لیکن اس کے لیے میں سفارشی

ہوں کسی میں اتنی جرأت ہے؟ سوایک دوسرے کو دھوکا نہ دو کہ اُس سے دعا کرالی یا فلاں بزرگ نے کہہ دیا بلکہ سیدھا جا کر اس سے اپنی بات کرو۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ آپ نے ہر بندے کو اللہ کے روبرو کر دیا ہے۔

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تُو نے

ہر بندے کو اللہ کے روبرو کر دیا ہے کہ اپنی بات جا کر خود کرو اور وہ بردبار ہے برداشت کرتا ہے۔ تم جرم کرتے ہو وہ مہربانیاں کرتا ہے، رزق دیتا ہے، عمر دیتا ہے اور پھر اگر موت آنے سے پہلے توبہ کر لو تو وہ معاف کرنے کو تیار ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا، گنہگار جتنا بھی ہو جب وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کے گناہ یوں مٹا دیتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ بعض لوگ اتنے خلوص سے توبہ کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم فرماتا ہے: يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔۔۔ (الفرقان:70) اللہ کریم اُن کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں یعنی صرف معاف نہیں کرتے بلکہ گناہوں کے بدلے نیکیاں عطا کر دیتے ہیں۔ اب یہ اپنی اپنی توبہ ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہو۔

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھرا، کھوٹا ظاہر کر دیا:

یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ۔۔۔ یہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آئے، کوئی اطلاع دینے والا آئے تو ہم ہر اُمت سے بڑھ کر اطاعت کرنے والے ہوں گے، سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم میں کم وبیش پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔ ایک صدی میں اندازاً انسان کی تین نسلیں گزر جاتی ہیں تو پانچ صدیوں میں پندرہ نسلیں گزر گئیں اور پندرہ نسلیں بہت بڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ فرمایا، ان لوگوں میں مدت سے کوئی اللہ کی طرف بلانے والا نہیں آیا تھا۔ ان کے باپ دادا، آباؤ اجداد بزرگ گزر گئے اور عرصے سے نبی نہیں آئے تھے، یہ تاریخ بھی جانتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام آئے تھے۔ یہ لوگ بڑی قسمیں کھایا کرتے کہ اب اگر کوئی اللہ کا نبیؑ آتا تو ہم ایسی اطاعت کرتے کہ پہلی امتوں نے بھی ایسی نہ کی ہوگی۔ اس پر اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔

یاد رہے اللہ کو صرف ماننا کافی نہیں ہے۔ اپنے طور پر کافر اور مشرک بھی اللہ کو مانتے تھے۔ وہ بھی اللہ کی

قسمیں کھاتے تھے۔

فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۝ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ نَذِيْرٌ ---آخرت کے نتائج کی بروقت اطلاع دینے والی ہستی جب مبعوث ہوئی تو یہ دشمنی پر اتر آئے۔ پھر ان کی نفرت اور دشمنی ہی بڑھی حالانکہ پہلے قسمیں کھاتے تھے کہ ہم اتنی اطاعت کریں گے کہ ویسی اطاعت پہلی امتوں میں سے کسی نے نہ کی ہوگی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پھر ان کی نفرتیں اور دشمنیاں بڑھیں اور مخالفتیں بڑھ گئیں۔

اللہ کا قانون بدلتا نہیں:

فرمایا: اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ --- یہ تکبر میں اور زمین پر اپنی بڑائی میں مبتلا تھے تو پھر اللہ کے سامنے کیسے جھکتے، اللہ کے نبیؐ کی اطاعت کیوں کرتے۔ یہ تو خود کو بڑا سمجھتے تھے۔ کفر کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ یہ خود کو بڑا سمجھتے تھے اور اپنی رائے کو نبیؐ کی تبلیغ پر مقدم سمجھتے یعنی خود کو بڑا دانشور اور ذہین سمجھتے تھے: وَمَكْرَ السَّيِّئِ --- اور انہوں نے بجائے اطاعت کرنے کے نبوت کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے بُری بُری تدبیریں بنانا شروع کر دیں۔ انہیں یہ سمجھ نہیں: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ --- کہ جو بری تدبیریں کرتے ہیں یا جو مکر کر کے کسی کا نقصان کرنا چاہتے ہیں، ہمیشہ یہ برائی، یہ مکر اور بری تجویز اس تجویز بنانے والے کا ہی نقصان کرتی ہے۔ پہلی اُمتوں کے حالات انہیں پتا ہیں کہ جب انبیاؑ تشریف لائے تو جن لوگوں نے انبیاؑ کے خلاف تدبیریں کیں وہ قومیں خود تباہ ہوگئیں۔ انبیاؑ کا تو کچھ نہیں بگڑا اور اُن کے متبعین کو بھی اللہ نے محفوظ رکھا لیکن وہ بری تجویزیں کرنے والے خود تباہ ہوگئے۔ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ بری چال کا وبال چال چلنے والے پر ہوتا ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ --- کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ پہلوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ پہلی امتوں نے جب انبیاؑ کی مخالفت کی، اُن کی اطاعت سے انکار کیا، اُن کی تعلیمات کو روکنے کی کوشش کی اور اُن کو ایذا دینے کے درپے ہوئے تو کیا نتیجہ نکلا؟ وہ قومیں خود تباہ ہوگئیں۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا --- اور آپ اللہ کے قانون کو، اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں دیکھیں گے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ برائی ہمیشہ کرنے والے پر پلٹتی ہے، نیکی کا اجر کرنے والے کو ملتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ نیکی کوئی کرے اجر کوئی دوسرا پائے یا کسی کی برائی کا وبال کسی دوسرے پر آجائے۔ یہ اللہ کا دستور نہیں ہے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو کرتا ہے وہ بھرتا ہے: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا۝ اللہ کے کسی طریقے میں آپ کوئی تحویل نہیں دیکھیں گے، کوئی تاویل نہیں گھڑی جائے گی۔ یہ بالکل سیدھے سیدھے طریقے، سیدھے سیدھے قانونِ فطرت ہیں اور یہ کسی کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتے۔

فرمایا: اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ ۔۔۔ یہ لوگ تو تجارت پیشہ ہیں، ملکوں ملکوں پھرتے ہیں۔ کیا انہوں نے روئے زمین پر پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن قوموں کا کیا حال ہوا؟ یہ شہر، یہ بڑی بڑی آبادیاں وہ بڑے بڑے لاؤ لشکر، وہ محلات اور بادشاہ کہاں گئے، کس حال کو پہنچے؟ حالانکہ: وَکَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡھُمۡ قُوَّۃً ۔۔۔ وہ لوگ طاقت کے اعتبار سے ان سے کہیں زیادہ اور مضبوط تھے۔ ان سے زیادہ قد کاٹھ والے، زیادہ وسائل اور زیادہ مال و دولت والے تھے۔ وہ لوگ ان سے زیادہ سمجھ والے تھے اور ان سے بہت بہتر خود کو ثابت کرتے تھے۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ ۔۔۔ لیکن کائنات میں، زمینوں اور آسمانوں میں کوئی ایسا طریقہ نہیں جو اللہ کی قدرت کو روک دے یا پھیر دے۔ ہوگا وہی جو اللہ کرے گا۔ کوئی ایسی ہستی کوئی ایسا وجود کوئی ایسا طریقہ یا قاعدہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ کچھ بھی نہیں ہے کہ جو اللہ کے فیصلے کو ٹال دے یا روک دے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾ وہاں جھوٹ بھی نہیں بولا جا سکتا اس لیے کہ وہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ ہر ایک کے ہر ارادے، ہر نیت ہر گمان کو ہر چیز کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ وہاں جھوٹ نہیں چل سکتا اور نہ ہی اُس کے دستِ قدرت کو روکنے کی کسی میں طاقت ہے۔

اللہ کا کرم نہ ہوتا تو انسانی کردار تمام مخلوق کو تباہ کر دیتا:

یہ اللہ کی شان کریمی ہے کہ وہ مہربانی فرماتا ہے ورنہ: وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھۡرِھَا مِنۡ دَآبَّۃٍ ۔۔۔ اگر انسانوں کو اُن کے گناہوں پر پکڑنے لگتا تو زمین پر کوئی مخلوق زندہ نہ رہتی۔ قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی انسان زندہ نہ رہتا بلکہ فرمایا کوئی ذی روح نہ رہتا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے؟ قرآن کریم کا ارشاد دیکھیں کہ اگر اللہ لوگوں کے گناہوں پر اُن کی گرفت شروع کر دیتا، پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کوئی ذی روح نہ باقی رہتا یعنی باقی ساری مخلوق بھی مٹ جاتی۔ اس کا مطلب ہے کہ کائنات میں جتنی مخلوق بستی ہے یہ انسان کی خاطر بنائی گئی ہے۔ اس معمورۂ کائنات میں اصل آباد انسان ہے، باقی ساری مخلوق اس کی خدمت کے لیے ہے۔ جیسے گھر میں انسان آباد ہے تو گھر کی چیزیں اس کے استعمال کے لیے ہیں۔ اگر کسی گھر کے باسی مرجاتے ہیں یا اُجڑ جاتے ہیں تو وہ گھر بھی اُجڑ جاتا ہے۔ پھر کوئی چیز باقی نہیں بچتی، دیواریں چھتیں تک گر جاتی ہیں۔

انسان اگر برائی کرتا ہے تو اس سے صرف وہ خود متاثر نہیں ہوتا بلکہ کائنات کی ہر چیز متاثر ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ظَھَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ (الروم: 41) خشکی

اور سمندروں میں طوفان زلزلے اور تباہیاں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ ہمارا کردار ہے جو کبھی زمین کو ہلا دیتا ہے کبھی آسمان سے بجلیاں برساتا ہے اور کبھی طوفانوں کو چلا دیتا ہے۔ فرمایا، اگر اللہ کریم بندوں کو اُن کے گناہوں پر پکڑنے لگتے تو انسان دنیا میں باقی رہتے نہ ہی کوئی ذی روح باقی بھی بچتا کہ یہ کائنات بنائی ہی انسان کے لیے تھی جب انسان نہ رہتے تو پھر کوئی ذی روح بھی نہ بچتا۔ روئے زمین پر حیات باقی نہ رہتی۔

اللہ کریم ہمیں معاف فرمائیں توبہ کی توفیق دیں۔ ہم جب گناہ کرتے ہیں تو ہم سمجھ لیں کہ ایک تو ہم اپنے ساتھ ظلم کرتے ہیں، زیادتی کرتے ہیں دوسرا کائنات میں ہر تخلیق کے ساتھ ظلم کرتے ہیں کہ گناہ کا اثر پوری فضا میں جاتا ہے۔ اللہ کریم گناہوں کے سبب فوراً گرفت کرنے لگتے تو روئے زمین کی ساری مخلوق تباہ ہو جاتی۔ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔ لیکن وہ اتنا کریم ہے، ایک مخصوص وقت تک سب کو رخصت دیتا ہے۔ اُس نے وقت طے کر دیا ہے، زندگی مقرر کر دی ہے مہلت دے دی ہے۔ وہ تمہارے گناہوں سے گھبرا کر کوئی اقدام نہیں کرتا، اس کا اپنا طے شدہ نظام ہے جس پر تمہیں مہلت دیتا ہے۔ تم پھر گناہ پہ گناہ ہی کیے جاتے ہو؟ توبہ کیوں نہیں کرتے؟ کبھی تو سنبھل جاؤ کبھی تو سوچ لو، اپنا فائدہ کرو: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ جب ان کا وقتِ مقرر آ جاتا ہے تو وہ اپنے بندوں سے خوب واقف ہے اور اُسے پتا ہے کہ کس نے کیا کیا، کس کو کہاں پہنچانا ہے۔ وہ جانتا ہے کس نے کس راستے سے جانا ہے اور اس کی منزل کہاں ہے، وہ کہاں پہنچے گا، اس کا کردار کیا ہے اس کے اثرات کیا ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے سب جانتا ہے۔ سب اس کے علم میں ہے اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ کتنا کریم ہے کہ تم گناہ کرتے ہو، تم کفر و شرک کرتے ہو پھر بھی وہ مہلت دیتا ہے، روزی دیتا ہے، اولاد دیتا ہے، اقتدار دیتا ہے۔ اگر تم توبہ کر لو معذرت کر لو تو وہ معاف بھی فرما دیتا ہے لیکن اگر اسی طرح سرکشی میں عمر بسر ہو گئی اور موت آ گئی تو وہ مقرر وقت آ جائے گا۔ تمہیں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا۔ پھر کوئی بہانہ نہیں چلے گا کہ وہ ذاتی طور پر سب جانتا ہے، دیکھ رہا ہے۔ اپنے بندوں کے حال سے واقف ہے۔

سورۃ یٰسٓ رکوع 1 آیات 1 تا 12

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ
فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا
جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا
يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾
اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ
وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ
شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

یٰسٓ ﴿۱﴾ قسم ہے حکمت والے قرآن کی ﴿۲﴾ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں ﴿۳﴾ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۴﴾ (یہ قرآن، اللہ) زبردست، مہربان کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ﴿۵﴾ تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے سو وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۶﴾ بے شک ان میں سے اکثر پر حق (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہے پس وہ (ہرگز) ایمان نہ لائیں گے ﴿۷﴾ یقیناً ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں سو وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں، پس وہ سر اونچا کر رہے ہیں ﴿۸﴾ اور ہم نے ان کے آگے بھی ایک دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار پھر ان کو ڈھانپ دیا سو وہ (اس

کو) دیکھ نہیں سکتے ﴿۹﴾ اور ان کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰﴾ آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر عمل کرے اور رحمٰن (اللہ) سے بن دیکھے ڈرے سو اس کو بخشش اور بڑے عمدہ صلہ کی خوش خبری دیجیے ﴿۱۱﴾ بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو نشان پیچھے چھوڑ آئے ہیں ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھ رکھا ہے ﴿۱۲﴾

تفسیر ومعارف

سورۂ یٰسین بائیسویں پارے میں شروع ہوتی ہے اور تیئسویں پارے میں مکمل ہوتی ہے۔ اس کے ڈیڑھ رکوع بائیسویں پارے میں ہیں باقی تیئسویں پارے میں ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حدیث شریف میں اسے قرآنِ حکیم کا دل کہا گیا ہے۔

فضائل:

اس کے بے پناہ فضائل حدیث شریف میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کی فضیلت کے بارے بزرگانِ دین کے بھی بہت سے اقوال ہیں۔ پڑھ کر بیمار پر دم کریں شفا کا سبب ہے۔ پڑھ کر دعا کریں تو اللہ کریم سے قبولیت کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ اللہ پاک مشکلات آسان کرتے ہیں۔

ایک بات یاد رکھیے کہ قرآنِ حکیم کی سورتوں کے فضائل اپنی جگہ درست لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ چند مخصوص سورتیں منتخب کرلی جائیں اور انہی کو روزانہ پڑھا جائے۔ باقی قرآن پڑھنا چھوڑ دیا جائے۔ قرآن کی تلاوت کرنا اللہ کا حکم ہے۔ قرآنِ کریم کو مسلسل پڑھنا سنّت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر مبارک روزانہ مسلسل تلاوت فرمائی ہے۔ باقی سورتیں پڑھنا فضائل حاصل کرنے کے لیے ہے۔ قرآن حکیم کو روزانہ پڑھو، مسلسل پڑھو، اس کی ترتیب سے پڑھو، سمجھ کر پڑھو، ممکن ہو تو اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کرو۔ اللہ توفیق دے، اس پر عمل کرو لیکن یاد رہے! تلاوتِ قرآن اپنی جگہ ایک مستقل عبادت ہے۔ تلاوت کرنے سے اللہ ایسی کیفیت دے دیتا ہے کہ بندہ گناہوں سے توبہ کرکے نیکی پر عمل پیرا ہوجاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت روزانہ اور ترتیب سے کرنی چاہیے۔ ایک رکوع پڑھ لیں، آدھا پڑھ لیں لیکن کوئی دن قرآن کی تلاوت کے بغیر نہ جانے دیں۔

فرمایا: یٰسٓ ۞ یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ ان کا معنی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ ان کی تلاوت ضروری ہے ان کے معنی نہ بھی آتے ہوں تو ان کی برکات نصیب ہو جاتی ہیں: وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ قسم ہے حکمت والے قرآن کی۔ جس کی قسم کھائی جائے، مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا گواہ ہے۔ چونکہ صرف اللہ ہی ہر چیز کو جانتے ہیں اس لیے اللہ ہی ہر چیز پر شاہدِ عدل ہیں، اللہ جل شانہٗ ہی ہر چیز کے گواہ ہیں۔ یہاں خود اللہ جل شانہٗ نے قرآن کی قسم کھائی ہے کہ یہ قرآن بھی گواہ ہے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق پیغمبر ہیں: عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ سیدھے راستے پر ہیں۔ قرآن حکیم کو سورۂ فاتحہ سے سورۂ الناس تک پڑھ جائیں تو اس کے واقعات، ارشادات، احکام، اس کے کام کرنے کے طریقے، تہذیب وتمدن، حکومت وسیاست، عدالت، علم وعمل، معیشت ومعاملات غرض پورے نظامِ حیات کو پڑھ جائیں تو قرآن خود اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ میں جس پر نازل ہوا ہوں وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن گواہ ہے کہ یہ کلامِ الٰہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے انسانوں تک پہنچایا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور پیغمبر ہیں اور قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس بات پر گواہ ہے کہ اُس غالب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کے قوانین کو توڑنا رائیگاں نہیں جائے گا۔ سزا بھگتنی پڑے گی۔ اس لیے کہ جس نے اسے نازل کیا ہے وہ قادر اور غالب ہے: تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۞ (یہ قرآن، اللہ) زبردست، مہربان کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو غالب ہے۔ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ بے پناہ رحیم ہے۔ اتنا مہربان ہے کہ اس نے انسان کے لیے انبیا مبعوث فرمائے۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جس نے رہتی دنیا تک کے لیے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ بندوں کی بخشش کے لیے سارے اسباب یکجا کردیے۔ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں جہانوں کی فلاح رکھ دی۔

غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کے لیے راہ نجات:

اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرما کر غفلت میں پڑے لوگوں کے لیے راہِ نجات عطا کردی۔ فرمایا: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۞ تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے سو وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

آپ ایسے لوگوں کو اُن کے انجام کی خبر دیں جن کے باپ دادا کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ وہ بہت غفلت

میں پڑے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے اٹھائے جانے کے پانچ سو سال بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآنِ کریم نازل ہوا تو اس عرصے میں کئی پشتیں بغیر کسی نبیؑ کی بارگاہ میں پہنچنے کے گزر گئیں۔ یہ حق اور سچائی سے دور ہو چکے تھے۔ ان کے باپ دادا سے غفلت چلی آ رہی تھی تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ انہیں اُن کے انجام کی بروقت اطلاع دیں۔ انذار کا معنی ہے، وقت سے پہلے انجام سے متنبہ کر دینا۔ چونکہ اردو کا دامن تنگ ہے اس کا متبادل لفظ کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جو انذار کے مفہوم کو ایک لفظ میں سمیٹ لے اس لیے ترجمے میں یہی لکھا جاتا ہے کہ آپ اُن کو ڈرائیں۔ یعنی جو غلط کام وہ دنیا میں کر رہے ہیں اس کے انجام کی خبر انہیں دنیا میں ہی دے دیں۔

اللہ کے قانون اٹل ہیں:

فرمایا: لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ بے شک ان میں سے اکثر پر حق (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہے۔ پس وہ (ہرگز) ایمان نہ لائیں گے۔

اللہ جل شانہٗ کے قانون اٹل ہیں۔ یقینی اور قطعی ہیں۔ اللہ کریم نے جس نظریے اور جس کردار سے روکا ہے، اگر وہ کردار ہوگا تو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ بعض اعمال اور بعض کردار پر یہ سزا رکھ دی جاتی ہے کہ اگر بندہ یہ جرم کرے گا تو پھر اسے ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ اچھے بھلے شریف خاندانوں میں لوگ پیدا ہوتے ہیں، جوان ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں، بے دین اور کافر ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک خاتون نے برطانیہ سے فون کیا کہ میرے بچے لا الہ الا اللہ تو پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں: ''لا الہ الا اللہ سے ہم نے اللہ کو خود جان لیا اب یہی کافی ہے۔ محمد رسول اللہ کا کیا احسان ہے کہ ہم انہیں مانتے پھریں؟''

یہ کیا ہو گیا؟ بتاؤ! لوگوں کو لا الہ الا اللہ کس نے بتایا تھا۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان سے ہٹا دو تو پھر تمہارے پاس لا الہ الا اللہ کی کیا شہادت ہے؟

یہ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ بعض کرتوتوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے یہ سزا مل جاتی ہے کہ ایمان نصیب نہیں ہوتا بلکہ ہو تو ان کرتوتوں کے باعث ضائع ہو جاتا ہے۔ فرمایا، یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔ ان پر اللہ کا قول سچ ثابت ہو چکا ہے۔ انہوں نے وہی جرائم کیے، اسی طرح تکبر کیا، وہی برائی کی جس کے نتیجے میں انہیں تو یہ نصیب نہیں ہو رہی۔ ایمان نصیب نہیں ہو رہا۔ یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کا عالم یہ ہے جیسے ان کے گلے میں طوق باندھ دیے ہوں۔

فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴿۸﴾ یقیناً ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں سو وہ تھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں، پس وہ سر اونچا کر رہے ہیں۔

ہم نے اُن کے گلے میں طوق ڈال دیے ہیں۔ ان طوقوں نے ٹھوریوں تک ان کے گلے کو ایسے اٹھا رکھا ہے کہ وہ نیچے دیکھ ہی نہیں سکتے کہ راستہ کدھر جا رہا ہے۔ یہ طوق کسی کو نظر نہیں آتے لیکن اللہ جل شانہٗ اس کی خبر دے رہے ہیں کہ یہ اتنے متکبر ہو جاتے ہیں کہ انہیں نیکی اور بھلائی کا راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ یہ اوپر دیکھ رہے ہیں اور راستہ تو نیچے جا رہا ہے۔ وہ تکبر کے باعث جو طوق ان کے گلے میں اللہ کی طرف سے باندھا گیا ہے، نظر نہیں آتا۔ طوق ڈال دینے سے مراد بعض وہ گناہ ہیں جن کے باعث توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے۔ گناہ کرتے وقت، جرم کرتے وقت اندازہ کرنا چاہیے۔ اپنے آپ کے ساتھ کچھ رعایت کرنی چاہیے۔ اپنے آپ کو اتنا تباہ نہیں کرنا چاہیے کہ توبہ کی توفیق ہی چھن جائے۔

فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴿۹﴾ اور ہم نے اُن کے آگے بھی ایک دیوار بنا دی ہے اور اُن کے پیچھے بھی ایک دیوار پھر اُن کو ڈھانپ دیا سو وہ (اس کو) دیکھ نہیں سکتے۔

ان کا عالم یہ ہے کہ جیسے ان کے آگے بھی دیوار بن گئی ہو، ان کے پیچھے بھی دیوار بن گئی ہو، اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہو تو یہ کس راستے پر چلیں گے۔ انہیں کیا سمجھ آئے گی؟ یہ نظر نہ آنے والی دیواریں اور چھتیں کیسے بنتی ہیں؟ یہ انسانی کردار بناتا ہے۔ بعض گناہوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت کی راہ میں دیوار بن جاتے ہیں اور توبہ نصیب ہی نہیں ہوتی۔ جس کے آگے پیچھے دیوار بنا دی جائے اوپر چھت سے ڈھانپ دیا جائے تو اسے کیا خاک نظر آئے گا اور دیواریں کیسے توڑے گا؟ اسی طرح برائیاں، گناہ، جرائم، کفر و شرک آدمی کے گرد دیواریں ہیں۔ وہ تاریکیوں میں غرق ہے اندھیروں میں پھنسا ہوا اُسے کچھ نظر نہیں آتا، کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا اور اسی گمراہی میں مر کر تباہ ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجاتا ہے۔

فرمایا: وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۰﴾ اور ان کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وہ اس عالم کو پہنچ گئے ہیں کہ ان کے لیے برابر ہے کہ آپ ان کو تبلیغ کریں یا نہ کریں وہ مان کر نہیں دیں گے۔ اس لیے کہ ان سے توفیق سلب ہو گئی۔ اب انہیں فرصت ہی نہیں رہی جس طرح ہم صحت مند ہوں تو غذا کھاتے ہیں اور جب بیمار ہو جائیں تو ہمیں بھوک نہیں لگتی۔ غذا کھائیں تو بدذائقہ لگتی ہے۔ میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ اسی

طرح گناہ مرض ہیں۔ یہ مزاج بدل دیتے ہیں۔ گناہ مزاج کا ذوق بدل دیتے ہیں۔ نیکیاں کڑوی لگنے لگتی ہیں، برائیاں پسند آنے لگتی ہیں۔

انسان کو اپنا اندازہ اس حساب سے کرنا چاہیے کہ اگر میں بھلا کرتا ہوں تو کیا میرا دل مطمئن ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔ جب گناہ ہو جاتا ہے تو کیا اس کی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے؟ ایسا ہے تو صحت ٹھیک ہے۔ غلطی پر شرمندہ ہوتا ہوں۔ توبہ کرتا ہوں۔ غلطی چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کرتا ہوں توبہ کر لیتا ہوں تو پھر اللہ کی رحمت سے امید ہے۔

اگر گناہ میں لذّت آنے لگ گئی، نیکی کڑوی لگنے لگی، نمازیں چھوٹ گئیں، اللہ کا ذکر چھوٹ گیا، تلاوت نصیب نہ رہی۔ آہستہ آہستہ حلال جاتا رہا، حرام آ گیا تو پھر یہ سخت بیماری کی علامت ہے۔ حرام کے بارے علمائے حق فرماتے ہیں کہ انسان کی ہدایت میں اسّی فیصد دخل اس کے رزق کا ہے۔ اگر کوئی حرام روزی کما رہا ہے تو پھر وہ ہدایت نہیں پا سکتا۔ حرام کھا کر وہ کیفیات نہیں بنتیں کہ اللہ کی عظمت کا ادراک ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ادراک ہو۔ حرام بدن کے رگ وریشے، دماغ کی ایک ایک نس، بدن کے ذرّے ذرّے میں چلا جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كُلُّ لَحْمٍ نُبت مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ (مسند امام احمد) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو گوشت حرام سے بنے گا اس کے لیے آگ ہی سزاوار ہے۔ وہ آگ میں ہی جلے گا۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہماری ہدایت کا اسّی 80 فیصد مدار رزق کے وسائل پر ہے۔ پندرہ فیصد مدار والدین پر ہوتا ہے جن کی آغوش میں بچہ پلتا ہے۔ ان کے عقائد اور کردار سے بچہ اثر لیتا ہے۔ پانچ فیصد معاشرے کا حصّہ ہوتا ہے۔

فرمایا، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان میں یہ استعداد ہی نہیں رہی کہ یہ تبلیغ کا اثر لیں۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ماننے والوں کے لیے خوشخبری:

فرمایا: اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪ آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر عمل کرے اور رحمٰن (اللہ) سے بن دیکھے ڈرے سو اس کو بخشش اور بڑے عمدہ صلہ کی خوش خبری دیجیے۔

انذار کے معنی ہیں خطرے سے بروقت مطلع کر دینا۔ یہ بتا دینا کہ جدھر جا رہے ہو وہاں خطرہ ہے، یہ راستہ بدل لو۔ اس راستے پر چلو جو سلامتی کا راستہ ہے۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انذار یہ ہے کہ بندے کو دنیا میں ہی بتا دیتے ہیں کہ جو عقیدہ و عمل تمہارا ہے کل قبر میں جاؤ گے تو اس کا نتیجہ خراب ہوگا اس لیے اس راستے سے بچ جاؤ۔

اردو کا دامن چونکہ تنگ ہے یہاں انذار کا مطلب ڈر لکھ دیا جاتا ہے جو اس کے مفہوم کو پورا بیان نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی میں شرینی ہے، لذت ہے، یہ حق بھی ہے، نور بھی ہے لیکن سننے والے، قبول کرنے والے میں زندگی کی کوئی رمق بھی تو باقی ہو! دنیوی طور پر بھی لوگ، لوگوں سے متاثر ہوئے۔ کسی کی تقریر سے، کسی کے جوش سے، کسی کی خوبصورتی سے لیکن انسانیت بھر میں صرف ایک ہستی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی ہے جو بے مثل اور بے مثال ہیں۔ جن کا حسنِ ظاہر بے مثال ہو اور کمالِ باطن بھی بے مثال ہو، جس کے علوم کا کوئی کنارا نہ ہو اور جو انبیاؑ کا بھی سردار ہو۔ پھر کلام ذاتِ باری کا ہو، سنانے والی ہستی اللہ کی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور سننے والا متاثر نہ ہو، یہ کیسی عجیب بات ہے؟ ایسا اس لیے ہے کہ بندہ اپنی روحانی حیات کے ساتھ زندہ نہیں۔ وہ مادّے کی لذّات پر فریفتہ ہو چکا ہے۔

روح کی حیات عظمتِ باری کے ادراک اور اللہ پر ایمان سے ہوتی ہے۔ روح کو حیات نصیب ہو، پھر اس روح کی صحت درست ہو تو وہ نیکی کو پسند کرے گی اور برائی سے بھاگے گی۔ اللہ کریم نے انسان کو یہ خصوصیات عطا فرما کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اپنی روحانی حیات کے ساتھ زندہ رہے اور مجھ سے مزید انعام پائے۔ چاہے تو مادّے میں کھو جائے۔ روح کی صحت اطاعتِ الٰہی سے ہے۔ جو اطاعت نہیں کرنا چاہتا وہ نہ کرکے دیکھ لے۔ اس کی روزی بند نہیں کی جائے گی، اس کے پاس زندگی کی صورت میں جو مہلت ہے وہ فرصت اسے دی جائے گی۔ ایک وقتِ مقررہ تک اس کے پاس سب کچھ رہے گا۔ اس عرصہ میں اس نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا، اسی پر اس کا انجام ہوگا۔

قرآن نے پوری زندگی کا نظام دیا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کرکے اسوۂ حسنہ کی صورت میں مکمل راہنمائی عطا فرمائی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم اس نظام کو اپنائے ہوئے ہیں؟ اگر نہیں تو ہم کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ اللہ جل شانہٗ کو کفار کے قصے بیان کرنے سے کیا دلچسپی ہے۔ اس کی بارگاہ میں تو کفار کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو پھر اُن کے حالات کیوں بیان کیے؟ اس لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ ہم اپنا اندازہ کرلیں کہ ہم اسلام کے اندر ہیں، ہم مسلمانوں کے ڈھب پر ہیں یا ہم نے کہیں کفار کی عادات تو نہیں اپنالیں؟ دیکھنا یہ ہے کہ یہی قرآن جب کافروں کے سامنے پڑھا جاتا تھا تو ان پر اثر کیوں نہیں ہوتا تھا، وہ اثر پذیر کیوں نہیں ہوتے تھے؟ اور کیا ہم ہوتے ہیں؟

فرمایا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ارشادات کا نور برحق، آپ کی آواز کی شرینی برحق، آپ کا دردِ دل برحق کہ آپ ہر ایک کے لیے چاہتے ہیں کہ انہیں ہدایت نصیب ہو جائے لیکن ہدایت تو اُسے نصیب ہوگی جو نصیحت پر عمل کرے اور اللہ سے بن دیکھے ڈرے۔ اسے ہی نصیب ہوگی جس کا دل چاہے گا کہ اسے ہدایت

نصیب ہو۔ جن لوگوں نے اپنے دلوں کو مردہ کرلیا ہے، ان کے وجود اُن کی روحوں کی قبریں ہیں۔ وہ تو ایک مردہ کی مانند ہیں۔ آپ مردے کے سرہانے وعظ کریں۔ اسے کہیں نماز کا وقت ہو گیا ہے، یہ وضو کا پانی رکھا ہے، یہ جاءِ نماز بچھا ہے تو وہ کیا کرے گا؟ اسی طرح جن کی روحیں مردہ ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے کیسے لطف اندوز ہوں گے، کیسے متاثر ہوں گے، سنیں گے کیسے اور مانیں گے کیسے؟

اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ ۔۔۔ جو اللہ کی نصیحت کا اتباع کرتے ہیں، اللہ کے ارشادات کو مانتے ہیں، جو ایمان لاتے ہیں، جن کے دل میں اللہ کی عظمت کا کوئی احساس ہوتا ہے تو اُن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی اثر کرتی ہے۔ انہیں اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ انابت اور خشیت یہ دونوں باتیں ہوں تو بات بنتی ہے۔ خشیت یعنی غائبانہ اللہ کی عظمت کا احساس۔ اور انابت، خلوصِ دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنے کا داعیہ پیدا ہونا۔ بندہ نہیں جانتا اللہ کیسا ہے، کہاں ہے، اس کا حکم کیا ہے؟ لیکن اس کے دل میں ایک تمنا پیدا ہو جائے۔ اسے یہ خواہش اور آرزو ہو کہ مجھے اللہ کا پتا ملے کہ میرا مالک، جس نے مجھے پیدا کیا، اتنی نعمتیں دیں وہ کیسا ہے، میں اسے کیسے راضی کرسکتا ہوں، وہ مجھ سے کس طرح خوش ہوگا؟ جہاں یہ انابت آتی ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گل گلزار بنا دیتے ہیں۔ خشیت وہاں ہوگی جہاں رحمانیت ہوگی اسی لیے فرمایا: وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ ۔۔۔ اور رحمان (اللہ) سے بن دیکھے ڈرے۔ جس سے امیدیں وابستہ ہوں گی اور خطرہ بھی ہوگا کہ کہیں میں اس کریم کو خفا نہ کر بیٹھوں۔

فرمایا، توفیق تو انہیں نصیب ہوتی ہے جن کے دل میں عظمتِ الٰہی جگہ پاتی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لے اور عقیدے سے لے کر اعمال تک روزمرہ کے امور میں اس بات کا احساس رکھے کہ وہی کروں گا جس کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ لوگ ناراض ہوں گے تو ہوا کریں مجھے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہیں کرسکتا۔ فرمایا جو اس ڈھب پر آجائے کہ کچھ ایسا نہ کہوں اور نہ کروں جس سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوں تو: فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ ۔۔۔ اسے آپ بخشش کی بشارت دے دیجیے۔ میں نے اسے بخش دیا۔ اس سے جو کوتاہیاں بتقاضائے بشریت ہو گئیں، کوئی کمی رہ گئی، وہ بھی معاف کر دی اسے بخش دیا: وَّاَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ⑪ اسے میں وہ کچھ دوں گا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ بے پناہ انعامات سے نوازوں گا۔

اب اللہ کا وعدہ بھی سامنے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب بھی سامنے ہے۔ راستہ بھی واضح ہے۔ انتخاب بندے پر ہے وہ کیا کرتا ہے؟ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لے گا وہی کامیاب ہے۔

اور جو دامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھامے گا وہ کیا کہیں چھپ سکے گا، کہیں روپوش ہو جائے گا؟

نہیں بلکہ فرمایا: اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو نشان پیچھے چھوڑ آئے ہیں ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔

دنیا سے تو مر کر ہی جائے گا تو مر کر کہاں جائے گا؟ فرمایا، میری بارگاہ میں ہی آئے گا۔ میں اسے دوبارہ زندہ کروں گا اور جو کچھ زندگی میں اس نے سوچا، جو کیا، جو بولا، جس پر عمل کیا وہ سب ہم نے لکھ لیا۔ جو اعمال اس نے آگے بھیجے وہ بھی ہم نے لکھ لیے۔ جو کام اس نے ایسے کیے جن کا اثر پیچھے بھی رہ گیا وہ بھی لکھے گئے۔ اگر کسی نے نیکی کی، شفاخانہ بنوایا، کنواں، سکول، مدرسہ بنادیا جب تک ان سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے بنوانے والے کو اجر ملتا رہے گا۔ جس نے مسجد بنادی اس میں جب تک اللہ اللہ ہوتی رہے گی اس کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ اگر کسی نے بدعت، برائی اور گناہ کی بنیاد رکھی تو جب تک وہ گناہ چلتا رہے گا اس کی ذمہ داری اس پر جاتی رہے گی۔ یعنی جو کچھ لوگوں نے آگے بھیجا وہ بھی لکھا ہوا ہے اور جو دنیا میں چھوڑ آئے، ان کے بارے کسی سے پوچھنا نہیں پڑے گا۔ سب کچھ ایک واضح، روشن کتاب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جو کرے گا وہ بھرے گا۔

یہ کتنا مشکل وقت ہوگا۔ آج بندہ سوچتا ہے کہ ہماری کتنی مجبوریاں ہیں خواہشات اور آرزوئیں ہیں لیکن یہ بھی کتنی واضح حقیقت ہے کہ اللہ نے انسان کو اندھیروں میں نہیں چھوڑا۔ انبیاؑ مبعوث فرمائے۔ اپنے کلام سے نوازا۔ زندگی میں اختیار دیا۔ حق کا راستہ واضح کیا۔ ہدایت پر چلانے کا مکمل نظام عطا فرمایا۔ مقدس ترین ہستیاں، حاملانِ وحی مبعوث فرمائے لیکن اکثر لوگوں نے نیکیوں کا دامن تھامنے کے بجائے اپنی خواہشاتِ نفس کی غلامی کرلی۔ اللہ کی نافرمانی کرنے کی دعوت دینے والا تو شیطان تھا، اس کے پیروکار بدکار اور برے لوگ تھے جو گناہ کی طرف بلاتے تھے۔

بندہ خود فیصلہ کرے کہ مجرم کون ہے وہی جوان بدمعاشوں، فاسق و فاجر لوگوں کے پیچھے بھاگ پڑتا ہے لہٰذا جو مجرم ہے وہی بھگتے گا۔

سورۃ یٰس رکوع 2 آیات 13 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ
اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَیَمَسَّنَّكُمْ
مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۚ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا
الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان سے گاؤں والوں کا قصہ بیان کیجیے، جب ان کے پیغمبر آئے ﴿۱۳﴾ جب ہم
نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے
(پیغمبر) سے تائید فرمائی تو انہوں نے فرمایا بے شک ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر
آئے ہیں ﴿۱۴﴾ وہ کہنے لگے تم ہماری طرح صرف (عام) آدمی ہو اور رحمٰن
(اللہ) نے تو کوئی چیز نازل نہیں فرمائی تم تو محض جھوٹ بولتے ہو ﴿۱۵﴾ انہوں نے
فرمایا ہمارا پروردگار جانتا ہے یقیناً ہم تمہاری طرف (پیغام دے کر) بھیجے گئے
ہیں ﴿۱۶﴾ اور ہمارے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ﴿۱۷﴾ وہ کہنے
لگے بے شک ہم تم کو نامبارک سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھروں سے مار
ڈالیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں سخت تکلیف پہنچے گی ﴿۱۸﴾ انہوں نے فرمایا

تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس لیے کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو ﴿۱۹﴾ اور ایک شخص اس شہر کے دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا اے میری قوم! (ان) پیغمبروں کی راہ پر چلو ﴿۲۰﴾ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہِ راست پر بھی ہیں ﴿۲۱﴾

تفسیر و معارف

اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں:

فرمایا: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اور ان سے گاؤں والوں کا قصہ بیان کیجیے جب اُن کے پیغمبر آئے۔ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر بھیجے تو انہوں نے اُن کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے (پیغمبر) سے تائید فرمائی تو انہوں نے فرمایا بے شک ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں۔

اللہ کتنے کریم ہیں اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک گاؤں والوں کی بات انہیں سنا رہے ہیں۔ ہم نے ان کے پاس اپنے رسولؑ بھیجے۔ انبیاءؑ وہ ہستیاں ہیں جو اللہ کے برگزیدہ بندے، جو معصوم عن الخطا ہیں، جن سے گناہ کا تصور ہی نہیں جو سراپا نیکی ہیں، جن کا قول، عمل، سوچ و فکر سب نیکی ہے۔ ہم نے اس گاؤں میں اپنے دو رسولؑ مبعوث فرمائے۔ قوم نے انؑ کی تکذیب کی۔ اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں، اللہ نے تیسرا نبیؑ بھی مبعوث فرما دیا۔ اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ نے مبعوث کیا ہے۔ اللہ کریم نے ہمیں نبوت عطا کی ہے۔ اپنی ذات کی عظمت اور ہماری صداقت کو تم پر ثابت کیا ہے، ہمیں قیامت، آخرت اور دائمی زندگی کی ساری خبر دی ہے۔ پیغمبرؑ کا کام اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پوری دلسوزی سے پہنچانا ہے۔ پیغمبروںؑ نے اپنا کام بہترین طریقے سے کیا۔ اس پر قوم کی طرف سے جواب کیا ملا؟ کہنے لگے تم تو ہماری طرح بشر ہو۔ جیسے ہم سوتے جاگتے ہیں تم بھی ویسے ہی سوتے جاگتے ہو۔ تمہارے بھی بیوی بچے ہیں، تمہاری بھی وہی ضروریات ہیں وہی انسانی تقاضے ہیں جیسے ہمارے ہیں تو ہم تمہیں اللہ کا پیغمبر کیوں مانیں؟

قرآن حکیم میں دوسری متعدد جگہوں پر ملتا ہے کہ اللہ کریم کی زمین پر اگر فرشتے بستے ہوتے تو اُن میں سے نبیؑ بھی بنایا جاتا لیکن زمین پر انسان بستے ہیں تو نبوت بھی انسانوں کو دی گئی۔ دوسرا یہ کہ انسان اشرف مخلوق ہے۔ فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ اگر فرشتوں کو نبی بنا کر زمین پر بھیجا جاتا تو وہ انسانی قالب میں ہی آتے لیکن کھاتے پیتے نہ

سوتے۔ فرشتوں کی طرح رہتے تو کون اُن کا اتباع کرتا؟ اس لیے بشریت کو عظمت سے نوازا گیا۔ رسالت اور نبوت بشریت کو عطا ہوئی۔ ہاں! نبیؑ کی بشریت کو خود پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انبیاؑ کی بشریت نبیؑ کی شان کے مطابق ہے۔ عام انسان کو خود کو بشر ثابت کرنے کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں آنا پڑتا ہے۔ ہم اتنے ہی بشر ہیں جتنا ہم اطاعت الٰہی اور اتباع پیغمبرؐ میں ہیں۔ نبیؑ کی بشریت کے بارے سورۃ الکھف میں آتا ہے: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکھف: 110) ہاں! بے شک میں تمہاری طرح کا بشر ہوں لیکن میری بشریت اتنی لطیف اتنی منزہ، اتنی پاک ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی آتی ہے۔ میں اللہ کا کلام وصول کرتا ہوں۔

فرمایا: قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿15﴾ وہ کہنے لگے تم ہماری طرح صرف (عام) آدمی ہو اور رحمٰن (اللہ) نے تو کوئی چیز نازل نہیں فرمائی تم تو محض جھوٹ بولتے ہو۔

غور کریں کہ نبوت کا انکار کر رہے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہتے ہیں کہ آپ عام آدمی ہیں اور ساتھ ہی اللہ کو رحمان بھی مان رہے ہیں۔ اگر وہ اللہ کو مان رہے ہیں تو کافر کیوں ہیں؟ اللہ کو ویسا ماننا جیسا اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منواتا ہے، یہ اسلام ہے اور اپنی پسند سے ماننا کفر ہے۔ ایک ہستی جو سب کی خالق ہوا سے ماننا عقل کی مجبوری ہے۔ یہ مجبوری کا ماننا اسلام نہیں۔ ویسا ماننا جیسا اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منواتا ہے، یہ اسلام ہے۔

کفار بھی اللہ کو اُن ذات وصفات کے ساتھ نہیں مان رہے جیسا کہ نبیؑ منوا رہے ہیں۔ اپنا ایمان تو اپنے آپ ہی ثابت کر رہے ہیں کہ ہم اللہ کو تو مانتے ہیں اللہ نے کچھ اتارا ہوتا تو ہم بھی مان لیتے اور نبیوںؑ کو کہہ رہے ہیں کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

مسلمانوں کو کفار کے حالات سنا کر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم کہیں اس طرح کے نہ ہو جانا۔ عنداللہ ایمان وہی مقبول ہے جیسا اللہ کے نبیؑ ارشاد فرمائیں نبیوںؑ کے باور کرانے پر باور کرنا ایمان ہے۔

انبیاؑ نے فرمایا: قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿16﴾ انہوں نے فرمایا ہمارا پروردگار جانتا ہے یقیناً ہم تمہاری طرف (پیغام دے کر) بھیجے گئے ہیں۔

فرمایا، اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے۔ ہمیں اللہ کریم نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿17﴾ اور ہمارے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ ہمارا منصب یہ ہے کہ اللہ کا پیغام تم تک من وعن پورے کا پورا پہنچائیں۔ ہماری ذمہ داری بھی بات پہنچانا ہے۔ بات منوانا ہماری ذمہ داری نہیں۔ ہم تو اپنی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔

گناہ سے روکنے والے کو فسادی کہنا کفر کا شیوہ ہے:

قَالُوْا۔۔۔ کہنے لگے: اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ۔۔۔ بے شک ہم تم کو نامبارک سمجھتے ہیں۔ یہ کفر کا وطیرہ ہے کہ خود گناہ میں غرق ہوجاتے ہیں۔ کوئی اس سے روکے تو کہتے ہیں یہ فساد کر رہا ہے۔ ان منکرین نے بھی یہی کہا کہ سب لوگ اچھے بھلے آباد تھے۔ سب بتوں کو سجدے کر رہے تھے سب کی حاجت برآری ہو رہی تھی تم نے آ کر ایک نیا عقیدہ دے دیا۔ ایسا مشکل میں ڈال دیا ہے کہ کوئی کافر ہے، کوئی مومن ہوگیا ہے۔ ایک جھگڑا بپا ہے تو تمہارے آنے سے کوئی برکت نہیں ہوئی۔

انہوں نے نہ صرف انبیاؑ کا انکار کیا، انبیاؑ کی شان میں گستاخی کی بلکہ اُن کے درپے آزار ہوگئے کہنے لگے:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھروں سے مار ڈالیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔

خلافِ اسلام عقیدہ اور عمل دونوں کی الگ الگ نحوست ہے:

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ انہوںؑ نے فرمایا، تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس لیے کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

خلافِ اسلام عقیدہ اور نظریہ، خلاف اسلام عمل، دونوں اپنی الگ الگ نحوست اور ظلمت رکھتے ہیں۔ یہ نحوست اندھیرا ہے۔ اندھیرے کو پسند کرنے والے بدکاری کو بطورِ فن اپناتے ہیں۔ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سود کھاتے اور حرام کو پسند کرتے ہیں انہوںؑ نے فرمایا، ہمارے ساتھ تو برکاتِ الٰہی ہیں۔ وحیٔ الٰہی ہے، نور ہے۔ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔ کبھی تم نے سوچا کہ برائی کا منبع کیا ہے؟ اس کی طرف بلانے والا کون ہے؟ نحوست تو حرام کاری اور بدکاری سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنے کردار کا جائزہ لو۔

وہ مالک جس نے تمہیں پیدا کیا، وجود بخشا، روح بخشی جس نے تمہیں انسان بنایا، عظمتِ انسانی بخشی اس نے تو تمہیں یہ باتیں کرنے سے روکا ہے پھر یہ نصیحت کس کی ہے جس پر تم عمل کر رہے ہو؟ تم لوگ تو بس حد سے نکل جانے والے ہو۔ تمہیں عظمتِ باری کا احساس رہا نہ اللہ کے احسانات تمہارے ذہن میں آئے، نہ اللہ کی بارگاہ میں جانے کا یقین رہا، نہ جوابدہی کا کوئی خوف رہا! تم نے تو ساری حدیں ہی پار کر لیں۔

دنیا میں اللہ کے اچھے بندے بھی ہوتے ہیں۔ کائنات اللہ کے مخلص، کھرے اور سچے بندوں سے خالی نہیں رہتی۔ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا

یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّ ہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ اور ایک شخص اس شہر کے دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا اے میری قوم! (ان) پیغمبروں کی راہ چلو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں۔

ایک اللہ کا نیک بندہ جو پہلے سے ایمان لا چکا تھا جب اس نے سنا کہ شہر کے دوسری طرف کفار و مشرکین اللہ کے نبیوں سے جھگڑ رہے ہیں تو وہ بھاگتا ہوا آیا اور اس نے آ کر لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم! میں تو تم لوگوں میں سے ہوں۔ میرے باپ دادا وہی ہیں جو تمہارے باپ دادا تھے۔ میں تمہارے درمیان پیدا ہوا، پلا بڑھا، اسی معاشرے کا فرد ہوں۔ میں نے انؑ کی بات مان کر دیکھا کہ انؑ کی بات سچ ہے اور ہمارے نظریات، ہمارا کردار، ہمارے رواجات غلط ہیں۔ یہ اللہ کے سچے بندے، اللہ کے نبی علیہ السلام جو بتا رہے ہیں یہی درست ہے تم سب بھی انؑ کا اتباع کر لو۔ اگر تمہیں یہ خطرہ ہے کہ تم ان کے پیروکار بن گئے تو یہ رئیس اور سردار بن جائیں گے تم سے معاوضہ لیں گے، تمہاری دولت لے لیں گے تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ یہ اللہ کے رسولؑ ہیں۔ بے غرض لوگ ہیں۔ انہیں تم سے کوئی طمع نہیں۔ تم سے کچھ نہیں چاہتے۔ حکومت نہ اقتدار، دولت نہ مال، یہ تمہیں دینا چاہتے ہیں لینا کچھ نہیں چاہتے۔ یہ تو تمہیں اللہ کے روبرو کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ جن گمراہیوں میں، جن پستیوں میں، جن ذلتوں میں تم گر چکے ہو، جن اندھیروں میں تم بھٹک رہے ہو یہ تمہیں ان ظلمتوں سے نکال کر اللہ کے روبرو، اس کی رحمت کے زیرِ سایہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر تم ان کی بات کیوں نہیں مانتے۔

انبیاؑ تو ہدایت یافتہ ہیں۔ نبیؑ کے سامنے دنیا اور آخرت دونوں کے حقائق ہوتے ہیں۔ دونوں پر انؑ کی نگاہ بیک وقت ہوتی ہے۔ ہمیں تو صرف دنیا کا رخ ہی نظر آتا ہے۔ ہم اندازے سے کام کرتے ہیں۔ ہمارے فیصلوں کے نتیجے میں بعض اوقات ہمیں نقصان ہو جاتا ہے۔ دوا لیتے ہیں، دوا موافق نہیں آتی یا کسی اور وجہ سے نقصان دیتی ہے۔ کاروبار میں نقصان ہو کر ہم مقروض ہو جاتے ہیں۔ ہمیں تو دنیا کا بھی پورا پتا نہیں لیکن اللہ کے نبیؑ جو دیکھتے ہیں حق دیکھتے ہیں۔ دنیا کے امور کے بارے جو فرماتے ہیں وہی حق ہوتا ہے۔ آخرت کے بارے جو بتاتے ہیں وہ حق ہوتا ہے۔

اس شخص نے حق کو بڑی دلسوزی سے واضح کیا۔ اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور کہا کہ اللہ کے نبیؑ حقیقت شناس ہیں، ہدایت یافتہ ہیں جو بتا رہے ہیں سچ بتا رہے ہیں حق کو جانتے بھی ہیں حق پر قائم بھی ہیں۔ پھر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے۔ ان کا معاوضہ اللہ کریم کے پاس ہے۔ یہ تو اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں۔ انؑ کی بات مان لو اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کے قلم سے چھ جلدوں پر مشتمل منفرد تفسیر

اسرار التنزیل

اسرار المعارف کے حوالے سے

فہم القرآن میں ہر قاری کے لیے مددگار

علما اور تفسیر کے طلبا کے لیے علم و حکمت کا انمول خزانہ

اور سالکین طریقت کے لیے راہِ سلوک میں راہنما ہے۔

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد وخواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ،روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔